مرقعِ اکبرآباد

یعنے

تاریخ آگرہ

جس کا

تاریخی نام **گنجینۂ تاریخ** ہے

اور جس میں

شہر آگرہ اور ضلع آگرہ کی مفصل تاریخ اور جملہ
عمارات شاہی اور دیگر آثارِ قدیمہ وغیرہ کا بیان ہے

مؤلفہٗ

خاکسار سعید احمد - مارہروی

سنہ ۱۳۴۹ھ
سنہ ۱۹۳۱ء

باہتمام مکرمی ایس ریاض الدین عفی عنہ

الیکٹرک ابوالعلائی پریس آگرہ میں چھپا

Electric Abul-Ulai Press Agra

ہدیۂ علمی

اُن مُخلصانہ تعلّقات اور دِلی مُحبّت کی لازوال یادگار

کے واسطے جو مُحبِّ قلبی مولانا محمد شُعیب صاحب مرحوم

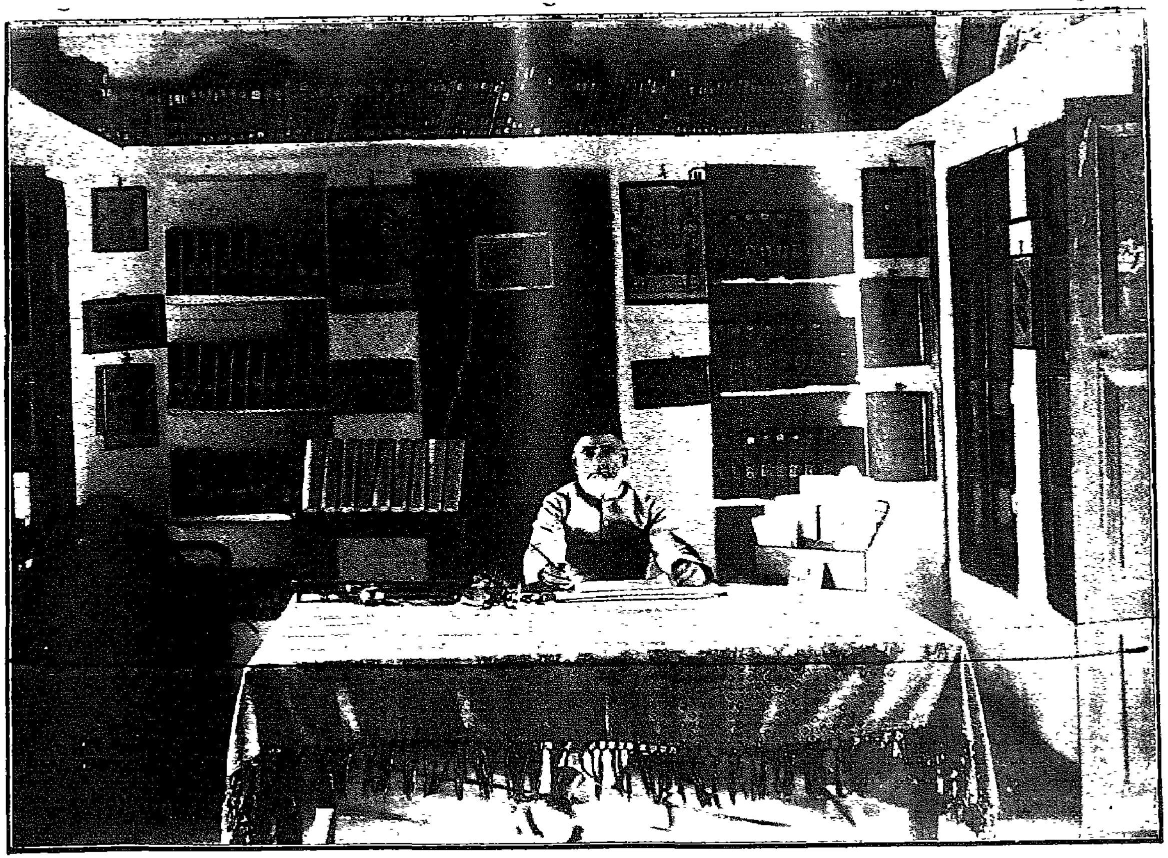
ٹونکی کے خواہرزادہ مولانا محمد یعقوب خاں صاحب

ٹونکی ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول کان پور کے ساتھ

ہیں یہ ناچیز علمی ہدیہ مولانا موصوف کے نامِ نامی سے

معنون کرکے موصوف کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

"گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف" ۔ خاکسار سعید احمد مارہروی



سعید احمد مارہروی مؤلف مرقع اکبرآباد

فہرست مضامین مرقع اکبرآباد

فہرست نقشہ جات عمارات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے نام تو بہترین سر آغاز　　بے نام تو نامہ کے کنم باز

* * *

ہر دم از ما صد درود و صد سلام　　بر رسول و آل و اصحابش تمام

عربوں کا فن تعمیر

عربوں کو فنِ تعمیر سے فطرتاً مناسبت تھی چنانچہ اسلام سے قبل بھی وہ فنِ عمارت میں شہرۂ آفاق تھے مارب میں جو یمن کا ایک شہر ہے سبا ابن لیشجب نے سیلاب کی طغیانی روکنے کے واسطے ایک نہایت مستحکم اور عجیب و غریب دیوار بنائی تھی جس کے دلچسپ افسانے اب تک مشہور چلے آتے ہیں۔ اس دیوار کے علاوہ اس بادشاہ نے ستتر نہریں بھی اپنے ملک میں بنوائی تھیں

قبل از اسلام بھی عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوئیں جن کی کچھ ٹوٹی پھوٹی یادگاروں اور آثارات قدیمہ کا پتہ محققین یورپ نے زمانہ حال میں چلایا ہے چنانچہ بعض ویران عمارتوں کے کھنڈرات سے جو بصرہ میں کھود کر نکالے گئے ہیں بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ عربوں نے زمانہ قدیم میں بھی فن تعمیر میں بڑی ترقی کی تھی۔ ارم عربوں کا ایک مشہور قبیلہ تھا جس نے ملک یمن میں بہت زمانہ تک سلطنت کی۔ اس قبیلہ کے ایک بادشاہ کا نام شداد تھا جس نے ایک عجیب و

غریب اور بے نظیر شہر آباد کر کے اس کا نام ارم رکھا تھا۔ اس شہر کی سب سے بڑی اور خوبصورت عمارت بہشت ارم یا بہشت شدّاد کے نام سے موسوم تھی جس کی تعریف سورۃ الفجر میں لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ موجود ہے مؤرخین عرب نے اس عمارت کی زیب زینت اور اور خوبصورتی کی اس قدر مبالغہ آمیز تعریفیں کی ہیں کہ مشہور مؤرخ ابن خلدون کو اس کے وجود ہی سے انکار کرنا پڑا لیکن اگر خلاف عقل اور مبالغہ آمیز روایتیں دور کر دی جائیں تو کوئی تعجب آمیز اور خلاف عقل بات نہیں معلوم ہوتی۔ اس عمارت کا ذکر دنیا کی اکثر زبانوں میں موجود ہے۔ یونانی میں اسے ہدرام کہتے ہیں جو عادِ ارم کی تحریف ہے پہلوی میں اس کا نام ارم بن ہے موجودہ فارسی کا لفظ آرام اسی ارم سے ماخوذ ہے۔ سنسکرت میں یہ آرام بن आराम बन کے نام سے موسوم ہے۔

اسلامی عہد کی اس وقت جس قدر قدیم عمارتیں موجود ہیں وہ سب جناب رسول اللہ صلعم کے بعد کی ہیں سب سے قدیم اسلامی عمارت حضرت فاروق اعظم سیدنا عمرؓ کی جامع مسجد واقع بیت المقدس ہے یہ نہ صرف ایک مقدس بلکہ سب سے قدیم اور اعلیٰ درجہ کی اسلامی عمارت ہے جس کی بنیاد حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے رکھی گئی تھی اس کو مختلف اوقات اور مختلف قرنوں میں خلفا اور سلاطین اسلام نے از سر نو تعمیر اور ترمیم کیا ہے۔ خلفائے بنی امیہ میں ولید بن عبدالملک اموی کو فن تعمیر سے خاص دلچسپی اور مذاق تھا جس کی ایجاد پسند طبیعت نے وہ وہ جدتیں پیدا کیں کہ بالآخر فن تعمیر میں ایک خاص اسلامی طرز قائم ہو گیا۔ دمشق کی مسجد جامع الکبیر کے علاوہ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی اور بہت سی عمارتیں اس نے تعمیر کرائی تھیں جو باستثنائے مساجد سب بنی عباس کے زمانہ میں منہدم کرا دی گئیں۔

اسلام کے عروج کے ساتھ فن عمارت کو بھی برابر ترقی ہوتی گئی۔ عربوں کی یہ خاص خصوصیت تھی کہ وہ جس سرزمین پر قدم رکھتے وہاں ساتھ ساتھ اپنا تمدن اور معاشرت لے جاتے اور اس خطہ کو عرب بنا لیتے تھے چنانچہ جہاں جہاں ان کا قدم جما اس کو شاندار

نادر الوجود عمارات سے آراستہ کردیا مختلف ممالک میں انہوں نے اپنی جو یادگاریں چھوڑیں ہیں اُن کے طرز تعمیر میں فرق ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف مفتوح ملکوں اور قوموں کے طرز تعمیر کی آمیزش سے ہر ملک میں جداگانہ طرز تعمیر قائم ہو گئے چنانچہ صرف **مصر** کے دارالسلطنت **قاہرہ** میں ہر قسم کے عربی طرز تعمیر کے نمونے موجود ہیں مسجد جامع **عمرؓ** سے لیکر جو **مصر** کی سب سے پہلی اسلامی عمارت ہے اور جس کے ابتدائی بناکے کچھ نقش نگار زمانہ کے دست برد سے اب تک محفوظ ہیں مسجد **قاغ بائی** کے زمانہ تعمیر (۱۵۰۲ء ۹۰۸ھ) تک جو مصری عربی طرز تعمیر کی آخری عمارت ہے ہر زمانہ کے نمونے موجود اور جداگانہ نظر آتے ہیں۔

تعمیر طرز اسلامی ہندوستان

ہندوستان کے مسلمان فاتح عرب نہ تھے بلکہ **ترک** اور **مغل** تھے جنھوں نے اپنی مفتوح قوم **عرب** کا تمدن اختیار کرلیا تھا

ان مسلمانوں نے **ایران** سے **ہندوستان** میں قدم رکھا اور اپنے ساتھ ایرانی عربی مخلوط طرز تعمیر ساتھ لائے۔ یہاں انھیں مفتوح قوم کے طرز تعمیر اور کاریگروں سے سابقہ پڑا اور اس جدید طرز کی آمیزش سے ایک جداگانہ طرز تعمیر کی بنیاد پڑنا شروع ہوئی جو مختلف زمانوں میں مختلف رنگ اختیار کرتا گیا۔ **ہندوستان** میں سب سے قدیم اسلامی عمارات **قطب صاحب** کی مسجد اور سلطان **علاؤالدین** خلجی کا دروازہ اور سلطان **شمس الدین التمش** کا مقبرہ جو پرانی دہلی میں واقع ہیں۔ ان عمارتوں میں عربی وضع غالب اور ایرانی طرز کم اور خاص ہندی نمونہ بہت ہی کم نظر آتا ہے ان میں سلطان **علاؤالدین** خلجی کا دروازہ سب سے مستحکم خوبصورت اور **ہندوستان** کے مسلمانوں کی فن تعمیر کا بہترین بلکہ لاثانی نمونہ ہے ڈاکٹر گستاولی بان مشہور فرانسیسی محقق آثار قدیمہ (صاحب تمدن عرب) کا بیان ہے کہ آج عربوں کی یادگاروں میں اس عمارت سے عمدہ کوئی عمارت موجود نہیں ہے۔ یہ جس قدر عظیم الشان ہے انتہائی مستحکم بھی بنا ہوا ہے جو اس کو بغور دیکھے گا وہ اس حیرت انگیز صنعت کی قدر کریگا۔ دروازہ کے

ستون ہندی وضع کے ہیں محرابوں کا طرز اور بہت بڑا حصّہ آرائشوں کا عربی ہے اور
عمارت کی مجموعی صورت کسی قدر اُن دروازوں کو یاد دلاتی ہے جو ایران کی اِس قسم کی عمارتوں
میں ہوا کرتے ہیں۔ زمانہ مابعد کی اسلامی عمارتوں میں رفتہ رفتہ عربی طرز کم اور ایرانی اور ہندی
طرز تعمیر بڑھتا گیا جو ہندی ایرانی عربی یا مُغلئی طرز تعمیر کے نام سے موسوم ہے۔

ہندوستان کے طول وطویل مُلک اور جُداگانہ طرز وتمدّن کے حصّوں میں مختلف مُسلمان
خاندانوں نے حکومتیں کیں اور ہر ایک خاندان نے اپنے اپنے ملک کے طرز وتمدّن کی آمیزش
سے جُداگانہ طرز کی عمارتیں تعمیر کرائیں بلکہ خود ایک ہی ملک اور خاندان کے مختلف بادشاہوں کے طرز
تعمیر میں نمایاں فرق نظر آتا ہے اس لحاظ سے ہندوستان سے وسیع ملک میں بیسیوں جُداگانہ اسلامی
طرز تعمیر موجود ہیں جن کے مختصر بیان کے واسطے ایک جُداگانہ کتاب کی ضرورت ہے چونکہ ہماری
اس کتاب کو زیادہ تر مغلیہ طرز تعمیر سے تعلق ہے لہذا کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا حال بیان
کیا جاتا ہے۔

عمارات عہد لودی

اکبر آباد یا آگرہ کو سُلطان سکندر لودی نے از سر نو آباد کیا اور یہاں عمدہ عمدہ
عمارتیں تعمیر کرائیں مگر افسوس کہ سوائے ایک بارہ دری کے جس میں اب مریم الزمانی بیگم والدہ
جہانگیر بادشاہ کا مقبرہ ہے کوئی اور یادگار سلاطین لودی کے زمانہ کی باقی نہیں رہی یہ بارہ دری
بھی اصلی حالت پر قائم نہیں رہی اور اُس میں بہت کچھ تغیر تبدل ہو گیا ہے۔

عمارات عہد بابری

شہنشاہ بابر نے ہندوستان کو فتح کرکے آگرہ ہی میں دارالخلافت قائم رکھا اور جمنا پار
اُس مقام پر جہاں اب آگرہ جمنا برج ریلوے اسٹیشن اور مقبرہ اعتماد الدولہ واقع ہے شاہی
محلات اور باغات تعمیر کرائے اور امرائے شاہی نے بھی عالی شان حویلیاں بنوائیں جن کا
سلسلہ آگرہ سے موضع کھندولی تک چلا گیا تھا۔ اِس جدید آبادی کا نام جسے موجودہ اصطلاح
کے لحاظ سے اس زمانہ کی چھاؤنی یا صدر بازار کہنا چاہیئے۔ آگرہ والوں نے کابل
رکھ دیا تھا۔

باوجود اس کے کہ بابر کا مختصر زمانہ بغاوتیں فرد کرنے اور امن وامان قائم کرنے میں ختم ہو گیا مگر اس پر بھی اس نے دھول پور۔ سیکری اور گوالیار کے علاوہ خاص آگرہ میں محلات کے علاوہ تین بے نظیر باغات تعمیر کرا کر ان کو چہار باغ۔ باغ زرافشاں اور باغ ہشت بہشت کے نام سے موسوم کیا جن کی عمارات وغیرہ کا حال تزک بابری میں موجود ہے افسوس کہ اب سوائے چہار باغ کے آثار کے اور کسی باغ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا چہار باغ کی باقیماندہ عمارات (چوبرجی اور مسجد) ایک معمولی عمارت ہے جس سے اس عہد کی تعمیر کے متعلق کوئی صحیح رائے تو قائم نہیں کی جا سکتی لیکن عمارت کی موجودہ شکل سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے کاریگروں نے اس عمارت کو سرسری طور سے تعمیر کیا ہے۔

تزک بابری اور تزک جہانگیری سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مغلیہ عہد کی یہ ابتدائی یادگار کچھ زیادہ اہتمام کے ساتھ تعمیر نہیں کی گئی اور خود بابر کو بھی مسجد کی عمارت پسند نہیں آئی تھی۔

عمارات عہد ہمایونی

ہمایوں کا عہد سلطنت زیادہ تر لڑائی جھگڑوں میں ختم ہوا اس عہد کی صرف ایک مٹی مٹائی یادگار جمنا پار۔ کچھ پورہ کی مسجد باقی ہے جو مسجد ہمایوں کے نام سے موسوم اور نہایت ویران و شکستہ حالت میں ہے۔

پٹھانی طرز کی عمارتیں

شیر شاہ سور اور سلیم شاہ سور نے دہلی کو دار الخلافت بنایا لہذا اس عہد کی کوئی خاص شاہی عمارت تو آگرہ میں موجود نہیں البتہ پٹھانی طرز تعمیر کی یہ چند یادگاریں باقی ہیں جو اس عہد یا ابتدائی اکبری عہد کی تعمیر شدہ ہیں۔ کالی مسجد۔ گنبد مزار شاہ علاء الدین مجذوبؒ و مسجد درگاہ۔ گنبد مزار شیخ حسن شیرازیؒ واقع احاطہ کچہری دیوانی۔ گنبد درگاہ رفیع الدین صفوی محدث اکبر آبادیؒ بارہ دری سلیم گڈھ واقع قلعہ عمودی دیواریں اور چپٹے گنبد اس طرز تعمیر کی خصوصیات سے ہیں۔

مغلیہ طرز تعمیر

آگرہ میں اب جو شاہی عمارتیں باقی ہیں اور جن کی وجہ اس مٹی مٹائی حالت میں بھی آگرہ

مرجع عالم بنا ہوا ہے وہ اکبر و جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد کی ہیں۔ اس دور میں عربوں
کے ملکی وجود کا خاتمہ ہوچکا تھا اور اُن کے مقابلے میں ہندوؤں اور ایرانیوں کا اثر قائم ہوگیا
تھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ عربی طرز تعمیر کی بجائے ہندی طرز تعمیر غالب ہوکر جدید مغلیہ طرز تعمیر کی
بنیاد پڑی۔ یہ جدید طرز تعمیر بھی تین حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ اول ابتدائی یا اکبری

اکبری طرز تعمیر

طرز تعمیر اس میں ہندی خصوصاً بودھ اور جینی طرز تعمیر غالب ہے۔ اکبر اعظم کو فنِ عمارت سے
خاص دلچسپی تھی۔ فتحپور سیکری کے محلات کے علاوہ جو اس طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں اور جن میں
بودھ اور جینی طرز تعمیر نہایت نمایاں اور پیش پیش ہے آگرہ کا قلعہ اور مسجد مخنثان اور
عیدگاہ اس دور کی یادگار ہیں۔

جہانگیری طرز تعمیر

دوسرا وسطی یا جہانگیری طرز تعمیر۔ اس میں ہندو اور بودھ طرز تعمیر کے ساتھ عربی اور ایرانی
طرز بھی دور اول سے زیادہ نظر آتا ہے جہانگیر مناظرِ قدرت کی قدردانی میں شہرہ آفاق تھا
اُس کی عمارتی دلچسپی کا اندازہ اس کے روزنامچہ تزکِ جہانگیری سے بخوبی ہوتا ہے۔ جہاں جہاں
اُس کا گذر ہوتا ہے وہاں کی قدیم عمارات کا حال شرح و بسط کے ساتھ قلم بند کرتا جاتا ہے۔
جس عمارت کو وہ خوشنما اور عالی شان پاتا ہے اُس کے بانی کی عالی ہمتی کی تعریف کرتا ہے۔ آثار
قدیمہ کی مرمت و درستی میں بھی وہ بے دریغ روپیہ صرف کرتا ہے۔ آگرہ میں اُس کے عہد کی
یادگاروں میں سکندرہ (روضہ اکبر بادشاہ) اعتمادالدولہ قلعہ کا جہانگیری محل۔ مقبرہ
فیروز خاں۔ مسجد معتمد خاں اور رام باغ خاص طور سے ممتاز ہیں۔ جہانگیری دور کی
عمارات کی آرائشوں میں صراحی اور پیالے کا عام طور سے استعمال کیا گیا ہے۔

شاہجہانی طرز تعمیر

تیسرا آخری یا شاہجہانی طرز تعمیر۔ اس میں بہ نسبت ہندی طرز کے ایرانی اور عربی
طرز زیادہ نمایاں ہے۔ شاہ جہاں بادشاہ کو نہ صرف عالی شان اور خوشنما عمارتوں کے
بنوانے ہی کا شوق تھا بلکہ وہ خود بھی فنِ تعمیر کا بہت بڑا ماہر تھا۔ یورپین مورخوں اور
سیاحوں نے اُسے پیلس بلڈر کا خطاب دیا ہے جس کے معنی عالیشان محل بنوانے والے

کے ہیں۔ آگرہ کی سب سے زیادہ شہرت اور زینت اسی دور کی عمارات سے ہے۔ ان میں روضہ ممتاز محل۔ موتی مسجد۔ دیوان خاص۔ دیوان عام۔ مثمن برج شیش محل۔ محل خاص۔ نگینہ مسجد۔ زنانی مسجد تو عجائبات دنیا میں شمار ہونے کے لائق ہیں جن میں عمدہ پچیکاری گلکاری اور کتبوں کی آرائش و زیبائش اور دیگر عمارتی تناسب کو کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ ان کے علاوہ شہر کی موجودہ رفیع الشان جامع مسجد۔ فتحپوری مسجد۔ چینی کا روضہ جو آگرہ میں واحد کاشی کاری یعنی چینی کے کام اور ایرانی طرز آرائش کی عمارت ہے۔ اسی عہد کی صناعی کا نمونہ ہیں۔ مختلف پتھروں کی پچیکاری۔ آرائشی طاقچے یا آویزے بے نظیر کتبے۔ منبت کار گلکاریاں۔ علی العموم سنگ مرمر کا استعمال اس عہد کی خصوصیات سے ہیں۔ اکبری و جہانگیری عہد کی عمارتوں کی آرائشوں میں زیادہ تر اشکال ہندسی سے کام لیا گیا ہے اس کے بجائے شاہجہانی عمارتوں کو نفیس و بے نظیر پھول پتوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔

عالمگیری عہد کی یادگار

شہنشاہ عالمگیر کے عہد کی صرف ایک مسجد آگرہ میں واقع اور مسجد مبارک منزل کے نام سے موسوم تھی۔ جو اب رائے بہادر سیٹھ سورج بھان صاحب کے قبضہ میں اور منقلب حالت میں ہے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی بیرونی فصیل اور شاہ جہاں کی قبر کے دونوں تعویذ بھی عہد عالمگیری کی یادگار ہیں مرہٹوں اور جاٹوں نے اپنی چند روزہ عہد حکومت کی کوئی خاص یادگار آگرہ میں نہیں چھوڑی صرف ایک چھوٹا سا مندر اور دلنا جاٹ کی حویلی قلعہ میں جاٹوں کے قبضہ کی معمولی یادگار ہے۔

انگریزی عہد کی عمارتیں

انگریزی عہد کی عمارتوں میں شفا خانہ کی عمارتیں سب سے زیادہ شاندار ہیں ان کے علاوہ سینٹ جونس کالج۔ ریلوے اسٹیشن آگرہ فورٹ۔ سینٹ پیٹرس کالج و گرجا۔ آگرہ کالج۔ عمارات دیالباغ قابل الذکر ہیں۔

مقابر

سلاطین ہند خصوصاً مغلوں اور اُن کے اُمرا کا میلان فنِ عمارت میں زیادہ تر محلات
یا مقابر بنانے میں رہا ہے جس اہتمام اور کثرت سے ہندوستان میں مقابر تعمیر کیے گئے اُس کی
نظیر ملنا مشکل ہے چونکہ یہ مقبرے علی العموم اپنی زندگی میں تعمیر کر لئے جاتے تھے لہذا فطرتاً
ہر شخص اپنی یا اپنے محبوب کی آخری یادگار کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی کوشش کرتا تھا مقابر کی
تعمیر کا شوق اس درجہ پر تھا کہ انسان تو انسان گھوڑوں۔ کتوں۔ ہرنوں وغیرہ حیوانات
کی یادگار میں بھی بڑی بڑی عمارتیں یا مقبرے اس ملک میں تعمیر کی گئیں۔ چنانچہ خود اسی آگرہ
میں اکبر بادشاہ کے ایک وفادار کتے کا عالی شان مقبرہ باہتمام دربار خاں تعمیر کیا گیا تھا اور
دربار خاں بھی اپنی وصیت کے بموجب اسی مقبرے میں دفن ہوا اس کے علاوہ قلعہ
آگرہ کی جنوبی دیوار کے نیچے اور سکندرہ کے راستہ میں دو سنگین گھوڑے اسی حیثیت
کی یادگار ہیں آگرہ جو مغلوں کی عہد سلطنت کے شباب میں سو برس سے زیادہ دار الخلافت
رہا اس عہد کے نفیس و بے نظیر مقابر کا ایک اعلیٰ درجہ کا عجائب خانہ تھا جس میں نہایت کثرت سے
ہر قسم اور طرز تعمیر کے مقبرے موجود تھے شہر کے چاروں طرف خصوصاً لب جمنا کوسوں تک باغات
کے اندر ان مقابر کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ مگر انقلاب زمانہ اور دو سو برس کی کس مپرسی اور اکثر
متولیوں کی طمع نفسانی سے سیکڑوں کیا ہزاروں مقابر اور آثار قدیمہ کھد کھدا کر نیست و نابود ہو گئے
چھوٹے مقابر یا گنبد تو کس شمار میں ہیں مقبرہ نواب اعظم خاں کوکلتاش عالمگیری۔ مقبرہ امیر الامرا
نواب شائستہ خاں۔ مقبرہ لاڈلی بیگم و شیخ فیضی۔ مقبرہ جودھا بائی۔ مقبرہ عظمت خاں
مقبرہ دیوانجی بیگم۔ مقبرہ نواب جعفر خاں وغیرہ سی نفیس و بے نظیر عمارتیں منہدم کرا دی گئیں۔ اس پر
بھی شہر کے قرب و جوار میں کوسوں تک مقابر کے شکستہ گنبد اور تہ خانے نظر آتے ہیں قبروں
کے سنگین تعویذوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ باقیماندہ مقابر میں روضہ ممتاز محل۔ سکندرہ
(روضہ اکبر بادشاہ) اعتماد الدولہ۔ مقبرہ فیروز خاں۔ مقبرہ مریم الزمانی بیگم۔ مقبرہ صادق
خاں۔ چینی کا روضہ مشہور و قابل دید ہیں اسی طرح بیسیوں شکستہ حال مسجدیں قدیم باغوں کے پختہ

چاہات شہر کے قرب و جوار میں موجود ہیں۔

مصارف عمارات شاہی پر بحث

شاہی عہد کی جن عمارات کا صرفہ کتبِ تواریخ میں یا کتبوں میں مندرج ہے اس زمانہ میں علی العموم اُس کو لغو اور بعید از عقل سمجھا جاتا ہے مثلاً روضہ ممتاز محل کی تعمیر کا خرچ سرکاری تاریخ بادشاہنامہ ملا عبد الحمید لاہوری میں پچاس لاکھ۔ اکبر کے روضہ کی تعمیر کا صرف تزک جہانگیری میں پندرہ لاکھ۔ جامع مسجد اور موتی مسجد آگرہ کی تعمیر کا خرچ کتبوں میں پانچ لاکھ اور تین لاکھ مندرج ہے۔ اسی بنا پر اکثر یوروپین مؤرخوں اور سیاحوں نے لکھدیا ہے کہ زمانہ تعمیر روضہ ممتاز محل میں معماروں اور مزدوروں نے فاقہ کشی کی اور اُن کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوائے اعلیٰ درجہ کے صناعوں انجینیروں کے جو علی العموم منصب دار مقرر کر دیئے جاتے تھے معمولی معماروں اور مزدوروں کی شرح اُجرت بوجہ غلہ کی ارزانی کے زمانہ حال کی مزدوری کی شرح سے بہت کم تھی چنانچہ اکبر عہد میں مزدوری کی شرح حسب ذیل تھی۔

شرح اُجرت معماران وغیرہ

معمار۔ درجہ اول ۷ دام (۲ر۹پ) دوم ۶ دام (۲ر۴پ) سوم ۵ دام (۲ر) چہارم ۴ دام (ار۷پ) یومیہ۔

سنگتراش۔ سادہ سنگتراشی یک گزی اُجرت ۵ دام (۲ر) اور منقش کی فی گز ۶ دام (۲ر۴پ) تھی

نجار۔ درجہ اول ۷ دام (۲ر۹پ) دوم ۶ دام (۲ر۴پ) سوم ۴ دام (ار۷پ) چہارم ۳ دام (ار۲پ) یومیہ۔

بیلدار۔ درجہ اول ۳½ دام (ار۴پ) دوم ۳ دام (ار۲پ)

خشت تراشی۔ فی صدی آٹھ دام (۳ر۲پ)

آب کش۔ اول تین دام (ار۲پ) دوم ۲ دام (۹پ) یومیہ۔

آرہ کش۔ دو دام (۹پ) یومیہ یا فی گز مکسر ۱½ دام (ار)

نرخ غلہ

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اُس وقت گیہوں کا نرخ ۱۲ دام (۴ر۹پ) فی من (۲۶ سیر) انگریزی اور جو چنے کا ۸ دام (۳ر۲پ) فی من۔ اور سفید شکر کا ۱۲۰ دام (۳ہے موجودہ)

فی من۔ اور گھی کا ۱۰۵ دام (عیعا ۱۳) فی من۔ اور روغن سیاہ کا ۸۰ دام (عگا) فی من تھا۔

نواب محمد خاں بنگش بانی فرخ آباد کے عہد کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں معمار کی مزدوری ۱/ اور ۱/ اور بیلدار کی ۔/ یومیہ تھی شروع انگریزی عہد تک معمار کو ۲/ یومیہ بلکہ اس سے بھی کم اُجرت ملتی تھی جواب گرانی غلہ کی وجہ سے ایک روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہر بادشاہ کے عہد میں تعمیرات کا ایک مستقل عملہ رہتا تھا جس میں منتظمین عمارت کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے صنّاع اور کاریگر بھی ہوتے تھے یہ لوگ اپنے اپنے منصب کے مطابق نہایت بیش قرار تنخواہیں پاتے تھے اور ہر ایک کو اپنی منصب کے مطابق باربرداری بھی رکھنا فرض تھا۔ پتھر شاہی کانوں سے نکلتے تھے لکڑی بھی بادشاہی جنگلوں سے آتی تھی بلور اور جواہرات خزانہ عامرہ سے دئے جاتے تھے۔ باربرداری عملہ مستقل کی موجود تھی۔ صرف معمولی معماروں اور مزدوروں اور مصالح کے غیر معمولی اخراجات کا حال تاریخوں یا کتبوں میں درج ہے مثلاً قاسم خاں۔ میر عبدالکریم۔ مکرمت خاں معمور خاں۔ خلیل اللہ خاں وغیرہ کے علاوہ جو مغلیہ عہد کے مختلف زمانوں اور عمارتوں میں عمارت یا انجنیر لیکن اُمرائے عالی شان سے تھے۔

روضہ ممتاز محل کے کتابہ نویس امانت خاں شیرازی کا نام پیش کیا جاتا ہے جو منصب ہزار و دو صدی پر سرفراز اور اسی منصب کی تنخواہ پاتا تھا۔ انگریزی عہد میں چونکہ کل عمارتیں ٹھیکہ میں تعمیر ہوتی ہیں لہذا کاریگروں اور صنّاعوں کا کوئی عملہ مستقل نہیں لیکن منتظمین اور مبصرین فن کا وسیع محکمہ موجود ہے جس کے مستقل اخراجات جُدا گانہ عمارتوں میں نہیں دکھائے جاتے ہیں پس بوجوہات مندرجہ بالا صحت کے ساتھ کسی شاہی عمارت کی تعمیر کے اخراجات کی تعداد اب نہیں معلوم ہو سکتی:۔

اس وقت تک اُردو زبان میں آگرہ سے جلیل القدر اور باعظمت شہر کی جہاں خاندان مُغلیہ کے جاہ و جلال اور گلشن اسلام کے ایّام بہار کی بیسیوں لاثانی یادگاریں مٹتے مٹاتے باقی رہ گئی ہیں کوئی مفصل یا مختصر تواریخ موجود نہیں تھی جب سے لارڈ کرزن صاحب گورنر جنرل ہند نے آثار قدیمہ

کے تحفظ کو قانون نافذ فرماکر ان قدیم و بے نظیر یادگاروں کو گورنمنٹ کے سحاب کرم سے سیراب اور مرمت و نگہداشت کے آب حیات سے دوبارہ زندگی بخشی ہے ہر شخص کی توجہ ان قدیم یادگاروں کی طرف ہو گئی ہے اور اکثر لوگ قدیم عمارات اور آثارات کے صحیح تاریخی حالات معلوم کرنے کے مشتاق نظر آتے ہیں۔ میرے مخدوم مولوی محمد معین الدین صاحب اکبرآبادی نے آگرہ کی ایک مستقل اور مبسوط تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور کئی سال کی لگاتار کوشش اور محنت سے اس کے متعلق کافی ذخیرہ بھی فراہم کر لیا تھا۔ ۱۹۰۴ء میں اس کا ایک حصہ جو **معین الآثار** کے نام سے موسوم ہے اور اس میں میں روضہ **ممتاز محل** اور عمارات ملحقہ کا مفصل بیان ہے بطور نمونہ شائع بھی کیا گیا مگر افسوس کہ مولانا کے آگرہ سے تبدیل ہو جانے اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے مکمل تاریخ اب تک شائع نہ ہو سکی ۱۹۰۶ء میں راقم **مرقع اکبرآباد** نے فتحپور سیکری کی تاریخ موسومہ **آثار اکبری** قلمبند کر کے شائع کی اور اب گیارہ برس کے انتظار کے بعد مولانا موصوف کی تاریخ آگرہ سے ناامید ہو کر آگرہ کی یہ مختصر تاریخ **مرقع اکبرآباد** نہایت ادب سے ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے امید ہے کہ ناظرین کرام میری کم علمی اور محدود تاریخی واقفیت پر لحاظ فرما کر میری غلطیوں اور فروگذاشتوں سے درگزر فرمادینگے دعائے خیر سے یاد فرمادیں گے کہ اصل میں یہی امید ان اوراق پریشان کے ترتیب و اشاعت کا باعث ہے ؎

یکون الخط فی القرطاس دھراً - وکاتبہ رمیم فی التراب

الحمد للہ اولاً و آخراً

مقام آگرہ - کتب خانہ محمدیہ
۸ رجماد الثانی ۱۳۳۴ھ
مطابق
۱۲ اپریل ۱۹۱۶ء

عبد ذلیل فقیر حقیر سعید احمد مارہروی
مؤلف آثار اکبری - آثار خیبر - امرائے ہنود
بوستان اخیار - حیات خسرو وغیرہ

۶۸۶
۲۸۹

ہر کام کے سر انجام کا ایک خاص وقت مقرر رہے۔ کُلُّ اَمْرٍ مَرْہُوْنٌ بِاَوْقَاتِہَا کیسا سچا مقولہ ہے۔ تقریباً ۵ برس کے تخیلات و تحقیقات اور دماغ سوزی کے بعد ۱۹۱۶ء میں یہ کتاب تکمیل کو پہنچی تھی اور شائع ہونے کے واسطے ایک صاحبِ مطبع کے حوالہ کی گئی تھی کل کتابت ختم ہو گئی۔ کاپیوں کی دیدہ ریزی سے بھی فرصت پائی مگر صاحبِ مطبع کے لیت ولال اور امروز فردا سے تمام کاپیاں بیکار اور ناقابلِ طبع ہو گئیں اور مسودہ کا اکثر حصّہ بھی ضائع ہو گیا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ اور کوشش کی گئی مگر اُس وقت بھی ایسی مجبوریاں پیش آئیں کہ باوجود محنتِ شاقہ کتاب شائع نہ ہو سکی۔ اس کے بعد ملازمت کی پابندی اور سب سے زیادہ انجمن محمدیہ اور شعبہ محمدیہ ہائی اسکول کے کثرتِ کاروبار اور مشغولیت کی وجہ سے اس قدر عدیم الفرصتی رہے کہ اس کا خیال ہی جاتا رہا اب ۱۳ برس کے بعد یکایک اس جانب پھر توجہ ہوئی مسودہ کے اوراقِ پریشان تلاش کئے گئے۔ تو بہت سے مضامین نہیں ملے۔ برسوں کے دیگر افکار اور انہماک نے دماغ سے تاریخی مضامین کو بھی محو کر دیا تھا۔ بہرحال خدا کا نام لے کر اور اُس کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے پھر کام شروع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ آج وہ تکملہ کو پہنچا اب اُسی کی بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا ہوں کہ بطفیل حضور سرورِ عالم محبوبِ معظم محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلعم اس کے طبع اور شائع ہونے کی نوبت آئے اور اس کو درجہ مقبولیت حاصل ہو اور بندہ گنہگار راقم الحروف کا انجام بخیر ہو آمین۔

جملہ ناظرین کتاب سے دعا کا خواستگار ہوں۔

بماند سالہا ایں نظم و ترتیب
زما ہر ذرّہ خاک افتادہ جائے
غرض نقشیست کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمے بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے بہ رحمت
کند در حقِ ایں مسکیں دعائے

سعید احمد مارہروی

۱۲ شعبان المعظم ۱۳۴۷ھ ہجری
مطابق
۲۴ جنوری ۱۹۲۹ء عیسوی
یوم پنجشنبہ

۷۸۶
۲۸۹

کمال ندامت و افسوس کے ساتھ اظہار کیا جاتا ہے کہ غیر معمولی تفکرات اور مجبوریوں کی وجہ سے مرقع اکبرآباد پھر دو برس تک خلعتِ طبع سے محروم رہی آج اللہ پاک کے نام سے اس کی کتابت شروع کرائی جاتی ہے۔ خدا کرے کہ اس مرتبہ کامیابی حاصل ہو۔

سعید احمد مارہروی

۱۴ رجب المرجب سنہ ۱۳۴۹ھ
مطابق
۶ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

تاریخ آگرہ

آگرہ ہندوستان کا ایک قدیم شہر اور ضلع آگرہ کا صدر مقام اور صوبہ متحدہ کا نام نہاد شہر ہے جو طول البلد مشرقی ۷۷ درجہ ۲۶ دقیقہ و ۷۸ درجہ ۳۲ دقیقہ و عرض البلد شمالی ۲۶ درجہ ۴۴ دقیقہ و ۲۷ درجہ ۲۵ دقیقہ کے درمیان میں واقع ہے اس ضلع کے شمال میں اضلاع متھرا و ایٹہ۔ جنوب میں دھول پور اور گوالیار کی ریاستیں۔ مشرق میں اضلاع مین پوری و اٹاوہ اور مغرب میں ریاست بھرت پور واقع ہے کل ضلع آگرہ کا رقبہ ۱۸۵۳ مربع میل ہے۔

آگرہ کی آب و ہوا گرم و خشک اور بلغمی مزاج کے موافق ہے۔ یہ شہر تمام صوبہ متحدہ میں سب سے زیادہ گرم مشہور ہے۔ یہاں گرمی کا موسم زیادہ اور اپریل سے جون تک بہت سخت لوئیں چلتی ہیں حرارت کا سالانہ اوسط ۷۸٫۹ ہے۔ جنوری کا اوسط ۵۹٫۸ اور جون کا اوسط ۹۵ ہے۔ برسات ہمیشہ کم ہوتی ہے اور بارش کا اوسط ۲۶٫۵۳ انچ ہے

علی العموم یہ ضلع اور شہر صحت آور سمجھا جاتا ہے۔ اوسط فوتی ۳۱٫۵۱ فی ہزار اور پیدائش ۴۱٫۴۴ فی ہزار ہے۔

دریاؤں کی وجہ سے اس ضلع کے کئی حصے ہو گئے ہیں دریائے جمن کے شمالی جانب کی دو زرخیز تحصیلیں اعتماد پور اور فیروزآباد دوآبہ یعنی گنگا اور جمنا کے درمیان میں واقع ہیں۔

آگرہ کی وجہ تسمیہ

آگرہ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہہ سنسکرت کے لفظ اگر (अगार) سے نکلا ہے جس کے معنی پہلے کے ہیں۔ چونکہ یہ بندرابن کے قرب و جوار کے اُن مقامات میں جہاں سری کرشن جی مع اپنی گوپیوں کے جایا کرتے تھے پہلا مقام یا اُن کی گایوں کا پہلا بن جنگل یا چراگاہ تھا لہذا اگربن کے نام سے مشہور ہو کر ابتدا در زمانہ سے آگرہ ہو گیا۔ کسی کا بیان ہے کہ یہاں کے شور پانی کی وجہ سے زمانہ قدیم میں نمک یہاں بہت بنتا تھا لہذا اگر یعنی کانِ نمک سے آگرہ بن گیا۔ کونٹس کرٹیس ایک یونانی مورخ لکھتا ہے یہہ پارسی شاہزادہ اگرامس کے نام سے اخذ کیا گیا ہے۔ بعض اس کے نام کو اگروال بنیوں سے منسوب کرتے ہیں۔

قدیم تاریخ

شیخ عبداللہ صاحب تاریخ داودی لکھتے ہیں کہ متھرا کے مشہور راجہ کنس کے زمانہ میں آگرہ ایک مضبوط مقام تھا جہاں راجہ کے قیدی رہا کرتے تھے منشی سیلچند اپنی تاریخ آگرہ میں لکھتے ہیں کہ آگرہ قدیم زمانہ میں ایک بڑا شہر تھا جو ایک زبردست راجہ جمراج کی راجدہانی اور اسی مناسبت سے جم پرست کے نام سے موسوم تھا۔ ہندوؤں کے زمانہ کی اب کوئی یادگار باقی نہیں البتہ شہر کے اندر ایک نالہ کنس کھار کے نام سے اب تک مشہور ہے اور بلکیشور مہادیو کے مندر کے قریب چند کھنڈر موجود ہیں جو

محل راجہ بھوج

راجہ بھوج کے محل کے نام سے موسوم ہیں مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہہ کس راجہ بھوج کی یادگار ہیں آگرہ اور قرب و جوار خصوصًا اعتماد پور اور بٹیشور میں بودھوں اور جینیوں کے زمانہ کی قدیم مورتیں اکثر برآمد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں اس مقام پر کوئی بڑا شہر آباد تھا سنہ ۱۸۶۹ء میں تحصیل ہوتی کٹرہ کی سڑک کھودتے وقت چند قدیم مورتیں نکلی تھیں جن میں سنگ موسلی کی ایک مورت پر کتبہ بھی تھا۔ یہ مورت ماگھہ سدی نیرس سمت ۱۰۶۳ (سنہ ۱۰۰۶ء) کی بنی ہوئی اور شمرت چن کے نام سے موسوم تھی جسے بینک دلدر شنکسا اور اس کی زوجہ کلی نے بنوایا تھا۔

سلطان ابراہیم ابن مسعود غزنوی کے عہد (سنہ ۴۵۱ھ / ۱۰۵۸ء لغایت ۴۹۲ھ / ۱۰۹۸ء) میں آگرہ میں ایک مضبوط قلعہ

اسلامی عہد

موجود تھا جسے اُس کے بیٹے محمود نے فتح کیا اس کے نسبت مسعود سعد سلمان نامی مشہور شاعر اپنے ایک قصیدہ میں لکھتا ہے ؎

حصارِ آگرہ پیدا شُد از میانہ گرد — بسانِ کوہ بر و بار ہائے چوں کُہسار

حصار دیدم و بے حد ولیک ہر یکبار را — کُشادہ دیدم واز لشکری خود صد بار

کنوں کہ یافتہ ام من حصارِ آگرہ را — ازیں حصار برآرم بہ تیغ و تیر دمار

سلاطین غلام۔ خلجی۔ تغلق اور سیّدوں کے عہد میں آگرہ زیادہ تر مسلمان گورنر بیانہ[1] اور کبھی کبھی چوہان راجپوتانِ چندوار کے قبضہ میں رہا تیمور کے حملہ کے بعد جب دہلی کی سلطنت کمزور ہو گئی تو بیانہ کے گورنر شمس خاں اوحدی نے خود مختاری اختیار کی سکندر لودی کے زمانہ تک اُس کے خاندان میں بیانہ اور آگرہ کی حکومت رہی۔ ۹۰۷ھ ۱۴۹۱ء میں سلطان شرف بیانوی کی طرف سے ہیبت خاں جلوانی آگرہ کا حاکم اور قلعہ دار تھا۔ سکندر لودی نے اسی سال قلعہ بیانہ اور قلعہ آگرہ کا محاصرہ کر کے دونوں کو فتح کر لیا۔ اسی عرصہ میں بقول نعمت اللہ صاحب تاریخ خانجہاں لودی حکام شاہی اور زمینداران قرب و جوار کی تحریک سے بادشاہ نے لب دریائے جمن ایک شہر آباد کرنے کا ارادہ کیا اور اُمرا کی ایک جماعت کو شہر اور عمارت شاہی کے واسطے عمدہ موقع انتخاب کرنے کے واسطے متعین کیا۔ آخر کار یہہ مقام جہاں اب لبِ دریا شہر آباد ہے انتخاب کیا گیا جسے بادشاہ نے بھی پسند فرمایا۔

بنیاد شہر آگرہ

اور ۹۱۰ھ ۱۵۰۴ء میں سنبھل سے صفدر خاں نام ایک امیر کو جدید شہر اور عمارات شاہی کی بنیاد اور تعمیر کے واسطے روانہ کیا۔ جس نے قدیم قلعہ کو جو بادل گڈھ کے نام سے مشہور اور راجہ بدل سنگھ کا بنایا ہوا تھا منہدم کرا کر از سر نو خشت و چونے سے تعمیر کرایا اور شہر کی آبادی میں ایسی کوشش کی کہ تھوڑی ہی مدت میں جمنا کے دونوں طرف عالیشان شہر آباد ہو گیا۔ ماہ رمضان ۹۱۰ھ ۱۵۰۴ء میں بادشاہ سنبھل سے آگرہ ہوتا ہوا دھولپور پہنچا اور قلعہ دھولپور کو فتح کر کے آگرہ واپس آیا اور اس جدید شہر کو

[1] اب یہہ قصبہ ریاست بھرتپور میں واقع ہے۔

گوالیار و نرور اور راجپوتانہ کا دروازہ سمجھ کر اپنا دار الخلافت بنایا۔ ۳ صفر ۹۱۱ھ (۱۵۰۵ء) کو آگرہ میں ایسا شدید زلزلہ آیا کہ پہاڑ تک لرز گئے تمام عالی شان عمارتیں منہدم اور ہزاروں آدمی دب گئے۔ اس زلزلہ کی یہ تاریخ کسی شاعر نے لکھی ہے ؎

در نہصد و احد سے عشر از زلزلہا　　گردید سواد آگرہ چوں مرحلہا
با آنکہ بناہائش بسے عالی بود　　از زلزلہ شد عالیہا سافلہا

بادشاہ نے اس کے بعد تمام عمارتوں کو از سر نو تعمیر کرایا اور ۹۱۵ھ میں آگرہ سے دھولپور تک منزل بمنزل محلات اور باغات تعمیر کرائے۔ غرضکہ بادشاہ کی علم دوستی اور کمال پروری سے چند ہی مدت میں آگرہ علم و فضل کا مرکز اور اہل کمال کا مخزن ہو گیا اور اس کی شہرت ہندوستان سے لیکر عرب و ایران اور روم تک پہنچ گئی۔ میر رفیع الدین صفوی محدث اکبر آبادیؒ شیخ ابو الفتح مکیؒ۔ شیخ عبد اللہ دانشمندؒ شیخ علاؤ الدین مجذوبؒ شیخ حسن انصاری۔ شیخ ابو الفتح مفتیؒ شاہ میرؒ وغیرہ سے اہل علم و اہل کمال اس بادشاہ کی قدر دانی سے دور دور سے آکر آگرہ میں جمع ہو گئے تھے جن کی وجہ سے آگرہ علم و فضل کے لحاظ سے بغداد و شیراز وغیرہ کا ہم پلہ ہو گیا تھا۔ اور دور دور سے طلبہ ان بزرگوں کے حلقۂ درس میں آکر شریک ہوتے تھے۔

عہد سکندر لودی

سکندر لودی کے زمانہ میں جمنا شہر کے درمیان میں بہتی تھی اور دونوں کناروں پر شہر آباد تھا اگرچہ اس عہد کی اب کوئی عمارت باقی نہیں رہی مگر جمنا پار چند قبریں اب بھی موجود ہیں اور محلہ کچہری گھاٹ اور رال کے بازار کے پرانے قبالوں میں بازار گذر میاں بھوہ لکھا ہوا چلا آتا ہے۔ یہ میاں بھوہ سلطان سکندر لودی کے نہایت منظور نظر وزیر تھے دہلی کی موٹھ مسجد انہی کی بنوائی ہوئی ہے مواضعات سکندر پور و سکندرہ بہشت آباد پرگنہ آگرہ اور سکندر پور پرگنہ اعتماد پور بھی اسی عہد کے یادگار ہیں جن قرب و جوار میں اس زمانہ کے کچھ خفیف آثار و کھنڈر اب بھی نظر آتے ہیں۔

عہد سلطان بابر

۹۳۲ھ (۱۵۲۵ء) میں بابر نے ہندوستان کو فتح کر کے ۲۲ رجب کو دار السلطنت آگرہ میں قدم رکھا سلطان ابراہیم لودی پسر سکندر لودی کی شکستہ دل ماں کا سات لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر

کر کے آگرہ سے کوس بھر کے فاصلے پر جمنا کے کنارے اس کے واسطے مسکن تجویز کر دیا اس کے بعد آگرہ کے قلعہ کا ملاحظہ کیا جس کا خزانہ دولت سے معمور تھا۔ مال غنیمت میں ڈھائی تولہ وزن کا ایک الماس بھی تھا جس کا نام ہندوستان میں علاؤالدین خلجی کے زمانہ سے روشن ہو رہا تھا۔ ۲۹ رجب کو بابر نے بخشش شروع کی اور لودیوں کے زمانہ کی بے شمار دولت کو چند ہی دن میں تقسیم کر کے اپنی شان قلندری کا اظہار کیا۔ اگرچہ بابر کی بادشاہی کا قلیل زمانہ امن و امان قائم کرنے ہی گذر گیا اس پر بھی اس نے کثرت سے باغ و حمام اور باولیاں بنوائیں اور آگرہ میں سردملک کے خربوزوں اور انگوروں کی کاشت کرائی۔ امرائے شاہی نے بھی لبِ جمنا پر فضا باغ لگائے۔ اہل آگرہ نے اس جدید مغلیہ آبادی کا نام کابل رکھ دیا بابر کے ہمراہ مولانا شہاب الدین معمائی مولانا شیخ زین الدین خوافی۔ شیخ ابوالواجد وغیرہ علماء فضلا کابل سے آئے تھے انہوں نے جدید مغلیہ آبادی میں علمی جلوے دکھائے اور مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرا کر اہل آگرہ کو اپنے علم و فضل سے سیراب کیا۔ یہ مغلیہ آبادی جمنا پار یعنی مشرقی جانب واقع تھی۔ جس کی یادگار مسجد ہمایوں واقع موضع کچھ پورا اور چوبرجی مسجد واقع چہار باغ (گل افشاں یا ہشت بہشت) اب تک شکستہ حالت میں موجود ہے۔

خاندان سور

بابر اور ہمایوں کے بعد سلیم شاہ اور محمد عدلی کے وقت میں بھی آگرہ دارالسلطنت رہا۔ محمد عدلی کے زمانہ یعنی سنہ ۹۶۲ھ / ۱۵۵۴ء میں قلعہ بادل گڑھ میں اتفاق سے بارود میں آگ لگ گئی اور آناً فاناً اس کے شعلے آسمان تک پہنچے اس کے صدمہ سے ایسا زلزلہ آیا کہ شہر والے سمجھے کہ قیامت آ گئی قلعہ کی عمارتوں کے پتھر اور ستون کئی کئی کوس اڑ اڑ کر زمین پر گرے اور ہزارہا آدمی اس بلائے ناگہانی میں تلف ہو گئے۔ گنبد درگاہ شیخ علاؤالدین مجذوبؒ و گنبد مزار شیخ حسن شیرازیؒ واقع احاطہ دیوانی عہد شیر شاہی اور قلعہ کی موجودہ عمارت سلیم گڑھ سلیم شاہ سور کے عہد کی یادگار ہے۔

اکبر اعظم

ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان کو فتح کر کے دہلی کو پایۂ تخت بنایا لیکن شہنشاہ اکبر نے پھر آگرہ کو دارالخلافہ مقرر کیا[۱] اس وقت سے اس کی رونق اور آبادی ایک سے ہزار ہو گئی۔ قلعہ کے

---

[۱] اکبر سنہ ۹۶۲ھ / ۱۵۵۵ء میں اول مرتبہ آگرہ میں آیا اور اس جگہ جہاں اب محلہ سلطان پورہ واقع ہے شاہی خیمے نصب ہوئے اس کے بعد قلعہ بادل گڑھ میں سکونت اختیار کی۔

علاوہ بڑی بڑی عالی شان حویلیاں پُر فضا باغات اور نفیس مقابر تعمیر ہوئے اور نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام اسلامی ممالک اور یورپ سے بڑے بڑے علما فضلا اور ہر قسم کے اہل کمال آکر اس شہر میں جمع ہو گئے اور یہاں کی صنعت و حرفت کا تمام دُنیا میں شہرہ ہو گیا ؎

ہر طرف کا نہائے بوقلموں — ہمہ سو باغہائے گوناگوں
روضہ ہا رشک روضۂ رضواں — باغہا شاد الا ماروانور افشاں
محفلش آفتاب تاب ایاغ — انجمن ماہتاب تاب چراغ
در ہمہ باغ قمری و بلبل — والۂ سرو و طرۂ سنبل
ہمہ جا کاخہا وسیع و بقاع — منزل دلنشین فسیح ضلاع
ہر طرف ہا دوکان دلداری — گرم بازاری خریداری
ساخت آبادیش ز فضل الٰہ — نور ذات الٰہ اکبر شاہ

۹۷۲ھ ۱۵۶۴ء میں اکبر نے آگرہ کے قریب موضع ککرالی میں جو آگرہ سے تین چار کوس کے فاصلہ پر واقع ہے ایک جدید شہر آباد کر کے نگر چین اُس کا نام رکھا جس کا ترجمہ امن آباد ہو سکتا ہے۔ اکبر کو اس جگہ کی آب و ہوا بہت پسند تھی اور وہ شکار کے واسطے اکثر اُس جگہ جایا کرتا تھا۔ مالوہ سے واپس آکر جب حسب معمول اُس مقام پر شکار کے واسطے گیا تو شہر کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا اور فوراً اُمرا اور اعیان دولت کو اُس جگہ محلات تعمیر کرنے کا حکم دیا چند ہی دن میں بناہائے خوب اور منازلِ مرغوب تعمیر ہو کر عظیم الشان شہر ہو گیا۔ لیکن جس قدر جلد یہ شہر آباد ہوا اُسی طرح جلد ہی ایسا ویران ہوا کہ اکبر ہی کے عہد میں اُن عمارات کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ چند مدت پیشتر تک دو ایک قدیم آثار اس گاؤں میں موجود تھے لیکن اب کوئی آثار باقی نہیں ہے۔

۹۷۷ھ ۱۵۶۹ء میں اکبر نے آگرہ میں دو عالی شان محل تعمیر کرائے جن میں ایک بنگالی محل کے نام سے مشہور تھا۔ قاسم ارسلاں نے ان کی یہ تاریخ لکھی تھی ؎

بہر اوس از پئے عشرت شہ زیبا منظر — فرمود بنا ؤ خانۂ فیض اثر

تاریخ یکے زعشرت آمد بیروں　　شد خانۂ بادشاہ تاریخ دگر

فتحپور سیکری

۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) کو شیخ سلیم چشتی فتحپوری کی دعا سے شاہزادہ جہانگیر بمقام سیکری پیدا ہوا اور اکبر نے اس مقام کو متبرک اور قابل یادگار سمجھ کر ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ء) میں اس جگہ پہاڑی پر فتح پور آباد کر کے اپنا دارالخلافت مقرر کیا۔ چند ہی مدت میں ہزارہا سنگین عمارتیں اس جدید شہر میں تعمیر ہوگئیں۔ محل خاص کی تاریخ قاسم ارسلان نے یہہ لکھی تھی ؎

تمام شد دو عمارت مثال خلد بریں　　بدور دولت صاحبقران ہفت اقلیم
یکے بہ بلدۂ دارالخلافۂ آگرہ　　دگر بخطۂ سیکری مقام شیخ سلیم
سپہر از پئے تاریخ ایں دو عالی قصر　　رقم زدہ۔ دو بہشت بریں بکلک قدیم

محل و ہرن منارے

۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) اکبر نے آگرہ سے اجمیر تک ہر منزل پر ایک محل اور ہر کوس پر ایک کنواں اور ایک منارہ تعمیر کرایا اُس وقت تک جتنے ہرن شکار کئے تھے اُن کے لاکھوں سینگ جمع تھے اُنھیں ہر منارہ پر لگا کر سراپا شاخ در شاخ کرا دیا۔ میل شاخ (۹۸۱) اس کی تاریخ ہے۔

عہد اکبری میں آگرہ و فتحپور کی آبادی

جب اکبر نے فتحپور سیکری میں زیادہ رہنا شروع کیا تو رفتہ رفتہ آگرہ سے فتحپور سیکری تک بادشاہ اور امرا کی عمارتیں محلات۔ باغات اور مساجد تعمیر ہو گئیں اور آگرہ اور فتحپور کے درمیان میں برابر آبادی کا سلسلہ ہو گیا جس کے کچھ نشانات اب تک شہر کے متصل اطراف میں پائے جاتے ہیں اسی زمانہ

فچ سیاح

میں فچ نام ایک انگریز سوداگر ملکہ الزبتھ کے دربار سے سفارشی خطوط لیکر مع چند انگریزوں کے ہندوستان میں تجارت کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ اُس نے ایک مختصر سفرنامہ لکھا ہے جس میں وہ آگرہ کے متعلق لکھتا ہے "آگرہ بڑا آباد اور وسیع شہر ہے۔ مکان عموماً صاف ستھرے ہیں اور گلیاں بھی پاک و صاف اور وسیع ہیں۔ شہر کے درمیان میں ایک دریا بہتا ہے جو خلیج بنگال میں گرتا ہے۔ یہاں ایک خوبصورت قلعہ ہے جس کے چاروں طرف گہری خندق کھدی ہوئی ہے۔ یہاں مسلمان بہت کثرت سے آباد ہیں اور بادشاہ کا نام جلال الدین اکبر ہے جس کو لوگ مغل اعظم بھی کہتے ہیں۔

یہاں سے ہم فتحپور سیکری میں پہنچے جہاں بادشاہ دربار کرتا ہے۔ یہہ آگرہ سے بڑا ہے مگر گلیاں

اور مکانات ایسے خوبصورت وصاف نہیں ہیں۔ یہاں بھی کثرت سے مسلمان رہتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر بادشاہ نے ایک ہزار ہاتھی۔ تیس ہزار گھوڑے۔ بارہ سو ہرن پالے ہیں اور مرغوں۔ اور دوسری شکاری چڑیوں کی تعداد تو اس قدر زیادہ ہے کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ حرم سرا میں آٹھ سو بیگمات ہیں۔ بادشاہ کا دربار بڑا رفیع الشان ہے اس کو دارخانہ کہتے ہیں۔ آگرہ اور فتح پور دونوں شہر لندن سے بہت بڑے ہیں ان دونوں شہروں کے درمیان میں بارہ میل (اب ۲۲-۲۳ میل کا فاصلہ ہے۔ مگر یہ تمام درمیانی راستہ ماکولات اور دوسری اجناس کے بازاروں سے ایسا آباد ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر ہی کا سلسلہ ہے اور آدمیوں کی آمدورفت بھی اس کثرت سے ہے کہ گویا بازار ہے۔ یہاں رئیسوں کی سواری کی چھوٹی چھوٹی بہلیاں ہوتی ہیں جن پر سنہرے نقش و نگار بنے ہوتے ہیں ان میں دو بیل جوتے جاتے ہیں جو ایسے تیز ہوتے ہیں کہ گھوڑوں سے شرط باندھ کر دوڑتے ہیں۔ اس شہر میں فارس نسبتاً اور سارے ہندوستان اور دیگر ممالک کے سوداگر ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور ریشم کپڑے۔ قیمتی جواہرات مثل ہیرے۔ موتی۔ لعل وغیرہ کی خوب خرید فروخت ہوتی ہے"

علامی ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتے ہیں "آگرہ کی آب و ہوا خوبیوں اور لطافت میں بے مثل ہے کاززراعت پسندیدہ اور انواع و اقسام کے خوشبودار پھول اور میوے اور عمدہ روغن و پان یہاں ملتے ہیں۔ انگور[۱] اور خربزہ۔ ایران و توران کے مانند یہاں پیدا ہوتا ہے آگرہ نہایت خوش ہوا اور بڑا شہر ہے دریائے جمن پانچ کوس تک شہر کے درمیان میں بہتا ہے جس کے دونوں جانب مکانات دلکشا اور باغات روح افزا واقع ہیں۔ یہاں ہر مذہب و ملت کے لوگ آباد ہیں ہفت اقلیم کے مال کا مجمع ہے۔ جہاں پناہ نے اس کو سنگ سرخ کے قلعہ اور عمارات عالیہ سے آراستہ کیا ہے نقاشان نادرہ کار اور مصوران نظر فریب نے ان عمارات میں طرح طرح کے کارنامے بنائے ہیں اور باختری دروازہ پر دو فیل سنگین مع فیلبانوں کے نہایت عمدہ تراشے ہیں۔ پتھر کے مکانات پانچ سو سے زیادہ بنگالہ اور گجرات کی طرز کے عجیب خوشنما بنے ہیں۔

[۱] انگور تو اب پیدا نہیں ہوتا مگر خربوزہ یہاں کا اب تک مشہور ہے۔

عہد جہانگیری

جہانگیر بادشاہ نے توزکِ جہانگیری میں لکھا ہے "آگرہ ہندوستان کے قدیم بڑے شہروں میں ہے جو دریائے جمنا کے کنارہ پر واقع ہے میرے باپ نے میری پیدائش سے پہلے پرانے قلعہ کو منہدم کرا کر اس کی جگہ سنگ سرخ کا قلعہ بنوایا ہے...... اس شہر کی آبادی دریا کے دونوں طرف واقع ہے لیکن مغربی کنارہ پر زیادہ آبادی ہے جس کی لمبائی دو کوس اور چوڑائی ایک کوس اور دور سات کوس ہے۔ مشرقی کنارہ پر کم آبادی ہے۔ اس کی لمبائی ایک کوس چوڑائی نصف کوس اور دور ڈھائی کوس ہے۔ کثرت عمارت کا یہ حال ہے کہ مثل شہرہائے عراق و خراسان اور ماوراء النہر کے چند شہر آباد ہو سکتے ہیں۔ اکثر آدمیوں نے سہ منزلہ اور چہار منزلہ عمارتیں بنوائی ہیں اور آدمیوں کی اس قدر کثرت ہے کہ کوچہ و بازار میں دشواری سے گذر ہوتا ہے..... آگرہ کی ہوا گرم و خشک ہے اور اطبا کی رائے میں ضعف پیدا کرتی ہے اور روح کو تحلیل کرتی اور اکثر طبائع کو ناسازگار ہے مگر بلغمی اور سودائی مزاج کے موافق ہے..... خربوزہ اور انبہ اور دیگر میوے آگرہ اور اطراف میں اچھے ہوتے ہیں اور ایامِ دولت عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) میں اکثر ولایتی میوے کہ جو ہندوستان میں نہ پیدا ہوتے تھے بہم پہنچنے لگے.... ساکنانِ آگرہ کسب ہنر طلب علم میں کوشش بلیغ کرتے ہیں اور ہر دین و مذہب کے لوگ اس شہر میں آباد ہیں۔"

حوض بے نظیر

جہانگیر کے زمانہ میں حکیم علی گیلانی نے آگرہ میں ایک بے نظیر اور عجیب و غریب حوض تعمیر کرایا تھا جس کا حال جہانگیر نے اس طرح لکھا ہے "آج (۶ ربیع الاول ۱۰۱۶ھ) اتوار کے دن ۲۲ تاریخ کو حکیم علی کے گھر چند مصاحبوں کے ساتھ اس حوض کا تماشہ دیکھنے گیا جیسا کہ اس نے حضرت عرش آشیانی کے وقت میں لاہور میں بنایا تھا۔ حوض مذکور ۶×۶ گز ہے۔ پہلو میں نہایت روشن حجرہ ہے جس کا راستہ حوض کے اندر سے ہی مگر لطف یہ ہے کہ اس راہ سے پانی اندر نہیں آسکتا۔ دس بارہ آدمی اس میں جلسہ جما کر بیٹھ سکتے ہیں..... اس کے ملاحظہ کے بعد حکیم علی کو میں نے دو ہزاری منصب پر سرفراز کیا"۔ اس حوض کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے مگر یہ روایت اب تک مشہور چلی آتی ہے کہ جمنا کے کنارہ باغ کے اندر یہ حوض واقع تھا اور جہانگیر قلعہ سے کشتی میں سوار ہو کر اس کی سیر کو گیا تھا جس وقت کشتی قلعہ سے روانہ ہوئی حکیم علی نے اس کثرت سے نفیس کیوڑہ دریا میں ڈلوایا کہ تمام دریا خوشبو سے معطر ہو گیا اور یہ سلسلہ بادشاہ

کی واپسی تک برابر جاری رہا۔

جہانگیر کے زمانہ میں عمارات کے علاوہ نہایت کثرت سے آگرہ میں باغات تعمیر ہوئے اور خود نور جہاں بیگم نے کئی نفیس باغ نور افشاں (رام باغ) نور منزل (ڈیرہ باغ) نور بری وغیرہ بنوا کر آگرہ کو رونق بخشی اسی زمانہ میں آگرہ میں جدید طرز کی تین حویلیاں ایسی عمدہ تعمیر ہوئیں کہ اس وقت تک کوئی حویلی ایسی خوبصورت تعمیر نہ ہوئی تھی۔ ان میں ایک حویلی خواجہ جہاں کی دوسری خواجہ ویسی دیوان شاہزادہ پرویز کی اور تیسری جو سب سے زیادہ خوبصورت تھی اعتقاد خاں پسر اعتماد الدولہ کی تعمیر کردہ تھی[۱]۔

انگریزی کوٹھی

آگرہ میں پرتگیزوں۔ ڈچوں۔ اور ارمنی عیسائیوں کی آمدرفت اور تجارت تو اکبر کے زمانہ سے جاری تھی۔ کپتان ہوکنس اور سر طامس رو صاحب سفرائے دربار انگلستان نے دربار جہانگیری سے انگریزوں کی تجارت کے متعلق بھی مفید احکام صادر کرائے اور سب سے پہلے ۱۶۱۵ء میں بمقام سورت اور ۱۶۲۰ء میں آگرہ میں انگریزی تجارتی کوٹھی قائم ہوئی۔

شاہجہانی عہد

شاہجہاں کی تخت نشینی کے وقت ملا عبدالحمید لاہوری نے بادشاہنامہ میں آگرہ کا حال اس طرح لکھا ہے کہ یہ شہر دریائے جمنا کے کنارہ پر آباد ہے جو زمین کی مانند فراخ اور آسمان کی طرح وسیع ہے یہ انواع و اقسام کے نفائس اور طرح طرح کے عجائب اور تمام دنیا کی نعمتوں کی موجودگی کی وجہ سے یادگار بہشت بریں ہے۔ ہر قسم کے لوگ وضیع و شریف یہاں آباد اور ہر قسم کے صناع اور باکمال موجود اور مرفہ الحال اور فارغ البال ہیں ؎

شہرے بینی چو فکر دانا — دروے ہمہ کائنات پیدا
چوں عارض دوست از نکوئی — دروے ہمہ آرزو کہ جوئی

اگرچہ اکبر بادشاہ نے اپنے عہد دولت میں اکثر اشیا کو جدید ناموں سے موسوم کیا تھا مگر آگرہ جو دارالخلافت تھا باوجود اس کے کہ اس کا نام حسن لفظ اور معنی سے عاری نہ تھا ابتک اپنے قدیم نام سے

---

[۱] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۱۰۲

موسوم رہا حضرت صاحبقران ثانی (شاہجہاں) نے جلوس کے دن اِسے اکبر آباد کے نام سے موسوم کیا۔۔۔ دارالسلام بغداد جو عراق و عرب کا سب سے بڑا شہر اور مدت تک خلفائے عباسیہ کا دارالخلافت رہا ہے دو فرسخ یعنی چھ کوس کے قریب دور میں آباد ہے لیکن دارالخلافت آگرہ کا دور دریائے جمن کے دونوں طرف دس کوس بادشاہی ہے جو ولایت کے پانچ فرسخ اور ہندوستان کے پندرہ کوس رسمی کے برابر ہے اس کثرت آبادی سے یہ بغداد پر فوقیت رکھتا ہے۔ قلعہ اور دولت خانہ والا اور بادشاہزادوں اور اُمرا کی حویلیاں زیادہ تر دریا کے مغربی جانب ہیں اس طرف کی آبادی کا دور آٹھ کوس۔ طول ڈہائی کوس اور عرض ایک کوس ہے۔ اور بہت سی منازلِ رُوح افزا و روح کشا جو ایک لاکھ روپیہ کے خرچ سے لیکر پانچ لاکھ روپیہ تک کے صرف سے تعمیر ہوئی ہیں اس جانب واقع ہیں۔ اس سے کم قیمت عمارتوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ مشرقی جانب باغہائے دل کشا اور عمارات رفیعہ کثرت سے ہیں۔ اس طرف کی آبادی کی لمبائی ایک کوس چوڑائی نصف کوس اور دور ڈھائی کوس ہے۔

شاہجہاں کے عہد میں آگرہ کی رونق و آبادی معراج کمال پر پہنچی اور روضہ ممتاز محل، موتی مسجد، جامع مسجد، دیوان خاص وغیرہ سی بے نظیر اور نفیس عمارتیں تعمیر ہوئیں جن کی وجہ سے آگرہ کو ہندوستان کے تمام شہروں پر فوقیت حاصل ہو گئی اور دُنیا کے عظیم الشان شہروں میں اس کا شمار ہونے لگا ایک شاعر کہتا ہے ؎

سُبحان اللہ چہ اکبر آباد　　چوں مصر کنار نیل آباد
صبحے ز نبارسش خُداداد　　شامے ز سواد لکھنؤ زاد
چوں روضہ ندیدہ ایم جائے　　ایں گونہ مزار جاں فزائے
دریائے جمن بہ اکبر آباد　　چوں دجلہ بزیر شہر بغداد

ڈاکٹر برنیر

مشہور فرانسیسی سیّاح ڈاکٹر برنیر نے شاہجہاں آباد کے آباد ہونے کے بعد آگرہ

سلہ اکبر اور جہانگیر کے عہد کی تمام تاریخوں۔ تذکروں اور فرامین و رقعات میں شہر کا نام آگرہ ہی لکھا ہے شاہ جہاں کے زمانہ سے اکبر آباد لکھا جانے لگا۔

کو دیکھا تھا وہ لکھتا ہے کہ دہلی اور آگرہ کے درمیان میں راستہ[^51] کے دونوں طرف سایہ کے لئے دوہری قطاریں درخت لگے ہوئے ہیں اور ایک ایک کوس کے فاصلہ پر رہنمائی کے واسطے پختہ منارے اور مسافروں کے پانی پینے کے واسطے پختہ کنوئیں اور منزل منزل پر خوبصورت کارواں سرائیں بنی ہوئی ہیں میں نے دہلی کی جو کیفیت بیان کی ہے اُسی پر آگرہ کو قیاس کر لیجئے یعنی وہ اور وہاں کا قلعہ اور اور عمارتیں بھی جو جمنا ہی کے کنارے پر ہیں لیکن اس وجہ سے کہ اکبر کے زمانہ سے بادشاہان ہندوستان وہیں رہتے چلے آتے ہیں اس کو وسعت اور کثرت عمارت میں جن کو اُمرا اور راجاؤں اور غیر ملازم شرفا نے عمدہ پتھر یا اینٹ سے تعمیر کرایا دہلی پر فوقیت حاصل ہے اور کارواں سرائیں بھی اس میں وہاں کی بہ نسبت زیادہ ہیں اور دو مقبرے ایسے عمدہ اور مشہور و معروف یہاں ہیں کہ جن پر یہ ناز کر سکتا ہے اور جن کا بیان میں آئندہ کروں گا۔ لیکن اس کی شہر پناہ نہیں اور بعض اور امور میں بھی یہ دہلی سے گھٹا ہوا ہے اور چونکہ پہلے سے کوئی نقشہ تجویز کر کے نہیں بنایا گیا اس لئے دہلی کے سے متحد الوضع سیدھے اور وسیع بازار جن سے اُس کا امتیاز حاصل ہے اس میں نہیں ہیں البتہ چار یا پانچ بازار بہت طولانی ہیں اور اُن کی عمارت بھی اچھی ہے اور بیوپاری بھی زیادہ بیٹھتے ہیں اُن کے سوائے سب چھوٹے چھوٹے تنگ اور بے قاعدہ ہیں...... اگر آگرہ کو کسی بلند مقام سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو گاؤں کی شکل کا معلوم ہوتا ہے اور اُس کا منظر گاؤں کا سا طرح طرح کا اور خوشنما ہے کیونکہ اُمرا کا معمول ہے کہ اپنے مکان کے صحنوں اور باغوں میں سایہ کے لئے بڑے بڑے درخت لگواتے ہیں اور اُمرا اور راجہ اور اور دولتمند لوگوں کے بڑے بڑے مکانوں کے مابین ایک دوسرے سے فصل کے لئے نہایت فرح بخش پھول پھلواری اور درخت اور بیل بوٹے لگے ہوئے ہیں اور اُن میں ہندو مہاجنوں کی اونچی اونچی پتھر کی حویلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی جنگل کے اندر کوئی پرانی گڑھی...... آگرہ میں ایک گرجا[^52] بھی ہے جس کو جیسوئٹ فرقہ کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک اور مکان ہے

[^51]: یہ سڑک جہانگیر نے ۱۶۱۹ء ۱۰۲۸ھ میں اکبر آباد سے لاہور تک بنوائی تھی۔ اِس کے بہت سے منارے جو جہانگیری میل کے نام سے مشہور رہیں اب تک موجود ہیں

[^52]: اس گرجا کی تعمیر ۱۶۰۲ء سے شروع ہوئی تھی

جس کو وہ کالج کہتے ہیں ..... آگرہ میں ڈچ لوگوں کی ایک تجارتی کوٹھی بھی ہے۔

دیگر یوروپین سیاح

فینچ و برنیر کے علاوہ اور بھی کئی یوروپین سیاح اکبر و جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں آگرہ میں وارد ہوئے جنھوں نے اس شہر کی بے انتہا دولت و کثرت تجارت و آبادی کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے چنانچہ ایڈورڈ ٹیری جو سر طامس رو سفیر انگلستان کے ساتھ آیا تھا لکھتا ہے کہ آگرہ بہت بڑا اور دولتمند شہر ہے جو شہنشاہ مغل کا دارالخلافت ہے یہ جمنا سے خوب سیراب ہو رہا ہے، طامس ہربرٹ جو جہانگیری عہد میں آیا لکھتا ہے کہ یہہ شہر لندن کے ہم شکل ہے جس کے گلی کوچے تنگ اور لمبے لمبے ہیں مینڈس لو جو شاہجہاں کے عہد میں وارد ہوا لکھتا ہے کہ آگرہ اصفہان سے جو اس زمانہ میں نہایت رونق پر تھا دوگنا ہے اور نہ صرف شہروں بلکہ دور دور دراز ملکوں میں بھی ہر طرف بہبودی کے نشان موجود ہیں۔

عہد عالمگیری

اگرچہ آگرہ کی آبادی کا تنزل شاہجہاں آباد کے آباد ہونے سے شاہجہاں کے اخیر عہد ہی میں شروع ہو گیا تھا مگر عالمگیر بادشاہ کے زمانہ تک یہہ شہر بخوبی آباد اور رونق پر رہا چنانچہ عالمگیر کے اخیر عہد کا ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ آگرہ زمانہ سابق میں بیانہ کے متعلقات سے ایک گاؤں تھا۔ سلطان سکندر لودی نے اس مقام کو پر فضا دیکھ کر اپنا تخت گاہ مقرر کیا اور شہر نہایت خوب بسایا۔ اس کے بعد بادل گڈھ (قلعہ) مشہور رہا۔ پھر شہنشاہ جلال الدین اکبر نے اس کو ممالک محروسہ کے وسط میں سمجھ کر اپنا دارالخلافت بنایا اور ایک قلعہ نہایت مستحکم تعمیر کیا اور شہر بھی نہایت وسیع اور خوش اسلوب آباد کر کے اُس کو خوشنما عمارتوں سے آراستہ کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی سیّاح نے ایسا قلعہ اور ایسا وسیع شہر نہیں دیکھا۔ جمنا چار کوس تک شہر کے درمیان میں بہتی ہے۔ دونوں طرف عالیشان عمارتیں اور رنگ برنگ کے مکانات خدا کی قدرت کا تماشہ دکھاتے ہیں۔ ہر قوم اور ہر ملک کے باشندے اس شہر میں موجود ہیں اور ہفت اقلیم کی اجناس اور اشیا ہر وقت نہایت کثرت کے ساتھ بہم پہنچتی ہیں۔ طرح طرح کے میوے رنگ برنگ کے پھول ہر فصل و موسم میں پیدا ہوتے ہیں۔ میووں میں خربوزہ نہایت شیریں خوشبو اور خوش ذائقہ ہوتا ہے پان[1] بھی یہاں کا نہایت نازک اور خوشبودار ہوتا ہے۔ انواع و اقسام کی چیزیں یہاں بنتی ہیں اور ہر قسم کے

---

[1] افسوس کہ اب پان کی کاشت یہاں نہیں ہوتی۔

کاریگر اور صنّاع موجود ہیں خصوصاً یہاں کا کارچوبی کام نہایت عمدہ ہوتا ہے اور دُور دُور کے ملکوں کو جاتا ہے۔ مختصر یہہ کہ شہر مذکور نہایت آباد اور رونق پر ہے۔ علما اور اولیا اللہ کے اکثر مزارات بھی واقع ہیں اور شہنشاہ اکبر اور شاہجہاں بادشاہ کے مقابر نہایت عالی شان بنے ہیں۔[1]

طوائف الملوکی

عالمگیر کی وفات کے بعد روز بروز سلطنت مُغلیہ کو تنزل ہوتا گیا اور اس کے ساتھ ہی آگرہ بھی ویران ہوتا رہا۔ فرخ سیر کے زمانہ میں نیکو سیر پسر شاہزادہ اکبر ابن عالمگیر آگرہ کے قلعہ میں مقید تھا جب فرخ سیر اور رفیع الدرجات کے بعد امیر الامرا سیّد حسین علی خاں اور قطب الملک عبد اللہ خاں نے رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھایا تو سنہ ١١٣١ھ (١٧١٩ء) میں آگرہ میں ہزاری متر سین نام ایک شخص نے قابو پاکر نیکو سیر کی بادشاہی کا اعلان کیا یہہ حال سُنکر امیر الامرا حسین علی خاں فوج لیکر آگرہ آیا اور تین ماہ تک قلعہ کا محاصرہ کئے پڑا رہا آخرکار ہزاری متر سین سے سازش کرکے قلعہ کو فتح کر لیا۔ اُس وقت تک قلعہ کے کوٹھوں میں نُور جہاں بیگم اور ارجمند بانو بیگم اور (ممتاز محل) اور بادشاہوں کا عمدہ عمدہ سامان اور نفیس چیزیں مقفّل تھیں امیر الامرا نے قلعہ فتح کرکے نیکو سیر کو قید کر لیا اور جملہ نفیس چیزیں اور شاہی ساز و سامان جسکی مالیت کا اندازہ تین کروڑ روپیہ کیا گیا ہے غصب کر لیا۔ اس سامان میں ایک چادر خالص اعلیٰ درجہ کے موتیوں کی تھی جسے شاہجہاں نے کئی لاکھ روپیہ کے صرف سے ممتاز محل کی قبر کے واسطے بنوایا تھا روز جمعہ اور عُرس کے دنوں میں یہہ قبر پر ڈالی جاتی تھی۔ نور جہاں بیگم کے ہاتھ کی بنائی ہوئیں چقیں اور دیگر اشیا بھی اس سامان میں تھیں۔[2]

محمد شاہ کے عہد میں بھرت پور کے جاٹوں کا بہت زور ہو گیا اور چورامن اور بدن سنگھ نے آگرہ اور اُس کے قرب و جوار میں لوٹ مار کا بازار گرم رکھا بدن سنگھ کے بعد اُس کا بیٹا سورج مل گدّی پر بیٹھا اس نے صفدر جنگ وزیر احمد شاہ کی رفاقت اختیار کرکے ایسا عروج پیدا کیا کہ سنہ ١١٧٤ھ (١٧٦١ء) میں قاضل خاں قلعہ دار آگرہ کو دھوکا دیکر آگرہ کے قلعہ پر بھی قابض ہو گیا۔ اور دیوان خاص و عام کی نقرئی چھت اور غالیچہ

[1] خلاصۃ التواریخ قلمی مولفہ سُبحان سنگھ۔

[2] منتخب اللباب خافی خاں۔

نادرہ اور سنگ لیشم کے دو جوڑی کواڑ اور نو سو اسّی ضرب توپ اور قلعہ کا تمام شاہی سامان لوٹ کر بھرت پور لے گیا اور قلعہ اور شہر کی نفیس و بے نظیر عمارتوں کا بیش بہا پتھر جس قدر ہو سکا اکھڑوا کر ڈیگ میں ساون بھادوں بنوایا۔ اس نے سوہا رام جاٹ کو جو نہایت ظالم تھا آگرہ کا حاکم مقرر کیا۔ اس نے بہت سی نفیس و عالیشان عمارتوں کو خزانہ کی تلاش میں کھدوا ڈالا اور رعایا اور شہر کے ساہوکاروں پر اس قدر سختی اور ظلم کیا کہ ہزاروں آدمی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور محلّے کے محلّے ویران ہو گئے مشہور ہے کہ جاٹوں نے اپنی چند روزہ عہد حکومت میں سیکڑوں عمارتوں کو نیست و نابود اور ہزاروں عمارتوں کو ویران کر دیا یہاں تک کہ روضہ ممتاز محل میں بھس بھروا دیا تھا۔ راجہ سورج مل کے بعد راجہ جواہر سنگھ اور اس کے بعد راؤ رتن سنگھ اور اس کے مارے جانے کے بعد راجہ نول سنگھ گدی پر بیٹھا۔ اس کے عہد اور ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء میں امیر الامرا نواب نجف خاں نے قلعہ آگرہ کو فتح کر لیا مبارک فتح قلعہ اکبر آباد۔ اس فتح کی تاریخ ہے ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء میں نجف خاں کا انتقال ہوا اس کے متبنیٰ افراسیاب خاں کو شاہ عالم بادشاہ نے شرف الدولہ کا خطاب مرحمت فرما کر امیر الامرا مقرر کیا۔ چند روز کے بعد نجف خاں کے بھتیجے مرزا شفیع نے موقع پا کر افراسیاب خاں کو دہلی سے نکال دیا اور خود امیر الامرا بن بیٹھا اس کے بعد اسمٰعیل بیگ نام ایک شخص نے ۳ ذیقعدہ ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۲ء بمقام ڈیگ مرزا شفیع کو قتل کر ڈالا اور افراسیاب خاں دوبارہ امیر الامرا مقرر ہوا۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۳ء کو زین العابدین برادر مرزا شفیع نے بھائی کے قصاص میں افراسیاب خاں کو اس کے خیمہ میں قتل کرا دیا اور کسی شخص کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی

نجف خاں نہ ماند نجف نمانیش — نہ افراسیاب و نہ ہمدانیش

نماند در جہاں دہر مرزا شفیع — شود حاکم نو ز فصل ربیع

محمد بیگ ہمدانی نجف خاں کی طرف سے آگرہ کا قلعہ دار تھا۔ افراسیاب خاں اور محمد بیگ ہمدانی میں امیر الامرائی کے متعلق تنازعہ پیدا ہوا اور دونوں نے مادھو راؤ سندھیہ سے مدد چاہی چونکہ افراسیاب خاں کی درخواست شاہ عالم بادشاہ کے ذریعہ سے آئی تھی لہذا مادھو راؤ نے اس کا ساتھ دیا اور اکتوبر ۱۷۸۴ء میں بمقام آگرہ اس سے مل کر قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اسی

امیر الامرا نجف خاں

مرہٹہ گردی

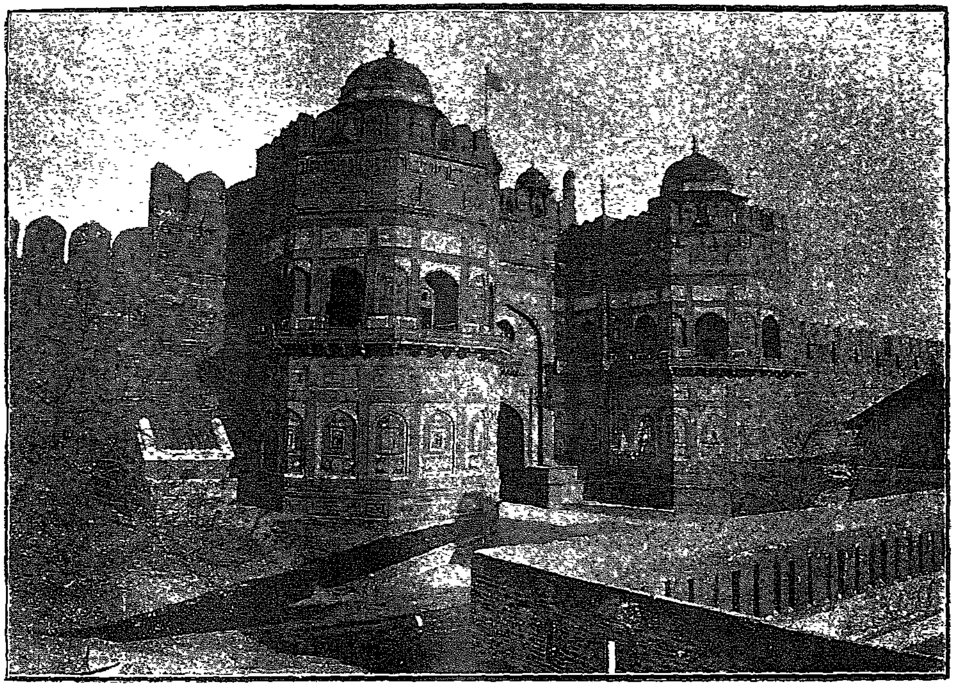
۵ مفتاح التواریخ صفحہ ۵۱۹ تاریخ سیلچند قلمی

عرصہ میں افراسیاب خاں مارا گیا لیکن مادھوراؤ سندھیہ نے لڑائی جاری رکھی۔ آخر کار محمد بیگ
ہمدانی نے مجبور ہوکر مارچ ۱۷۸۵ء میں قلعہ مادھوراؤ سندھیہ کے سپرد کر دیا۔ مادھوراؤ نے لکھوا
دادا کو اپنی طرف سے آگرہ کا قلعہ دار مقرر کیا۔ اس کے بعد ۱۷۸۸ء میں اسمٰعیل بیگ اور غلام قادر خاں
نے آگرہ کا محاصرہ کیا۔ اور اسمٰعیل بیگ نے ایام محاصرہ میں اہل شہر پر بے حد ظلم و ستم کیا۔ ۱۸ جون ۱۷۸۸ء
کو مادھوراؤ کے ایک سپہ سالار رانی خاں نے فتحپور سیکری میں اسمٰعیل بیگ کو شکست فاش دی۔
۱۷۸۵ء سے ۱۸۰۳ء تک آگرہ میں مرہٹوں کی عملداری رہی اور ۱۷۹۵ء سے ۱۸۰۳ء تک
دولت راؤ سندھیہ کی طرف سے کرنیل جان ولیم ہسنگ صاحب جو قوم کے ڈچ تھے یہاں کے حاکم
رہے۔ یہہ زمانہ جاٹوں کے زمانہ سے کسی قدر اچھا رہا اور تھوڑا بہت انصاف ہوتا رہا ۴ اکتوبر ۱۸۰۳ء
کو لارڈ لیک نے قلعہ آگرہ کا محاصرہ کیا اور ۱۷ اکتوبر ۱۸۰۳ء کو قلعہ فتح کر لیا۔ تاریخ از صاحب مفتاح التواریخ

انگریزی عملداری

حصار آگرہ انگریز ساعتے کہ گرفت — دلم ز ہاتف غیبی بعجز کرد سوال
کہ چیست سال مسیحی دہم سنہ ہجرت — بگفت ہشت صد و یکہزار و سہ از سال
۱۲۱۸

۳۰ دسمبر ۱۸۰۳ء کے عہدنامہ کی رو سے جو دولت راؤ سندھیہ اور انگریزوں کے درمیان ہوا
ہوا آگرہ کا کل ضلع جس میں اُس وقت پرگنات لوہامنڈی۔ ملپورہ۔ کراہرہ۔ کراولی۔ ناہر گنج
فتحپور سیکری۔ شمس آباد۔ ارادت نگر۔ سرہندی۔ جگنیر۔ کھیراگڈھ جمعی آٹھ لاکھ سرسٹھ ہزار
چار سو باسٹھ روپیہ اور پرگنہ فرح و اچھنیرہ جمعی ایک لاکھ بیالیس ہزار چھ سو روپیہ شامل تھے سرکار
کے قبضہ میں آیا اور ۱۸۰۵ء میں مسٹر کننگھم صاحب اس ضلع کا پہلا کلکٹر بورڈ آف کمشنر فرخ آباد کے ماتحت
مقرر ہوا ۱۸۰۸ء میں آگرہ کو صوبہ ممالک مغربی و شمالی کے صدر مقام بنانے کی تجویز پیش ہوئی ۱۸۲۹ء
تک جبکہ پہلی مرتبہ آگرہ پریسیڈنسی کی تجویز در پیش ہوئی یہہ معاملہ زیر غور رہا ۱۸۳۳ء میں آگرہ پریسیڈنسی
قائم ہو کر لارڈ میٹکاف صاحب آگرہ کا پہلا گورنر مقرر ہوا جس کے نام پر صدر میں میٹکاف روڈ اور میٹکاف
ہال اب تک مشہور چلا آتا ہے۔ آگرہ پریسیڈنسی کی تجویز کو کورٹ آف ڈائرکٹرس نے منظور نہیں کیا
اور ۱۸۳۵ء میں آگرہ پریسیڈنسی توڑ کر ممالک مغربی و شمالی کی لفٹننٹ گورنری قائم ہوئی اور لارڈ میٹکاف



دهلی دروازه قلعه آگره

گورنری سے لفٹنٹ گورنر مقرر کردئے گئے لیکن صوبہ کا دارالسلطنت آگرہ ہی قرار پایا جنوری ۱۸۳۸ء میں لارڈ اکلینڈ اور ۱۸۴۲ء میں لارڈ ایلن برا گورنر جنرل نے اس صوبہ کا اہتمام خود اپنے ہاتھ میں رکھا ۱۸۴۳ء سر جی آر کلرک اس صوبہ کا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ غرضکہ ۱۸۳۵ء سے فروری ۱۸۵۸ء تک آگرہ اس صوبہ کا دارالسلطنت اور سب سے بڑا شہر رہا فروری ۱۸۵۸ء میں لفٹنٹی کا صدر مقام الہ آباد کو منتقل ہوا اور ایک سال بعد صاحبان بورڈ کے دفاتر بھی الہ آباد کو منتقل ہوگئے۔ ہائیکورٹ کا دفتر جو اس زمانہ میں صدر دیوانی کے نام سے موسوم تھا ۱۸۴۳ء ۱۲۵۹ھ میں الہ آباد سے آگرہ میں آیا اور پچیس چھبیس برس کے بعد ۱۸۶۸ء میں پھر الہ آباد کو منتقل کردیا گیا۔

غدر ۱۸۵۷ء

مئی ۱۸۵۷ء میں غدر ہوا اور سب سے پہلے میرٹھ کے غدر کی خبر ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو آگرہ میں پہنچی ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء کو دو پلٹنیں جو رجمنٹ نمبر ۴۴ و ۶۷ سے تعلق رکھتی تھیں اور خزانہ کی محافظت کے واسطے متھرا کو روانہ کی گئی تھیں کھلم کھلا باغی ہوکر دہلی کو روانہ ہوگئیں۔ دوسری صبح کو حکام نے ان کے ساتھیوں کو ہتھیار داخل کردینے کا حکم دیا اسکی تعمیل خاموشی لیکن بیدلی کے ساتھ کی گئی اور بہت سے سپاہی چپ چاپ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

۱۵ جون ۱۸۵۷ء کو گوالیار میں غدر ہوا اور آگرہ میں گوالیار کنٹنجنٹ کی وفاداری پر شبہ ہوا جس نے آخرکار بغاوت اختیار کی۔

۳ جولائی ۱۸۵۷ء کو مجبور ہوکر انگریزوں کو قلعہ بند ہونا پڑا۔ دو دن بعد نیمچ اور نصیر آباد کے باغی

ملہ ۱۸۵۸ء میں حسب ذیل اضلاع لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ کے متعلق تھے قسمت دہلی پانی پت۔ ہریانہ۔ دہلی۔ رہتک۔ گوڑگانواں قسمت میرٹھ سہارنپور۔ مظفر نگر۔ میرٹھ۔ بلند شہر۔ علیگڈھ قسمت روہیلکھنڈ بجنور۔ مرادآباد۔ بدایوں۔ بریلی پیلی بھیت۔ شاہجہاں پور قسمت آگرہ متھرا۔ آگرہ۔ فرخ آباد۔ مین پوری۔ اٹاوہ قسمت الہ آباد کانپور۔ فتح پور۔ ہمیرپور کالپی۔ باندہ۔ الہ آباد قسمت بنارس گورکھپور۔ اعظم گڈھ جونپور۔ بنارس۔ غازی پور۔ میرزاپور۔ ان اضلاع میں ۷۹۰۳۳ دیہات اور ایک کروڑ ستانوے لاکھ تینتیس ہزار سات سو بیالیس (۱۹۷۳۳۷۴۲) نفر کی آبادی تھی۔ اس مردم شماری میں ستائیس لاکھ سینتیس ہزار مسلمان اور باقی ہندو وغیرہ دیگر قومیں تھیں عام طور سے فی میل مربع میں ۳۲۲ آدمی آباد تھے۔ خاص خاص شہروں کی مردم شماری حسب ذیل۔ دہلی ۱۳۷۹۷۸ – سہارنپور ۳۴۲۰۴ – میرٹھ ۱۴۶۰۱۴ – مرادآباد ۴۸۸۸۰

شاہجہاں پور ۶۲۷۸۵ – متھرا ۴۳۶۶۲ – آگرہ ۱۲۵۰۳۸ – فرخ آباد ۵۶۲۰۰ – کانپور ۱۰۸۷۰۶ – بنارس ۱۸۳۴۰۰ – گورکھپور ۴۵۲۶۵

آگرہ کی قرب پہنچ گئے اور موضع سوچیتہ پر ایک مختصر انگریزی فوج کو پسپا کر کے شہر میں داخل ہوئے تمام بنگلوں اور دفاتر میں آگ لگادی اور جو یورپین یا عیسائی ان کے ہاتھ لگا اس کو قتل کر ڈالا اور تمام شہر کو لوٹ کر دہلی روانہ ہو گئے ۸ جولائی ۱۸۵۷ء کو کسی قدر امن و اطمینان پیدا ہوا لیکن ماہ اگست تک بدامنی قائم رہی اور تین ہزار پانسو[5] یوروپین و یوروشین اور دو ہزار تین سو[23] دیسی عیسائی قلعہ میں بند رہے انہی میں آگرہ کے لفٹنٹ گورنر جان کالون صاحب بہادر بھی شامل تھے جن کا انہی ایام میں ہیضہ سے انتقال ہو گیا اور قلعہ ہی کے اندر دیوان عام کے سامنے دفن کئے گئے۔

ماہ ستمبر میں دہلی فتح ہونے کے بعد بھاگے ہوئے باغی وسط ہند کے باغیوں سے ملکر ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو پھر آگرہ آئے چار دن کے بعد کرنیل گریٹھہد صاحب فوج لے کر دہلی سے آگرہ آگئے اور باغیوں کو شکست دیکر منتشر کر دیا فتحپور سیکری اب تک باغیوں کے قبضہ میں تھا ایک لشکر نے وہاں جاکر باغیوں کو نکالا اور ۲ نومبر ۱۸۵۷ء کو ضلع کا آخری موضع جو باغیوں کے قبضہ میں تھا توپوں سے جلا دیا گیا اور ۴ فروری ۱۸۵۸ء کو آخری مسلح باغی ضلع سے باہر کر دئے گئے۔ شہر اور ضلع کی عام رعایا عام طور سے وفادار رہی صرف فتحپور سیکری کے میواتیوں نے بغاوت کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ بالکل تباہ و برباد ہو گئے راجہ اودہ نے شمالی جانب اور راجہ بھدا ور نے مشرقی جانب امن و امان قائم رکھا۔

لارڈ کیننگ

غدر ۱۸۵۷ء کے فرو ہونے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہو کر برٹش گورنمنٹ کی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی اور ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ پہلے ویسرائے نے آگرہ میں تشریف لا کر دربار منعقد کیا جس میں تمام راجپوتانہ اور سنٹرل انڈیا (وسط ہند) کے راجہ۔ مہاراجہ۔ نواب اور رئیس شریک ہوئے اور ایام غدر کی خیر خواہی کے صلہ میں جاگیریں۔ خلعت و انعام وغیرہ تقسیم کئے گئے۔

لارڈ ایلجن

۱۸۶۳ء میں لارڈ ایلجن دوسرے وائسرائے نے آگرہ میں ایک شاندار دربار منعقد کیا جس میں راجپوتانہ اور وسط ہند کے تمام والیان ملک اور رئیس شامل تھے۔

لارڈ لارنس

نومبر ۱۸۶۶ء میں جان لارنس تیسرے وائسرائے نے نہایت نہایت شان و شوکت سے آگرہ میں دربار

[5] سرجان لارنس جو بعد کو لارڈ لارنس ہو گئے نہایت رحم دل منصف مزاج رعایا پرور حاکم تھے صرف یہ ہی بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳ پر دیکھو

منعقد کیا جو خاص تاریخی عظمت رکھتا ہے یہہ دربار انگریزی عہد کے جملہ گذشتہ درباروں سے زیادہ شاندار تھا جس میں راجپوتانہ اور بندیلکھنڈ وغیرہ کے ۴۴ والیانِ ملک اور ۳۵۰ کے قریب رئیس شامل تھے ایک لاکھ سے زیادہ آدمی اس دربار کے دیکھنے کے واسطے باہر سے آئے تھے ۱۸۶۷ء میں ایک عالی شان

نمائش آگرہ

نمائش آگرہ میں ہوئی جو تاتی منڈی اور شاہگنج کے درمیان میں قائم اور مینا بازار کے نام سے موسوم تھی۔

ڈیوک آف ایڈنبرا و پرنس آف ویلز کی رونق افروزی

۱۸۷۰ء میں ڈیوک آف ایڈنبرا ملکہ معظمہ قیصرِ ہند کے دوسرے بیٹے اور ۱۸۷۶ء میں شاہ ایڈورڈ ہفتم مرحوم جو اُس وقت پرنس آف ویلز تھے آگرہ میں تشریف لائے اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ اُن کا استقبال اور خاطر و مدارت ہوئی۔

لارڈ کرزن

۱۸۹۸ء میں لارڈ کرزن صاحب وائسرائے ہوکر ہندوستان میں تشریف لائے آپ کو آثار قدیمہ سے خاص دلچسپی تھی۔ اور آگرہ اور فتحپور کی عمارات سے تو آپ کو عشق تھا چنانچہ خود ایک موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ اگر میں ولایت کی سکونت ترک کرسکتا تو آگرہ ہی میں قیام کرتا اپنے ایام حکومت میں دو کئی مرتبہ آگرہ میں رونق افروز ہوئے اور یہاں کے آثار قدیمہ میں ہمیشہ کے واسطے اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ رخصت کے وقت بھی چلتے چلتے یہاں کی عمارات کی زیارت کرنے گئے۔ اور ولایت پہنچکر بھی آگرہ کو نہ بھولے اور ۳۵۰ ([illegible]) پونڈ کے صرف سے ایک مرصع قندیل مصر میں تیار کراکر ۱۹۰۹ء میں روضہ ممتاز محل کے واسطے روانہ فرمائی جسے ۱۶ فروری ۱۹۰۹ء کی شب کو ہزآنر سر جان ہیوٹ صاحب لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ نے روضہ میں آویزاں کیا۔

صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ

مشہور ہے کہ لارڈ کرزن نے آگرہ پر ریسیڈنسی قائم کرنے کی تجویز کی تھی لیکن یہہ تجویز نامنظور ہوئی مگر اس پر بھی وہ آگرہ کو صوبہ متحدہ کا سرتاج بادشاہ بنا ہی گئے یعنی صوبہ کا نام بجائے ممالک مغربی و شمالی و اودھ کے ممالک متحدہ آگرہ و آودھ رکھے گئے۔

تشریف آوری سردار عنایت اللہ خاں

۱۲ جنوری ۱۹۰۵ء کو آگرہ میں سردار عنایت اللہ خاں ولی عہد افغانستان رونق افروز ہوئے اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ اُن کی خاطر و مہمانداری ہوئی ۱۴ جنوری ۱۹۰۵ء کو وہ آگرہ کی سیر سے فارغ ہوکر واپس تشریف لے گئے۔

تشریف آوری امیر حبیب اللہ خاں مرحوم

۹ جنوری ۱۹۰۷ء کو امیر حبیب اللہ خاں مرحوم والی افغانستان۔ آگرہ میں تشریف لائے اور اسی تاریخ کو شہر کو امیر موصوف اور لارڈ منٹو صاحب بہادر گورنر جنرل کے قرانِ السعدین کا فخر حاصل ہوا۔ ۹ لغایت ۱۵ جنوری امیر صاحب کا یہاں قیام رہا اور دربار۔ فوجی ریویو وغیرہ کی وجہ اس ہفتہ میں آگرہ میں خوب رونق رہی اور شاہی عہد کا منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا

آگرہ میں طوفان نوح

ستمبر ۱۹۲۴ء میں آگرہ میں دریائے جمن میں طغیانی آئی۔ تمام محلہ بیلن گنج کچہری گھاٹ واٹر ورکس وغیرہ زیرِ آب تھے پانی ریلوے کے آہنی پلوں سے صرف دو ڈیڑھ فٹ نیچا رہ گیا تھا واٹر ورکس کی خرابی کی وجہ سے تمام شہر کے نل بند اور پانی کا قحط تھا شہر کے ایک طرف تو پانی بلیوں اونچا بہہ رہا تھا۔ اور ہزاروں لاکھوں روپیہ کا مال و اسباب بہائے لئے جا رہا تھا دوسری جانب پانی کا یہ قحط تھا کہ ایک ایک مشک پانی ۴ر کو بھی نہ ملتا تھا۔ تاجگنج اور شہر کی درمیانی سڑک کئی ہفتہ بند رہی طوفان کیا تھا طوفانِ نوح کا نمونہ تھا۔ سیکڑوں عمارتیں منہدم ہوگئیں اور اکثر جانیں بھی ضائع ہوگئیں اسی قسم کا ایک طوفان شاہ جہاں کے زمانہ میں بایّام تعمیر روضہ ممتاز محل آیا تھا جس میں اکثر شاہی عمارات خصوصًا مہتاب باغ کو بہت نقصان پہنچا تھا۔

باب دوم

عمارات متصل تاجگنج

روضۂ ممتاز محل یا تاج محل

آگرہ کی تمام عمارتوں کی جان و روح ہندوستان کی کُل عمارتوں کا سرتاج اور مشرقی فن تعمیر کا سب سے اعلیٰ نمونہ روضۂ ممتاز محل ہے۔ جس کا چپّہ چپّہ دلکش اور ذرّے ذرّے میں شانِ دلربائی پائی جاتی ہے۔ اِس بے نظیر عمارت کی نفاست اور حُسنِ نزاکت کی تعریف میں یورپ اور ایشیا کے نگاروں نے اپنے اپنے قلم توڑ دئے۔ شاعروں نے اپنے کمالات شاعری کو ختم کر دیا۔ نقاش اس کی نُورانی اشکال کی حیرت انگیز تصویر کھینچتے کھینچتے نقشِ دیوار بن گئے۔ صنّاع اِس کی صنّاعیوں کے نظّارہ سے محو حیرت رہ گئے بڑے بڑے یوروپین مہندس اور انجنیر اس کے عمارتی تناسب کو دیکھ کر کمالاتِ ایشیا کے قائل ہو گئے۔ کوئی اِس کی پچّیکاری کا عاشق اور کوئی مُنبّت کاری کا شیدا ہے۔ ایک اُس کے نُورانی کتبوں پر فریفتہ ہے تو دوسرا اُس کے گنبد پر جان و دل نثار کرنے کو تیار ہے۔ کوئی اِسے خوشنما موتی بتاتا ہے تو کوئی حُسن کی دیوی تصور کر کے پرستش کے واسطے کھڑا ہے۔ کوئی مہ جبیں کا لقب عطا کرتا ہے تو کوئی فردوسِ بریں کا خطاب دیتا ہے۔ کوئی منکرینِ کمالاتِ ایشیا کی ہدایت و مشاہدے کے واسطے اسے ایشیائی معجزہ خیال کرتا ہے۔ غرضکہ جتنے منہ اتنی باتیں جتنے قلم اُس قدر تعریفیں۔ ہر شخص اپنے اپنے مذاق و لیاقت کے مطابق اس کے راگ گاتا ہے مؤرخوں سیاحوں اور شعرائے نازک خیال نے جس کثرت سے

اس روضہ کی تعریف کی ہے اُس کی دوسری نظیر ملنا مشکل ہے۔ اگر کُل کلام کو جمع کیا جاوے تو ایک نہایت ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس جگہ ہم چند خاص سیاحوں اور مبصرین فنِ عمارت کی رائیں نہایت اختصار کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

ڈاکٹر برنیر

شاہجہاں کے عہد کا مشہور فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ اس کا ہر ایک مقام نہایت خوشنما اور ایسا ہے کہ آنکھیں دیکھنے سے سیر نہیں ہوتیں چنانچہ سب سے اخیر مرتبہ جو میں نے اُس کو دیکھا تو میرے ساتھ ایک فرانسیسی سوداگر بھی تھا اور میری طرح اُس کی بھی یہہ ہی رائے تھی کہ یہہ ایک ایسی عمارت ہے کہ جس کی کامل طور پر تعریف نہیں ہو سکتی مگر میں کچھ نہ بولا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندوستان میں مدت سے رہنے کی وجہ سے میرا مذاق بگڑ گیا ہو لیکن میرا رفیق جو تازہ وارد تھا جب اُس نے یہہ کہا کہ تمام یورپ میں ایسی حیرت افزا اور عظیم الشان عمارت میں نے کوئی نہیں دیکھی تو میری تسلی ہو گئی .... گنبد کے اندر ایک چھوٹا سا حجرہ ہے جس میں تاج محل کی قبر ہے یہہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ بڑے تکلفات سے کھولا جاتا ہے اور چونکہ اس کے تقدس کی وجہ سے کوئی عیسائی شخص اس کے اندر نہیں جانے پاتا اس لئے میں اُسے نہ دیکھ سکا لیکن سُنا ہے کہ اُس کی آرائش و زیبائش اور زیب و زینت بہت اعلیٰ قسم کی ہے...... اس کے شمالی چبوترہ کے نیچے دریائے جمن بہتا ہے اور بے شمار سرسبز باغ جو دور تک گنگے چلے گئے ہیں اور شہر کا ایک حصّہ اور قلعہ اور اُمرا کے خوبصورت مکانات جو دوسرے کنارے پر بنے ہوئے ہیں بخوبی نظر آتے ہیں اور جبکہ یہہ چبوترہ اس باغ کا ایک ضلع ہے تو اس کا تصفیہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں کہ میں جو یہہ کہہ رہا ہوں کہ یہہ مقبرہ ایک حیرت افزا عمارت ہے کیا یہہ صحیح نہیں ہے...... لیکن میں یقینی طور پر کہتا ہوں کہ یہہ مقبرہ بہ نسبت اہرام مصر کے دُنیا کے عجائبات میں شمار کئے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔

اکسٹر گستاولی بان

مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاولی بان اپنی شہرۂ آفاق کتاب تمدنِ عرب میں لکھتا ہے آگرہ میں بہت سی مثالیں ہند و ایران اور عرب کی مرکب طرز تعمیر کی موجود ہیں ان میں سب سے

زیادہ مشہور تاج بی بی کا روضہ ہے جس کے بیان کے لئے ایک جلد چاہیئے اس عمارت کو شاہجہاں نے ۱۶۳۱ء میں اس غرض سے شروع کیا تھا کہ یہ اُس کی چہیتی بی بی کا جس کے مرنے کا قلق کبھی اُس کے دل سے دور نہیں ہوا ایک ایسا بے نظیر مقبرہ اور لاثانی یادگار ہو کہ جس کا مثل دُنیا میں نہ نکلے اِس نے مشرقی (ایشیا) کے معماروں کو جمع کیا اور دُور دُور سے وہ نایاب اور بیش بہا پتھر منگائے جو اس عمارت میں لگے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ اس کی تعمیر میں چھ کروڑ روپیہ صرف ہوا جس میں مزدوری کا حساب نہیں کیونکہ مزدور مفت کام کرتے تھے (مفت مزدوری یا بیگار کی روایت قطعی غلط اور بعض ادنیٰ درجہ کے سیاحوں کی من گھڑت ہے) بقول ٹیورنیر بائیس برس تک ہر روز بیس ہزار مزدور اس روضہ میں کام کرتے رہے۔۔۔۔۔کل سیاحوں کی رائے ہے کہ یہ عمارت منجملہ عجائبات روزگار کے ہے ایک شخص نے جس کا نام نہیں معلوم پیتو رسک میگزین میں اس عمارت کا بیان لکھا ہے ۔۔۔۔۔ وہ لکھتا ہے کہ ساری عمارت سفید جلا کئے ہوئے سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے جس وقت اس پر آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو نظر نہیں ٹھیرتی اور آنکھوں میں چکا چوند آجاتی ہے۔ اس حیرت انگیز عمارت کے دیکھنے کے لئے کچھ چاندنی کی روشنی موزوں ہے سنگ مرمر کی کندہ کی ہوئی سلیں جن میں ایک بے نظیر باریکی اور لطافت کے ساتھ پھول پتے گلاب کی پنکھڑیاں اور عربی گلکاریاں بنی ہوئی ہیں۔ پتلے پتلے ستون پُر تکلف چوکھٹے۔ غلام گردشیں جن میں روشنی کے واسطے جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ خالص سنگ مرمر کی باریک جالیاں۔ مختلف قیمتی پتھروں کی طرح طرح رنگ پچیکاری۔ سنگ موسیٰ کے کتبے۔ غرضکہ جو کچھ صنعت کی قدرت میں تھا وہ افراط کے ساتھ یہاں جمع کر دیا گیا ہے اور ایک ایسا مجموعی اثر پیدا کرتا ہے جس کا نظیر تمام عالم میں نہیں۔۔۔۔۔یہ عمارت فی الواقع اس درجہ کامل ہے کہ اس کے مانند انسان کے ہاتھوں نے کبھی نہیں بنایا۔

رنکیسے صاحب

ڈبلیو۔ رنکیسے صاحب اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں "تاج ایک موتی ہے جس میں نہایت خوبصورتی سے مرصع کاری کی گئی ہے مقبرہ اور اُس کے اندرونی و بیرونی اجزا پر ایسی قابل توصیف صنعت سے کام لیا گیا ہے کہ کل عمارات بہیئت مجموعی سراپا حُسن نظر آتی ہے اور

طبقۂ روئے زمین پر یکتا و لاثانی کہی جا سکتی ہے۔

سیوارڈ صاحب

ڈبلیو۔ ایچ سیوارڈ صاحب اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں "فی الواقع تمام دنیا نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ یہہ مقبرہ روئے زمین کی کل عمارات سے نفیس ترین ہے۔

مسٹر ویلر صاحب

مسٹر ویلر صاحب اپنی تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں "یہ عمارت ایسی دلاویز و محبت انگیز ہے کہ حیطۂ بیان سے باہر ہے اس کو بادشاہ کی بیگم کا مزار کہنا ٹھیک نہیں بلکہ حسن کی دیوی تصور کر کے اس کی پوجا کرنا زیادہ مناسب ہے اس کے دیدار سے کامل خوبصورتی کا خیال آنکھوں میں پھر جاتا ہے......

خواجہ حسن نظامی

اردو زبان کے یگانۂ روزگار اور شہرۂ آفاق ادیب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی عالم ارواح کی سیر کے عنوان سے مخزن نمبر ۶ جلد ۱۱ ماہ مارچ ۱۹۰۶ء میں لکھتے ہیں "روح کیا چیز ہے اور مرنے کے بعد کہاں چلی جاتی ہے۔ ایک مشکل سوال ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ روح ایک اثر دار کیفیت کا نام ہے جسم میں اس کی تاثیریں محدود رہتی ہیں اور جسم سے جدا ہو کر اس کے اثر کی وسعت لامحدود ہو جاتی ہے۔ شاید یہہ بیان صحیح ہو کیونکہ ہم مرنے والوں کے مقبروں اور رہنے کے مکانوں میں ایک ایسی کیفیت محسوس کرتے ہیں جن سے صاحب قبر اور صاحب مکان کی گذشتہ حالت کا اثر صاف طور سے نظر آتا ہے اور اوقات کی تبدیلی سے مختلف شکلوں میں جلوہ دکھاتا ہے جنوری کے اخیر عشرہ میں آگرہ کی مشہور عمارتیں دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ہر عمارت میں روحانیت کا مؤثر ظہور دیکھا جاتا تھا...... شام کے وقت اس عمارت میں پہنچے جو تمام ایشیا کا فخر ہے جس کی صناعیوں نے آج کل یورپ کو بھی حیرت میں ڈال رکھا ہے جو دنیا کی لاثانی عمارتوں کا تاج ہے جس وقت ہم نے دروازہ میں قدم رکھا اور سامنے نظر اٹھائی تو نورانی گنبد پر دھوپ کی زرد شعاعیں چمکتی دکھائی دیں۔ آگے بڑھے تو باغ کی سبز ٹہنیاں خوش رنگ پھولوں سے جھوم رہی تھیں...... میں تاج محل میں رہنے والی ملکہ ارجمند بانو کے پاس اندر پہنچا۔ نصیبہ والی ملکہ چڑھاؤ چھپر کھٹ میں قرآنی حرفوں کا دوشالا اوڑھے لیٹی تھی۔ پہلو میں شاہجہاں تھا اور خاکی چلمن کے پردہ میں راز و نیاز کی باتیں

ہو رہی تھیں۔ نورانی مکان میں ظلمت کی باریک چادر بچھی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔ اس ایک موتی کے محل سے نکلکر باہر آیا تو زندائی کا جلوہ نظر آتا تھا۔ بلبلیں پوروہیں نقش حیرت بنے کھڑے تھے۔ سامنے جمنا تھی جو سردی کے سبب سکڑے ہوئے ریت کا لحاف اوڑھے ہوئے تاج کی ملکوتی شان دیکھ رہی تھی۔ غرضکہ ہر در و دیوار پر روحانی حوریں بناؤ سنگار کئے بیٹھی تھیں اور تاج محل کے نام پر درود پڑھ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ جی چاہتا تھا کہ صبح کا تاج۔ چاندنی کا تاج۔ تاریکی کا تاج۔ برسات کا تاج وقت ملے تو سب دیکھیں مگر افسوس کہ یہ آرزو پوری نہ ہو سکی"

سید علمدار حسین واسطی

سید علمدار حسین صاحب واسطی نبوڑی ماہ جون ۱۹۰۶ء کے رسالہ مخزن میں لکھتے ہیں "روضہ تاج گنج کہنے کو تو ایک عمارت ہے۔ لیکن اگر کوئی پوچھے کہ "کیسی عمارت ہے" تو ہم صرف اتنا بتا سکتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک انسانی عالم ایجاد ہے۔ یا ایشائی فوق العادت فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ جو منکرین کمال اہل ایشیا کے مشاہدے کے لئے معجزے کی صورت میں ظاہر کر دکھایا ہے۔ اس کا چپہ چپہ جگر گیر واقع ہوا ہے اور ذرے ذرے میں دل نوازی کی شان پائی جاتی ہے۔

تاج آگرہ

(انتخاب) از سید علمدار حسین صاحب نبوڑی

تاج گنج آگرہ! اے انتخاب روزگار
دیدۂ دل تجھ پہ قربان چشم جان تجھ پر نثار

تیری صورت۔ تیری صنعت۔ تیری ندرت دیکھ کر
گلشن اسلام کی یاد آگئی مجھ کو بہار

خوبیاں مدت سے سنتے تھے تری اے تاج گنج
آپ تجھے دیکھا تو پائیں وہ ہزار اندر ہزار

واقعی پایا تجھے دنیا میں آپ اپنی مثال
تو ہے یکتائے زماں اے تاج بی بی کے مزار

گویا گلدستہ رکھا ہے میز پر بلور کی
تخت پر یا رکھ گیا ہے تاج کوئی شہریار

محو راحت پہلوئے بیگم میں ہیں شاہ جہاں
اور یہ گنبد ہے گویا شہ کا تاج نور بار

باخوشی سے کھل گیا ہر دل کا جمنا کے کنول
اے دلِ دلہائے عالم جنتِ ہندوستان
گر جہاں آرا نہیں ہندوستاں آرا ہے تو

دیکھ کر پہلو میں اپنے شاہ و بیگم کا مزار
حسنِ فطرت کا مرقع ہیں ترے لیل و نہار
تیری صنعت کی قسم اے قبۂ گردوں وقار

آہ اے اسلام کے اقبال تیرا وہ کمال
خوب ہم آیا تجھ پہ صادق ہر کمالے را زوال

روضۂ ممتاز بیگم لائقِ مدحت ہے تو
فردِ بے ہمتا و نادر لاجواب و بے نظیر
محوِ نظارہ نہ ہو کیوں خوبیٔ تعمیر پر
مایۂ نازش ہے اہلِ ایشیا کے واسطے
تجھ کو کیا دیکھا کہ دنیا ہیچ محض آئی نظر

سرزمینِ آگرہ کا باعثِ زینت ہے تو
گویا ایک محسوس و مرئی معنیٔ ندرت ہے تو
ہر دلِ حسن آشنا کو موہنی مورت ہے تو
اہلِ یورپ دیکھ کر حیراں ہیں وہ صنعت ہے تو
عالمِ فانی سے گویا موجبِ نفرت ہے تو

ایک جہانِ حسن تجھ میں محوِ صد آرام ہے
آہ عشق۔ آغاز تیرا درد۔ درد انجام ہے

آئے ہیں وقتِ خزاں ہم رنگِ بستاں دیکھ کر
بلبلوں کو فصلِ گل کا مرثیہ خواں دیکھ کر

زخمِ دل میں خارِ حسرت سے خلش پیدا ہوئی
باغباں بے حال اور ویراں گلستاں دیکھ کر

دیدۂ عبرت نظر سے اشکِ خوں جاری ہوئے
حال درباروں کا مانندِ گدایاں دیکھ کر

دل تڑپ اٹھتا تھا پہلو میں دفورِ درد سے
اہلِ دل کو صحنِ گلشن میں پریشاں دیکھ کر

شوکتِ اسلام کا آنکھوں میں نقشہ کھنچ گیا

تربت و محراب پر آیاتِ قرآں دیکھ کر
گویا کرتا تھا بیاں۔ حالِ انقلابِ دہر کا
مقبرہ اہلِ نظر سے فاتحہ خواں دیکھ کر
اس کے نظارہ کی پھر ہے دیدۂ دل کو ہوس
تاج گنج آئے ہیں یا بزمِ حسیناں دیکھ کر

اشتیاقِ سیرِ تاجِ آگرہ پھر دل میں ہے
آتشِ حسرت کی سوزش اپنے آب و گل میں ہے

حیاتِ ممتاز محل

ممتاز محل کا اصلی نام ارجمند بانو بیگم اور خطاب ممتاز محل تھا جو کثرت استعمال سے اب تاج محل ہوگیا ہے یہ اعتماد الدولہ میرزا غیاث بیگ وزیر جہانگیر بادشاہ کی پوتی یمین الدولہ آصف خاں شاہجہانی کی بیٹی اور نور جہاں بیگم کی بھانجی تھیں۔ جہانگیر و شاہجہاں کے زمانہ میں اس خاندان کو خاص عروج حاصل تھا یہ ۱۰۰۴ھ ۱۵۹۴ء میں دیوانجی بیگم کے بطن سے پیدا ہوئیں چونکہ کل خاندان زیورِ علم و فضل سے آراستہ تھا لہٰذا سنِ تمیز پر پہنچ کر اعلیٰ تعلیم پائی جہانگیر بادشاہ نے ان کے حسن و جمال اور لیاقت کی تعریف سنکر، محرم ۱۰۱۶ھ ۱۶۰۶ء کو اپنے بیٹے شاہزادہ خورم (شاہجہان) کے ساتھ منسوب کردیا۔ اور شب جمعہ ۹ ربیع الاول ۱۰۲۱ھ ۱۶۱۲ء کو نہایت دھوم دھام سے شادی کردی اور ممتاز محل خطاب دیا اگرچہ اس سے پہلے شاہزادہ مذکور کی شادی میرزا مظفر حسین صفوی کی دختر سے جو قندھاری بیگم کے خطاب سے موصوف تھیں ہو چکی تھی مگر شاہزادہ کے دل میں ممتاز محل کی محبت کا ایسا اثر ہوا کہ عشق کے درجہ کو پہنچ گیا اور جب تک وہ زندہ رہیں کسی دوسری بیگم کا رنگ نہ جم سکا۔ شاہجہاں کو ان کے ساتھ ایسا دل لگا ہوا تھا کہ کبھی اس نے مفارقت گوارا نہیں کی یہاں تک کہ سفر اور لڑائیوں میں بھی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ جب نور جہاں بیگم کے جوڑ توڑ سے شاہجہاں اور جہانگیر کی باہمی رنجش نے طول کھینچا اور شاہجہاں کو مجبوراً باپ سے باغی ہونا پڑا اور صحرا نوردی کی نوبت پہنچی تو ممتاز محل بھی شوہر کی رفاقت میں ساتھ تھیں۔

۱۰۳۷ھ میں شاہجہاں نے تخت نشین ہو کر دو لاکھ اشرفیاں اور چھ لاکھ روپیہ نقد اور دس لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر ممتاز محل کو مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد جشن نوروز پر پچاس لاکھ روپیہ کے زیورات مرحمت کئے۔ ۱۰۳۹ھ میں دو لاکھ روپیہ سالانہ کا وظیفہ میں اضافہ کیا اور مُہرداری کی سب سے زیادہ معزز خدمت سپرد کی۔ ۱۷ ذیقعد ۱۰۴۰ھ کو بمقام برہان پور میں (خاندیس) بوقت وضعِ حمل ممتاز محل نے سفر آخرت اختیار کیا۔ تاریخ وفات از بیدل خاں۔

زیں جہاں رفت چو ممتاز محل — در جنت بر رخش حور کشاد

بہر تاریخ ملائک گفتند — جائے ممتاز محل جنت باد

ممتاز محل نہایت رحم دل اور فیاض خاتون تھیں وہ ارکانِ مذہبی کو کمال سرگرمی سے انجام دیتی تھیں۔ روزانہ سیکڑوں بیوائیں اور ہزاروں غربا و مساکین ان کی سرکار سے فیض پاتے تھے۔ شاہجہاں کی کل اولاد باستثنائے سب سے بڑی لڑکی پرہیز بانو بیگم کے انھیں کے بطن سے تھی کل چودہ[14] اولادیں پیدا ہوئیں جن میں جہاں آرا بیگم[1]۔ دارا شکوہ[2]۔ شجاع[3]۔ روشن آرا بیگم[4]۔ اورنگ زیب[5]۔ مراد بخش[6]۔ گوہر آرا بیگم[7] سات اولادیں سن تمیز کو پہنچیں۔ شاہجہاں کو بیگم کے انتقال سے اس قدر صدمہ پہنچا کہ ہفتوں اس نے امورات سلطنت کی طرف توجہ نہیں کی اور دو سال تک تمام رقص و سرود اور خوشی کے جلسے اس ماتم میں بند رہے۔

مدفنِ اوّل

ممتاز محل کی نعش اوّل برہان پور کے قریب باغ زین آباد میں بطور امانت دفن کی گئی اور چھ مہینے کے بعد ۱۷ جمادی الاوّل ۱۰۴۱ھ کو اکبر آباد روانہ کی گئی جہاں ۱۵ جمادی الثانی ۱۰۴۱ھ کو پہنچ کر صحن باغ میں دوبارہ بطور امانت سپرد کی گئی بعدہٗ جب روضہ تعمیر ہو گیا تو اصل مقام پر منتقل کی گئی۔ جس آراضی پر روضہ واقع ہے یہ میرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ والی آمبیر (جے پور) کی ملکیت تھی جب روضہ کی تعمیر کے واسطے یہ مقام پسند کیا گیا تو راجہ مذکور نے بلا معاوضہ اس زمین کو نذر کرنا چاہا مگر بادشاہ نے اس امر کو منظور نہیں کیا اور اس کے معاوضہ میں خالصہ سے ایک وسیع قطعہ راجہ کو مرحمت فرمایا۔

تعمیر روضہ

عام طور سے مشہور ہے کہ ممتاز محل نے مرتے وقت بادشاہ سے وصیت کی تھی کہ میری قبر پر ایسی عالیشان عمارت تعمیر کی جاوے جو تمام دنیا میں بے نظیر ہو لیکن اس وصیت کا حال نہ شاہی تاریخ بادشاہنامہ ملا عبدالحمید لاہوری میں ہے نہ کسی اور قدیم و مستند تاریخ میں نظر سے گذرا جہاں تک قیاس کیا جاتا ہے یہ خیال میں آتا ہے کہ شاہجہاں کو فطرتاً عمدہ عمدہ تعمیرات کرانے کا دلی شوق تھا اس نے اپنی پیاری بیگم سے اپنی محبت کا اظہار اس بے نظیر عمارت کے ذریعہ سے کیا ہے۔ اس روضہ کی تعمیر کے واسطے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ایشیا سے بڑے بڑے باکمال صناع اور کاریگر بیش قرار تنخواہوں پر بلائے گئے تھے۔ عمارت کے مہتمم یا انجنیر میر عبدالکریم اور مکرمت خاں نامی امیر تھے جن کے اہتمام میں بعد کو شاہجہاں آباد اور شاہجہاں کے عہد کی متعدد عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ محمد عیسٰی آفندی نقشہ نویس روم سے اور محمد شریف نقشہ نویس سمرقند سے ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار پر طلب کئے گئے تھے۔[51] غرضکہ تمام ایشیا کے باکمال کاریگروں نے بارہ برس کے عرصہ میں اس عمارت کو تعمیر کیا لیکن پوری تکمیل سولہ برس کے عرصہ میں ہوئی۔ کتبوں پر جو سنہ کندہ ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۴۱ھ (۱۶۳۱ء) میں تعمیر شروع ہو کر ۱۰۵۷ھ (۱۶۴۷ء) میں ختم ہوئی۔[52]

شاہی تاریخ بادشاہنامہ میں تحریر ہے کہ کل عمارت پچاس لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر ہوئی

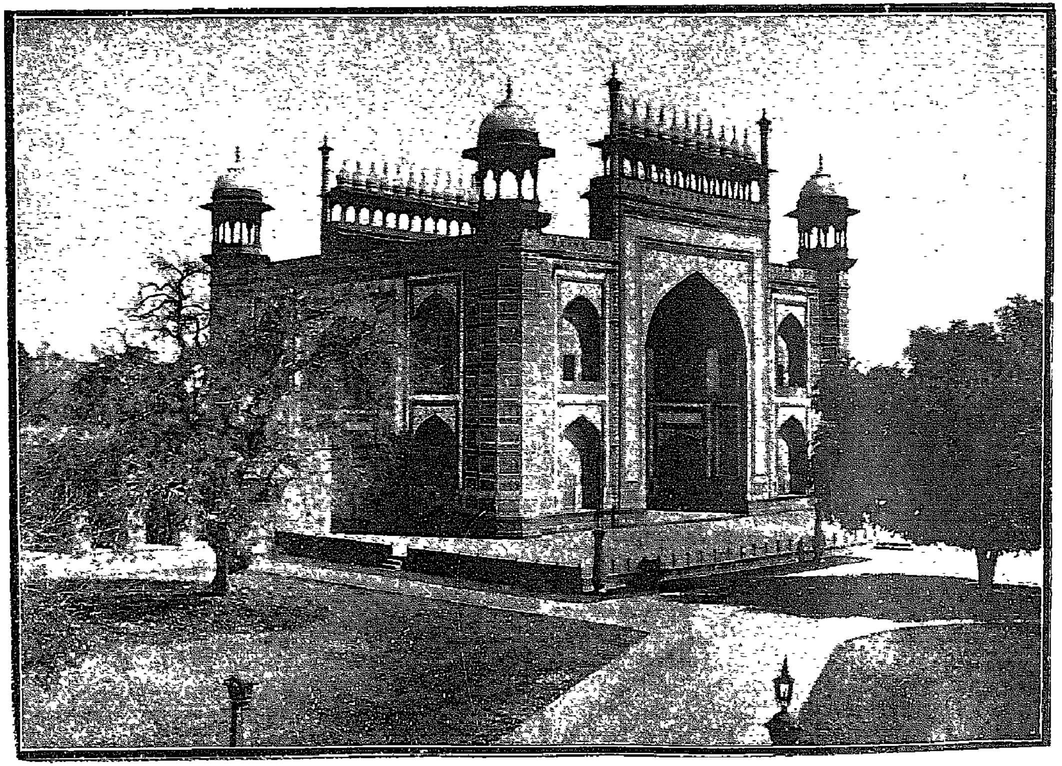
---

۵۱ ان کا خاندان اب تک آگرہ میں باقی ہے اور خاندان نقشہ نویسان کہلاتا ہے۔ اس خاندان میں اعلیٰ درجہ کے نقشہ نویس بفضلہ تعالیٰ اب تک موجود ہیں۔

۵۲ جس زمانہ میں یہ روضہ تعمیر ہو رہا تھا جمنا میں ایسی ہی سخت طغیانی آئی تھی جیسی چار پانچ سال ہوئے جب آئی تھی اس میں اکثر شاہی عمارات خصوصاً مہتاب باغ کو بہت نقصان پہنچا تھا اور روضہ کی اکثر تو تعمیر عمارات کو از سر نو بنانا پڑا تھا اس کا ذکر شاہزادہ اورنگ زیب نے اپنے ایک رقعہ میں جو شاہجہاں کے نام آگرہ سے روانہ کیا تھا کیا ہے اسمیں روضہ کی عمارت کی نسبت یہ عبارت درج ہے "روز جمعہ بطواف روضۂ منورہ رفتہ برکات زیارت سراسر طاعت اندوخت۔ عمارت این حظیرۂ قدسی اساسش ہماں دستور کہ در حضور پر نور ..... استوار است۔ مگر گنبد مرقد اطہر کہ از جانب شمالی در برشکال از دو جا تراوش می کند۔ ہم چنیں چہار پیش طاق و اکثر نشیمان مرتبہ دوم و گنبد خورد و چہار صفہ شمالی و تہ خانہائے کرسی ..... درنم کشیدہ۔ گنبد کلاں در فصل از دو سہ جا چکیدہ بود مرمت ..... و در برشکال آیندہ تا چہ رو دہد۔ گنبد ہائے مسجد و جماعت خانہ نیز در موسم ..... می چکیدہ مرمت کردہ از بنایان ..... کہ اگر فرش پشت بام مرتبہ دوم وا کردہ ریختہ سازند و بالائے ریختہ نیم گز تہ کاری شود شاید پیش طاق و شاہ نشین و گنبد ہائے خورد بہ اصلاح بیانید و در تدبیر گنبد کلاں بعجز معترف اند پیر دستگیر سلامت این قسم عمارت عالی بنا را اگر فہ چشم زخمے رسید اگر پرتو التفات اقدس بر علاج و دفع این آفت بجا خواہد بود۔"

چونکہ اس عمارت کو دیکھ کر یہہ رقم نہایت حقیر معلوم ہوتی ہے لہذا بعض مؤرخین نے اس پر طرح طرح کے حاشیہ چڑھائے ہیں کسی نے لکھا کہ مزدور بیگار میں کام کرتے تھے کسی نے غیر مستند حوالوں سے اس کا صرفہ کروڑوں تک پہنچا دیا ہے لیکن اصلیت یہہ ہے کہ یہہ پچاس لاکھ روپیہ محض مزدوروں معماروں وغیرہ کی اجرت ہے۔ منصب داران شاہی اور مستقل عملہ عمارات اپنے اپنے منصب کی تنخواہ علیحدہ پاتے تھے پتھر اور پچیکاری کے بیش بہا جواہر خزانہ عامرہ اور خالصہ شریفہ سے دئے گئے جن کی قیمت اس پچاس لاکھ میں شامل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں مزدوری کی شرح بہت کم تھی جس کی تفصیل دیباچہ میں دی گئی ہے۔

یہہ دل کش روضہ آگرہ میں ہر بلند جگہ سے نظر آتا ہے اور قلعہ سے جانب مشرق دریائے جمن پر ایک میل سے کچھ زائد فاصلہ پر واقع ہے۔ مگڈائل پارک سے گذر کر سب سے پہلے فتحپوری مسجد اور سہیلیوں کا مقبرہ آمنے سامنے دکھائی دیتا ہے درمیان میں پختہ سڑک ہے۔ جو روضہ کے جلو خانہ (چوک) میں ہوتی ہوئی فتح آباد گئی ہے۔ جلو خانہ یا چوک کا طول ۲۰۴ گز (شاہجہانی گز ۲½ فیٹ) اور عرض ۱۵۰ گز ہے۔ اس کے چاروں اضلاع میں ۱۲۸ حجرے یا دوکانیں واقع تھیں جن میں کچھ حجرے قدیم باقی رہ گئے تھے اور کچھ قدیم نمونہ پر از سر نو بنائے گئے ہیں شمالی جانب وسط میں روضہ کا صدر پھاٹک یا دروازہ ہے جس کے محاذ اور جنوبی ضلع میں ممتاز آباد یا محلہ تاج گنج کا پھاٹک ہے۔ اسی طرح ایک ایک پھاٹک مشرقی و مغربی ضلع میں واقع ہے۔ جلو خانہ کے جنوب و مغربی گوشہ میں ستی النساء خانم اور جنوب و مشرقی گوشہ میں سرہندی بیگم کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ جنوبی دروازہ کے باہر چوپڑ کا بازار اور سرائیں بنی ہوئی تھیں جن میں اب آبادی ہو گئی ہے اور سوائے ایک پھاٹک کے اور کوئی عمارت اصلی حالت پر قائم نہیں رہی البتہ نشانات موجود ہیں۔ روضہ کے عالیشان دروازہ کے سامنے ۲۱۱ فیٹ لمبا اور ۹۰ فیٹ چوڑا سنگین چبوترہ ہے جلو خانہ میں چبوترہ کے نیچے چھ سنگین منقش گول ستون لالٹینوں کے واسطے نصب ہیں جو طرز سے کسی پرانی بودھ عمارت کے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پایوں پر مورتیں بنی ہیں بعض پر کسی قدیم ہندی زبان میں کتبے بھی کندہ معلوم



صدر دروازہ روضہ ممتاز محل

ہوتے ہیں۔

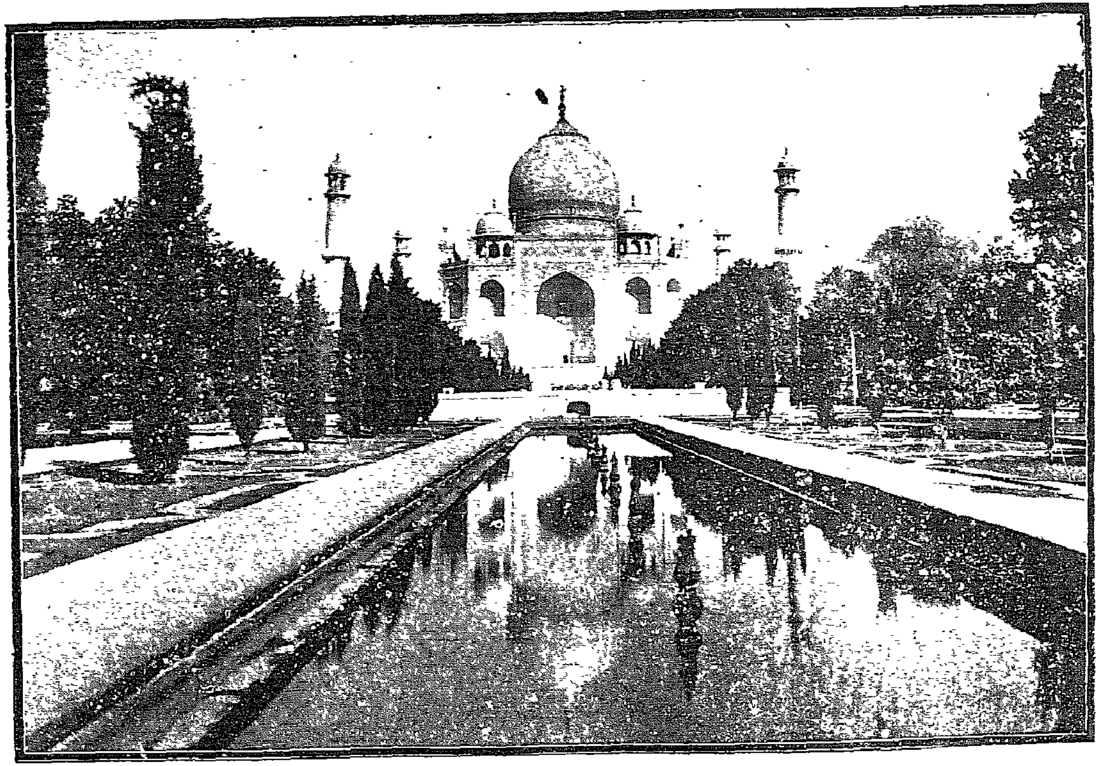
روضہ کی سنگین فصیل میں جو جگہ محصور ہے وہ شمالاً جنوباً ۱۸۶۰ فیٹ لمبی اور شرقاً غرباً ۱۰۰۰ فیٹ چوڑی ہے صدر دروازہ نہایت عالی شان و خوشنما ہے جس کی بلندی سو فیٹ ہے۔ بیرونی پیشانی اور اطراف میں سورۂ الفجر نہایت جلی قلم سے سنگ مرمر میں سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے کندہ ہے اِس کتبہ میں خاص صنعت یہ ہے کہ جتنا بڑا حرف نیچے سے معلوم ہوتا ہے۔ اُتنا ہی بڑا درمیان میں اور اُتنا ہی ۸۰ فیٹ یعنی آخری بلندی تک نظر آتا ہے روضہ کے جملہ نورانی کتبے عبدالحق شیرازی الملقب بہ امانت خاں کی جادو نگاری کی یادگار ہیں جو علّامی افضل خاں وزیر شاہجہاں بادشاہ کا بھائی تھا اور خط نسخ و نستعلیق کا بے نظیر اُستاد تھا۔

دروازہ کا اندرونی قطر ۴۱ ½ فیٹ ہے اِس کے چار چھوٹے ضلعوں میں اوپر چڑھنے کے واسطے زینے اور ۲ بڑے ضلعوں میں دو کٹہرے دار نشستین معہ کمروں کے بنی ہیں۔ آمنے سامنے دو ضلعوں میں دروازے ہیں۔ چھت لداؤ کی گنبد نما ہے جس کی سُرخ زمین پر سفید تحریروں کا خوشنما جال ہے۔ زینوں میں مشرقی مذاق کے مطابق بھول بھلیاں بنی ہیں اور خوشنمائی کے واسطے متعدد نشستین بنا دی گئی ہیں۔ تیسری منزل پر چھت ہے جس کے چاروں گوشوں پر ۸۔۸ در کے چار برج ہیں جن پر سنگ مرمر کے گنبد اور پیتل کے کلس چڑھے ہیں۔ درمیان میں ۱۲ پہل کا چبوترہ بنا ہے اور شمالی اور جنوبی دروازوں کے اوپر دو دو گلدستوں کے درمیان میں گیارہ گیارہ سنگ مرمر کی خوشنما بُرجیاں بہار دکھا رہی ہیں۔ دروازہ کی اندرونی محراب کے دائیں بازو پر سورہ والضحیٰ الخ اور پیشانی پر سورہ اَلَم نَشرَح الخ اور بائیں بازو پر سورہ وَالتِّینِ وَالزَّیتُونِ الخ اور اخیر پر تمت بعونہ تعالیٰ سنہ ۱۰۵۷ھ۔ کندہ ہے۔ اس دروازہ میں ایک عجائب خانہ بھی کھولا گیا ہے جس میں مختلف نقشے اور کچھ دیگر نمائشی سامان موجود ہے۔ قلعہ اور روضہ کے کئی دستی نقشے قدیم زمانہ کے نہایت نفیس و بے نظیر ہیں جن میں جملہ عمارتیں دکھائی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ روضہ کے مختلف ایام کے بہت سے فوٹو بھی موجود ہیں۔

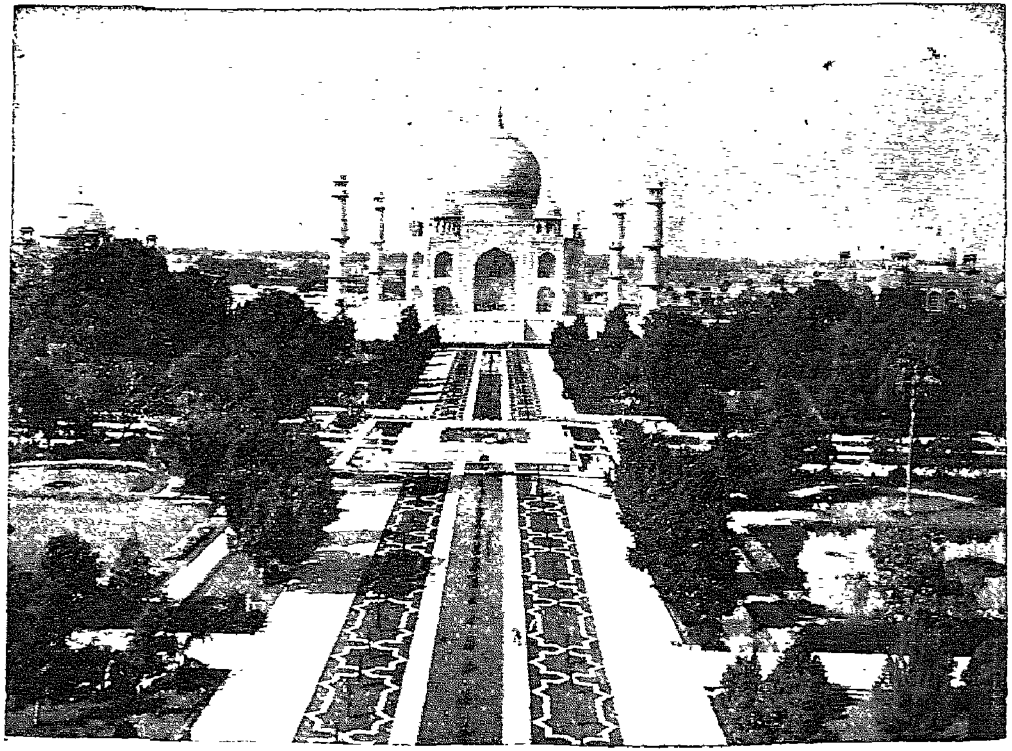
صدر دروازہ کے مشرق و مغرب میں ۲۹-۲۹ در کے سنگ سرخ کے دالان در دالان بنے ہیں
اور دالانوں کے اختتام یعنی فصیل کے دونوں گوشوں پر سہ منزلہ برج واقع ہیں۔ دروازہ کے آگے
چبوترہ ہے جس سے نیچے اُتر کر باغ میں پہنچ جاتے ہیں۔

باغ کے وسط میں خالص و شفاف سنگ مرمر کا مربع حوض بنا ہوا ہے۔ حوض کے چبوترہ کا ہر ضلع
۴۷ ½ فٹ اور حوض کا ہر ضلع ۴۳ ½ فیٹ ہے۔ اس خوشنما اور نورانی چبوترہ کے چاروں طرف
۱۲۰ ½ فیٹ چوڑی نہر جاری ہے۔ جو نہر دروازہ اور روضہ کے درمیان میں ہے اُس میں اب تک
فوارے جاری ہیں لیکن دوسری نہر میں جو شرقاً غرباً بہتی ہے اب فوارے باقی نہیں رہے۔
نہروں کے کناروں سنگین روشیں اور خیاباں بنی ہوئی ہیں۔ اتوار کے دن شام کے وقت یہہ فوارے
چھوڑے جاتے ہیں اُس وقت اِس دلکش مقام کی بہار دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ حوض اور اُس کا
چبوترہ مربع شکل کا ہے جس کا ہر ضلع ۴۳ ½ فیٹ اور ۴۷ ½ فیٹ ہے۔ حوض کے گرد چبوترہ پر
سنگ مرمر کی بنچیں رکھی رہتی ہیں۔

حوض کے مقابل مشرقی اور مغربی فصیل سے ملی ہوئیں آمنے سامنے دو سہ منزلہ خوشنما عمارتیں
واقع ہیں جن پر خوبصورت سنگ سرخ کے برج بنے ہوئے ہیں۔ مغربی فصیل اور مسجد کی باولی کے قریب
۱۹×۲ ½ فیٹ احاطہ پتھر کا بنا ہوا ہے چونکہ ممتاز محل کی نعش برہان پور سے آکر اوّل اسی
جگہ سپرد زمین کی گئی تھی لہذا اس قطعہ کو بطور یادگار محصور کر دیا گیا ہے اسی کے سامنے مشرقی فصیل
کی طرف اس باغ کا سب سے قدیم درخت سیمل واقع ہے جس کی عمر روضہ کی عمر سے دوچند بتائی جاتی
ہے قدامت کی وجہ سے اس درخت کو یہہ عظمت حاصل ہے کہ اکثر تیہ اس کے ایک گدے گرنے کی
خبر پانیر سے معزز انگریزی اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ شاہی زمانہ میں یہہ باغ مشرقی طرز پر آراستہ
تھا اور مشرقی مذاق کے مطابق اس میں ہر قسم کے میوے کے درخت اور طرح طرح کے خوشبودار پھول پودے
موجود تھے۔ اب سوائے چند مولسری کے درختوں کے اور کوئی درخت باقی نہیں رہا اب انگریزی
مذاق کے ہر قسم کے خوشنما درخت اور پھلواری سے یہہ باغ آراستہ و پیراستہ رہتا ہے ایک انگریز مہتمم کے



روضه ممتاز محل



روضه ممتاز محل

علاوہ جو بیش قرار مشاہرہ پاتا ہے بہت سے ہندوستانی مالی اور بیلدار باغ کی آراستگی اور زیب و زینت کے واسطے ملازم ہیں۔

روضہ کا چبوترہ

روضہ کا سنگ سُرخ کا چبوترہ لبِ دریا واقع ہے جس کا طول شرقاً غرباً دونوں سنگین فصیلوں کے درمیان میں ۹۷۰ فیٹ ۷ انچ اور عرض سطح باغ سے جمنا کی سمت آخری کٹہرہ تک ۳۶۴ فیٹ اور بلندی سطح باغ سے ۴ فیٹ ہے۔ اور جمنا کے کنارہ سے ۲۸½ فیٹ ہے۔ اس چبوترہ کے درمیان میں ۲۰ فیٹ بلند سنگ مرمر کا چبوترہ ہے جس کے وسط میں روضہ کی عمارت واقع ہے۔ اس کا ہر ضلع ۳۲۸ فیٹ ۔ ۳ انچ ہے جنوبی جانب اوپر چڑھنے کے واسطے دو زینے آمنے سامنے بنے ہیں۔ چبوترہ کے چاروں طرف سنگ مرمر کے خوشنما محرابیں اور مشرقی اور شمالی اور مغربی ضلع کے وسط میں تین تین کمرے بنے ہوئے ہیں اور آس پاس چبوترہ پر بجائے سنگ سُرخ کے چوکڑ کا خوشنما فرش ہے شمالی جانب یعنی دریا کی طرف تہ خانہ بنا ہوا ہے جس میں اُترنے کے واسطے دو زینے ہیں۔ تہ خانہ میں ۱۴ کمروں کی قطار ہے اور استرکاری پر رنگین کام کیا ہوا ہے۔

مینار

سنگ مرمر کے چبوترہ کے چاروں کے چاروں گوشوں پر سنگ مرمر کے چار سہ منزلہ مینار ہیں۔ جن کی بلندی صحن باغ سے کلس کی چوٹی تک ۱۶۲½ فیٹ اور سنگ مرمر کے چبوترہ سے کلس کی بلندی تک ۱۰۲ فیٹ ۹ انچ پر ہے۔ یہ مینار اپنی وضع اور خوشنمائی میں مشہور ہیں اور بیرونی جانب جابجا سنگ موسیٰ کی دھاریاں دی ہوئی ہیں جن سے ان کی خوبصورتی بھی دو بالا ہو گئی ہے۔

روضہ

سنگ مرمر کے چبوترہ کے وسط میں ۲½ فیٹ بلند چبوترہ پر خاص روضہ کی ہشت پہل عمارت ہے اس کے چاروں سمت میں چار بڑے ضلع اور گوشوں میں چار چار چھوٹے ضلع ہیں ہر بڑا ضلع ۱۳۵½ اور چھوٹا ضلع ۳۳½ فیٹ ہے۔ ہر بڑا ضلع ایک بڑے در اور اُس کے اندر ایک چھوٹے در سے جو بطور پیش طاق بنا ہوا ہے مُزیّن ہے۔ ان محرابوں کی پیشانی اور اطراف میں پوری سورۂ یٰسین سنگ مرمر میں سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے بخط جلی کمال صنعت و خوشخطی کے ساتھ کندہ ہے جنوبی پیش طاق پر سورۂ التکویر یعنی اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ الخ۔ غربی پیش طاق پر سورۂ انفطار یعنی اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ

الخ اور اخیر میں سنہ ۱۰۴۶ھ۔ شمالی پیش طاق پر سورۃ الانشقاق یعنی اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ الخ اور مشرقی پیش طاق پر لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، تمام و کمال مندرج ہے۔

غلام گردش

اندر چھوٹے اضلاع میں چار مثمن کمرے ۲۶ فیٹ ۸ انچ قطر کے اور بڑے اضلاع میں چار مربع کمرے جن کا ہر ضلع ۱۵ فیٹ ۱۱ انچ ہے بنے ہیں ان کمروں کے درمیان میں برآمدہ ہے۔ یہہ آٹھوں کمرے اور برآمدے مل کر روضہ کے گرد غلام گردش بن گئے ہیں۔ یہہ سب خالص سنگ مرمر کے ہیں اور ان پر نہایت نفیس و بے نظیر منبّت گلدستے پھول پتّے۔ غنچہ۔ شگوفہ بنے ہوئے ہیں اور بہت عمدہ جلا کی گئی ہے۔ کمروں کے فرش میں سنگ مرمر کے مثمن ٹکڑے نہایت خوشنمائی سے لگائے ہیں۔ اس غلام گردش میں دو دروازے شمال و جنوب میں واقع ہیں جن میں شمالی دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔

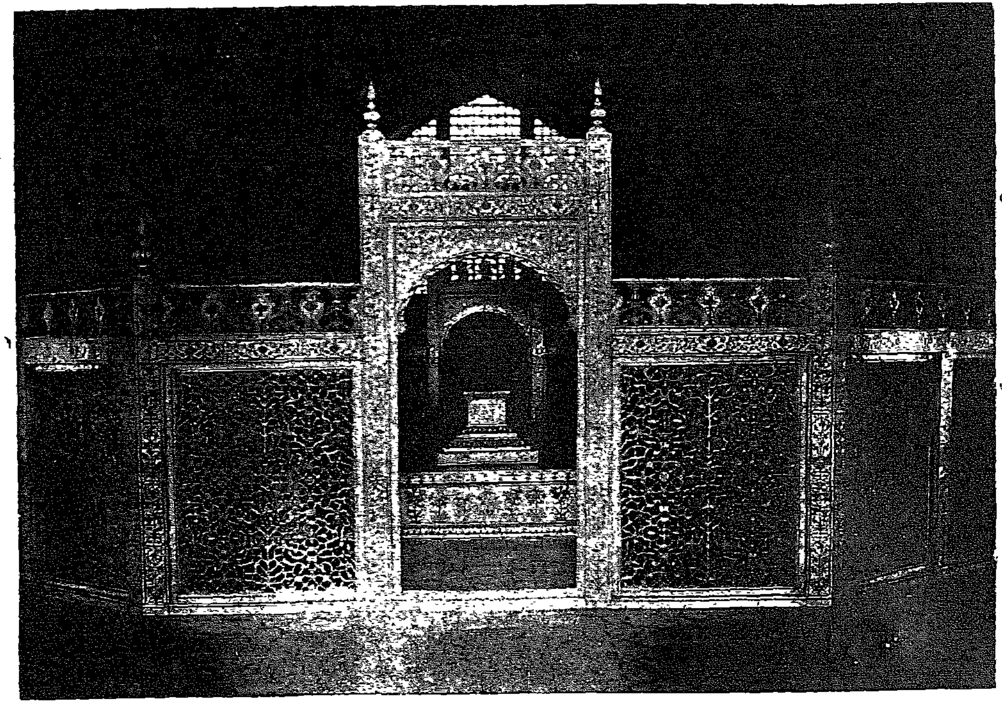
خاص کمرہ

ان کمروں اور برآمدوں کے وسط میں وہ خاص کمرہ ہے جس میں ممتاز محل اور شاہجہاں بادشاہ کی قبروں کے تعویذ ہیں۔ یہہ ہشت پہل ہے جس کا ہر ضلع ۲۴ فیٹ ۲ انچ۔ قطر ۵۸ فیٹ اور بلندی اندر سے ۸۰ فیٹ ہے۔ اس کے دروں میں آئینوں کی خوشنما جالیاں لگی ہوئی ہیں اور گرد و حلقوں میں امانت خاں شیرازی کی جادو نگاری بہار دکھا رہی ہے یعنی نہایت خوشخط کتبے کندہ ہیں سورۃ الملک یعنی تَبَارَکَ الَّذِیْ اور سورۃ الفتح یعنی اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا اور سورۃ الدہر یعنی هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ اور آخر میں پارہ ۲۴ کے پانچویں رکوع کی آیۂ کریمہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ سے لَا تَشْعُرُوْنَ تک پھر کتبہ فقیر الحقیر امانت خاں شیرازی فی سنہ ۱۰۴۸ھ ہزار و چہل و ہشت ہجری سنہ ۱۲ دوازدہم جلوس مبارک" تحریر ہے۔

در و دیوار پر عجیب و غریب صنعتوں کے ساتھ ایسی منبت کاری کی ہوئی ہے کہ جس کا بیان ہونا ناممکن ہے صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایسے ایسے عمدہ بیل بوٹے اور گلدستے بنائے ہیں کہ جن کے نظارہ سے کسی طرح سیری نہیں ہوتی۔

مُحجّر

اس کمرہ کے درمیان میں سنگ مرمر کی خوش قطع اور بے نظیر جالیوں کا وہ محجّر ہے جو اس کل عمارت کی روح ہے اور جس پر حقیقی طور سے حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ شعر صادق آتا ہے ؎



محجر روضهٔ ممتاز محل

اگر فردوس بروئے زمین است　　ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

یہ مُحجّر ہشت پہل ہے جس کا ہر ضلع ۱۲ فیٹ ۲ - انچہ اور بلندی ۶ فیٹ ۲ انچہ ہے - ہر ضلع میں تین تین نفیس جالیاں لگی ہیں صرف شمالی ضلع میں ایک جالی اور جنوبی ضلع میں اندر جانے کے واسطے دروازہ ہے - مُحجّر کا سنگ مرمر نہایت بیش بہا ہے اور جالیوں کے اوپر نہایت نازک بیل آر پار کٹی ہوئی ہے شمالی و جنوبی دروں کی پیشانیوں پر رنگ طلا کی بہت باریک بیل بنی ہے - اِس مُحجّر پر ایسی اعلیٰ منبت کاری اور بے نظیر پچیکاری کی گئی ہے جس کی تعریف تحریر و تقریر سے باہر ہے اس کے پھول پتے بیسیوں مختلف رنگوں کے بیش قیمت جواہرات سے مُرکّب اور ایسی صفائی سے بنائے گئے ہیں کہ کہیں جوڑ کا نشان تک نظر نہیں آتا اور اُن کو دیکھ صانع حقیقی کی قدرت کاملہ کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے - اِس مُحجّر میں سنگ یشب کا دروازہ لگا ہوا تھا جو جاٹوں کے زمانہ میں اُتار لیا گیا -

اس مُحجّر کی جگہ ابتدا میں ایک سونے کا مینا کار مُحجّر لگایا گیا تھا جس کا وزن چالیس ہزار تولہ تھا اور چھ لاکھ روپیہ کے صرف سے بنایا گیا تھا ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) مصلحتاً اس مُحجّر کو اُٹھا لیا گیا اور اس کی جگہ یہ مُحجّر تعمیر کیا گیا -

تعویذ ممتاز محل

مُحجّر کے وسط میں چبوترہ پر ممتاز محل کی قبر کا خوشنما تعویذ ہے جس پر بخط نسخ رنگ موسیٰ کی پچیکاری سے آیات قرآنی نہایت خوشخط کندہ ہیں اور پائین تعویذ پر "مرقد منوّر ارجمند بانو بیگم مخاطب بہ ممتاز محل توفیت فی سنہ ۱۰۴۰ھ (۱۶۳۰ء) ہجری" مرقوم ہے -

تعویذ شاہجہاں

ممتاز محل کے تعویذ سے ملا ہوا مغربی جانب شاہجہاں کی قبر کا تعویذ ہے جس کے موقع کی بدنمائی صاف بتا رہی ہے کہ روضہ کی تعمیر کے وقت اُس کا ارادہ اس جگہ دفن ہونے کا نہ تھا ورنہ یا تو مُحجّر کچھ وسیع بنوایا یا ممتاز محل کی قبر بجائے وسط میں ہونے کے مشرقی جانب کو ہوتی شاہجہاں کی قبر کے تعویذ پر قلمدان بنا ہوا ہے اور پائیں کی طرف "مرقد مطہر اعلیحضرت فردوس آشیانی صاحبقران ثانی بادشاہ طاب ثراہ ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ء)" بخط نستعلیق کندہ ہے - دونوں تعویذ اور اُن کے چبوترے نہایت خوبصورت اور نفیس منبت کاری اور قابل دید پچیکاری سے مزیّن و مرصع ہیں

خصوصاً شاہجہاں کے تعویذ پر جو آگرہ میں عالمگیری عہد کی نادر و واحد یادگار ہے ایسے عمدہ پھول اور پتے اور گلدستے بنائے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ممتاز محل اور شاہجہاں کی اصلی قبریں تہ خانہ میں ہیں جس کا زینہ روضہ کے دروازہ کے سامنے غلام گردش میں ہے۔ اس تہ خانہ کے دروازہ میں چاندی کے کواڑ لگے تھے جو جاٹوں کے زمانہ میں اتار لیے گئے۔ تہ خانہ کی لمبائی ۲۲ ½ فیٹ اور چوڑائی ۲۲ ½ فیٹ ہے اوپر کی طرح یہاں بھی وسط میں ممتاز محل کا اور مغرب کی طرف شاہجہاں کا مزار ہے۔ ممتاز محل کی قبر پر سنگ موسیٰ سے ھو اللّٰہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ ھو الرحمٰن الرحیم۔ کے بعد اسمائے حسنیٰ یعنی ۹۹ نام بکمال خوبی کندہ ہیں لوح مزار پر پارہ ۲۴ سورہ آل عمران کی آیہ کریمہ قل یا عبادی الذین (لنا بہ ارحم الراحمین) اور پائیں مزار پر ’’مرقد منور ارجمند بانو بیگم مخاطب بہ ممتاز محل توفیت (۱۰۴۰ سنہ ۱۰۴۰ ہجری)‘‘ تحریر ہے ممتاز محل کی قبر سے ۶-۱ انچ کے فاصلہ پر مغربی جانب شاہجہاں کی قبر ہے جس کے تعویذ کے سینہ پر بخط نستعلیق سنگ موسیٰ کے حروف میں یہ عبارت کندہ ہے ’’مرقد منور و مضجع مطہر بادشاہ رضواں دستگاہ خلد آرامگاہ اعلیٰ حضرت علیین مکانی فردوس آشیانی صاحب قران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ در شب بست و ششم شہر رجب سنہ یک ہزار و ہفتاد و شش ہجری از جہان فانی بہ نزہتگاہ جاودانی انتقال کردند‘‘

ان اصلی قبروں کے تعویذوں پر نہایت قیمتی جواہرات کی پچیکاری کی گئی تھی خصوصاً شاہجہاں کے تعویذ کے اوپر ایک بیش قیمت ہیرا جڑا ہوا تھا جو کسی زمانہ میں اکھاڑ لیا گیا اب انگریزی زمانہ میں مرمت کی گئی ہے یہ تہ خانہ بھی خالص سنگ مرمر کا ہے۔

درمیانی عمارت

چھت پر چڑھنے کے واسطے غلام گردش میں دو زینے بنے ہیں جن کی ۴۶ سیڑھیاں طے کر کے درمیانی عمارت میں پہنچتے ہیں اس درجہ میں بجنسہ غلام گردش کی طرح مثمن و مربع کمرے چونہ کاری سے بنے ہوئے ہیں جن پر ایسی نفیس جلا کی گئی ہے کہ در و دیوار مثل آئینہ کی چمکتی ہیں۔

چھت و گنبد

سب سے اوپر چھت کے چاروں گوشوں پر ۸-۸ در کے چار گنبد اور چاروں طرف ۴-۷-۴-۷

فیٹ لمبے ۹ - ۹ دروں کے چار پتلے برآمدے اور آٹھ رفیع الشان گلدستے سنگ مرمر کے مزین ہیں۔ درمیان میں عظیم الشان سنگ مرمر کا گنبد ہے جو نفیس منبت کاری سے آراستہ ہے۔ یہہ رفیع الشان گنبد چھت سے ۱۳۹ ½ فیٹ اور سطح باغ سے ۲۴۵ ½ فیٹ اور سطح دریا سے ۲۷۰ فیٹ بلند ہے۔ اس کے کلس کی بلندی ۳۰ ½ فیٹ ہے۔ اب اِس کلس پر تانبے کا پتر چڑھا ہوا ہے پہلے اس پر سونے کا پتر تھا جو نکال لیا گیا۔ کلس کے ہلال پر کلمہ طیّبہ کندہ ہے۔

مسجد

مغربی فصیل سے ملی ہوئی سنگ سرخ کے چبوترہ پر مسجد ہے۔ یہہ ۱۸۶ فیٹ لمبی اور ۹۷ فیٹ چوڑی ہے۔ اس میں تین محرابدار در ہیں جن میں درمیانی در یعنی پیش طاق زیادہ چوڑا ہے اور اُس کی بلندی ۸۰ فیٹ ۵ انچ ہے۔ مسجد کا فرش نہایت نفیس چمکدار پتھر کا ہی جو سرخ رنگ کا ہے اُس پر سنگ موسی کی پچیکاری سے ۵۳۹ خوشنما مُصلّے بنے ہیں۔ اندرونی درمیان محراب میں سورۃ الشمس مرقوم ہے اور محراب کے درمیان میں سنگ مرمر کا ایک ایسا مجلّی پتھر نصب ہے جس میں روضہ کا عکس نظر آتا ہے۔ دائیں جانب دو کٹہر یدار حجرے ہیں اور سورۃ اخلاص بشکل طغری اور یا کافی۔ اللہ اور کلمہ طیّبہ متعدد مقامات پر مرقوم ہے۔ چھت کے چاروں گوشوں پر مثمن برج اور درمیان میں تین خوشنما گنبد سنگ مرمر کے واقع ہیں۔ پیش طاق کے اندر درمیانی محراب کے اوپر ایک گلدستے کے اندر روضہ کے دو نقشے بنے ہوئے ہیں آگے ۱۸۶ فیٹ لمبا اور ۵۱ فیٹ چوڑا صحن ہے صحن کے چبوترہ کے نیچے بھی سنگین فرش ہے جس کے درمیان میں مربع حوض بنا ہے جس کا ہر ضلع ۱۲ فیٹ ہے۔ جنوبی جانب قریب ہی ایک باولی بنی ہے جس کے اوپر بشتی برج کے جواب میں ایک دالان اور برج بھی بنا ہوا ہے۔

تسبیح خانہ

چونکہ روضہ کی کل عمارت کا کوئی جز تناسب اور مقابلہ سے خالی نہیں ہے لہذا مسجد کے مقابلہ میں مشرقی فصیل سے ملی ہوئی بجنسہ مسجد کی شکل کی ایک عمارت بنا دی ہے جو اب تسبیح خانہ کے نام سے موسوم ہے اور شاہی عہد میں جماعت خانہ کہلاتی تھی اس کی پیمائش وغیرہ بھی مسجد کے مطابق ہے۔ دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ تسبیح خانہ میں مثل مسجد کے کتبے مُصلّے اور ممبر نہیں ہے اور چبوترہ پر شمالی جانب روضہ کے گنبد کے کلس کا نقشہ بجنسہ کندہ ہے جو مسجد کے چبوترہ پر نہیں ہے۔

دریا کی جانب دونوں گوشوں میں دو عالی شان سنگ سرخ کے برج بنے ہیں جن میں شمال و مغربی گوشے کا برج جو مسجد سے ملحق ہے لبنی برج کے نام سے مشہور ہے۔ اِن برجوں میں دریا میں اُترنے کے واسطے زینے بنے ہوئے ہیں۔ روضہ میں جس قدر برج ہیں سب کے گنبد سنگ مرمر کے ہیں

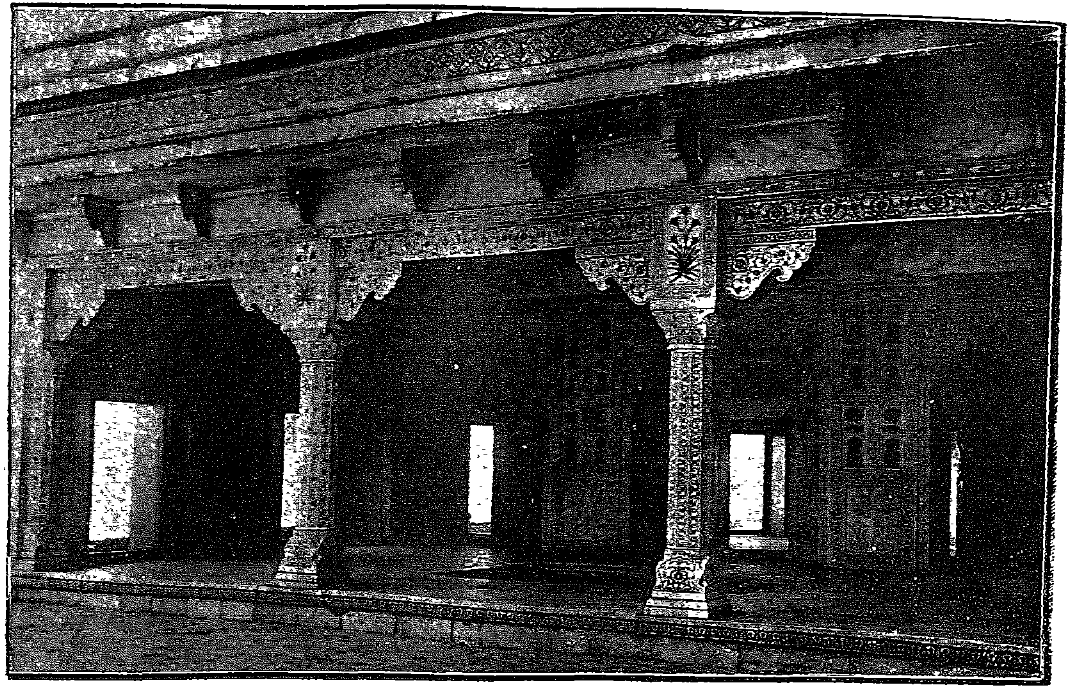
لبنی برج

عرس و اوقاف

شاہجہاں کے وقت میں ممتاز محل کا عرس بہت دھوم دھام سے ہوتا تھا بادشاہ نے ایک لاکھ روپیہ پہلے عرس میں صرف کیا اور آئندہ کے واسطے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جب عرس کے ایام میں بادشاہ دارالخلافت میں موجود ہوں تو پچاس ہزار روپیہ خیرات کیا جاوے ورنہ بارہ ہزار روپیہ کافی ہے۔ اس کے علاوہ ممتاز آباد (تاج گنج) کی دوکانیں اور سرائیں جن کی آمدنی دو لاکھ روپیہ سال تھی اور تیس مواضعات جن کی مالگذاری اُس وقت چالیس لاکھ دام (۴۰ دام = ایک روپیہ) تھی روضہ کے اخراجات کے واسطے وقف کئے اور وقف نامہ میں لکھ دیا کہ اگر کبھی ضرورت واقع ہو تو اس وقف کی آمدنی سے بقدر ضرورت روضہ کی مرمت میں صرف کیا جاوے اور باقی مصارف مقررہ میں جن کو سالانہ اور ماہانہ ملتا ہے اور طعام پختہ جو روضہ کے قرآن خوانوں اور خادموں اور محتاجوں اور تنگدستوں کے واسطے مقرر ہے صرف ہوتا رہے۔ اِن مقررہ اخراجات کے بعد اگر کچھ روپیہ فاضل رہے تو بادشاہ وقت کو کہ جس کے متعلق اس روضہ کی تولیت کی جاتی ہے اختیار ہے کہ جہاں مناسب سمجھے صرف میں لاوے[1]

افسوس کہ اب یہ وقف باقی نہیں رہا اب نہ سرکاری طور سے عرس ہوتا ہے نہ لنگر خانہ جاری ہے نہ مزار پر قرآن خوانی کے واسطے حافظ قرآن مقرر ہیں۔ باغ اور روضہ کی مرمت و نگہداشت کا تمام بار گورنمنٹ عالیہ پر ہے اور سرکاری خزانہ سے سپرنٹنڈنٹ تاج اور عملہ کی بیش قرار تنخواہ کے ساتھ مسجد کے خطیب اور روضہ کے خدام کو جو شاہی عہد سے نسلاً بعد نسلاً چلے آتے ہیں تنخواہیں ملتی ہیں اور مبلغ ۱۵ ہیں جو خزانہ تاج سے چند مزارات اور مسجد وغیرہ کی روشنی کے واسطے مقرر تھے اب تک حسب ذیل اشخاص کو ملتے ہیں۔ حسین علی۔ علی حسین۔ عاشق علی۔ گنگا دت۔ فتح علی شاہ خدام

[1] اِن مواضعات کی تفصیل اور وقف کے حالات بادشاہنامہ ملا عبد الحمید لاہوری جلد دوم صفحہ ۳۳۰/۳۳۱ میں جو شاہجہانی عہد کی سرکاری تاریخ ہے اور محقق مولانا محمد معین الدین صاحب اکبرآبادی کی مفصل اور بے نظیر تاریخ تاج موسومہ معین الآثار کے ضمیمہ صفحہ ۱۲۹ لغایت ۱۳۲ میں مفصل مرقوم ہیں۔



کمرہ مشمن برج

روضہ تین تین روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے ہیں۔ شاہی زمانہ میں ان خدام کے مورثان کی جو قدر و منزلت تھی اُس کی عشر عشیر بھی اب قدر باقی نہیں رہی شاہی عہد میں ادنیٰ و اعلیٰ یہاں تک کہ بادشاہ وقت بھی جب روضہ پر آتا خدام کو انعام دیتا تھا جو اُس زمانہ میں نذرانہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا چنانچہ عالمگیر نامہ میں بذکر واقعات ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۸ء تحریر ہے "ہفتدہم ایں ماہ بزیارت مرقد مقدس حضرت فردوس آشیانی و محفوف انوار رحمت ممتاز الزمانی سعادت اندوختند و بگذرانیدن چہل و پنج ہزار روپیہ نذر از طرف خود و ہر دو بادشاہزادہ عملۂ آں مکان معلی را فرحناک ساختند" اب یہہ مثل معمولی ملازم کے ہیں مگر گورنمنٹ عالیہ کی عنایت و مہربانی سے استحقاق ملازمت موروثی انہیں حاصل ہے۔

مقبرہ سہیلیان

مسجد فتحپوری کے مقابل شمالی جانب یہہ مقبرہ واقع اور سہیلیوں کا مقبرہ یا برج کہلاتا ہے یہہ ایک بلند سنگین چبوترہ کے وسط میں واقع ہے جس کے نیچے جنوب و مشرقی سمت میں دالان اور حجرے بنے ہوئے ہیں۔ یہہ مقبرہ بہت ہی شکستہ حال ہو گیا تھا چونکہ روضہ کے قریب اس کی اور مسجد فتحپوری کی بوسیدہ حالت بہت بدنما معلوم ہوتی تھی لہذا گورنمنٹ عالیہ نے بصرف کثیر اس کی ایسی مرمت کرا دی ہے کہ گویا نئی عمارت تعمیر ہو گئی ہے۔ چبوترہ کا ہر ضلع ۵۲ فیٹ ہے جس کے چاروں گوشوں پر ایک ایک برج بنا ہوا ہے۔ مقبرہ کا کمرہ ہشت پہل ہے جس کا ہر ضلع اندر سے ۹ فیٹ ۸ انچہ ہے۔ وسط میں سنگ مرمر کی دو قبریں ہیں جو ممتاز محل کی خواصوں یا سہیلیوں کی بتائی جاتی ہے چھت پر شلغمی طرز کا سنگ سرخ کا گنبد بنا ہے۔

مقبرہ و مسجد متصل روضہ

روضہ ممتاز محل کے چوک کے مشرقی دروازہ کے باہر تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک خوبصورت مقبرہ اور مسجد واقع ہے جس کے نسبت یہہ پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے لیکن اس کا طرز مقابر

ستی النساء خانم اور سرہندی بیگم سے ملتا جلتا ہے۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ شاہجہانی عہد کی تعمیر اور اُس کی کسی بیگم کا مقبرہ ہے۔ درمیانی حُجرہ مثمن ہے جس کا ہر ضلع اندر سے ۹ فیٹ ۱۱ انچہ ہے۔ ہر ضلع میں خوشنما جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ وسط حُجرہ میں سنگ مرمر کا تعویذ ہے جو بہت ہی حسین و خوبصورت ہے اس کی پچیکاری کی قیمتی پتھر کسی زمانہ میں اُکھاڑ لئے گئے۔ چھت پر سنگ مرمر کا نفیس گُنبد اور درمیانی حُجرہ کے آس پاس ۲۴ دروں کی غلام گردش بنی ہے اور مغربی جانب تین گُنبد کی ایک مسجد بھی موجود ہے۔

مسجد آگاہ خاں خواجہ سرا

آگاہ خاں خواجہ سرا شاہجہاں بادشاہ کے زمانہ میں منصب ہزاری پر سرفراز اور دارالخلافت اکبرآباد کے نواح کا فوجدار تھا اُس کی بنائی یہہ مسجد روضہ کے چوک کے مشرقی پھاٹک سے چار فرلانگ کے فاصلہ پر متصل بکری منڈی واقع ہے۔ یہہ تین محراب کی عالیشان مسجد ہے جس کے نیچے تہ خانے بنے ہوئے تھے۔ چھت پر درمیان میں ایک رفیع الشان گُنبد موجود ہے۔ اب یہ مسجد بہت شکستہ حال ہے جس کا جنوبی جانب کا کچھ حصّہ منہدم ہو گیا ہے۔

مقبرہ صدر النساء ستی النساء خانم

ستی النساء خانم ملک الشعراء طالب آملی کی بہن اور حکیم نصیرا کی زوجہ تھیں یہہ نہایت سلیقہ شعار اور تعلیم یافتہ خاتون تھی اپنے شوہر کے انتقال کے بعد ممتاز محل کی خدمت میں ممتاز اور مُہرداری کی خدمت پر مامور رہی۔ پھر جہاں آرا بیگم کی تعلیم اِن کے سپرد ہوئی۔ ممتاز محل کے انتقال بعد بادشاہ نے صدارت محل کی خدمت سپرد کی۔ ۲۷ ذیقعدہ سنہ ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء کو لاہور میں انتقال کیا وہاں سے حسب الحکم بادشاہی نعش منتقل ہو کر چوک روضہ ممتاز محل کے گوشئہ جنوب و مغرب میں دفن کی گئی اور تیس ہزار روپیہ کے صرف سے یہہ مقبرہ تعمیر ہوا اور مصارف عرس اور مرمت مقبرہ کے واسطے تیس ہزار روپیہ

محاصل کا ایک موضع وقف کیا گیا۔ یہ مقبرہ نہایت خوبصورت ہے اس کا درمیانی کمرہ مثمن ہے جس کا ہر ضلع ۱۱ فیٹ ہے۔ سات در خوشنما جالیوں سے بند ہیں۔ اندر کا فرش اور اجارہ تک دیواریں سنگ مرمر کی ہیں۔ لداؤ میں سنگ سرخ کی استرکاری ہے وسط میں سنگ مرمر کا تعویذ ہے جس پر اعلیٰ درجہ کی منبت کاری ہے چھت پر سنگ مرمر کا خوبصورت گنبد اور اس کے پاس ۴ گلدستے مزین ہیں درمیانی کمرہ کے اردگرد غلام گردش مثمن شکل کی ہے جس کا ہر ضلع ۲۲ فیٹ ہے اس میں ۲۴ در ہیں۔ وسط صحن میں مربع حوض ہے۔ اور مقبرہ کی غربی دیوار میں مسجد فتحپوری کی طرف ۹ خوبصورت جالیاں لگی ہیں۔ اس کے علاوہ ۲ دو حجرے اور ایک دالان اور بنا ہے جس میں دالان شکستہ ہو گیا ہے۔

مقبرہ سرہندی بیگم

سرہندی بیگم شاہجہاں کی ایک بیگم کا خطاب تھا جنہوں نے آگرہ میں ایک باغ اور دہلی میں ایک مسجد لاہوری دروازہ کے باہر اور ایک باغ سبزی منڈی کے پاس بنوایا تھا ستی النساء خانم کے مقبرہ کے سامنے یعنی چوک روضہ ممتاز محل کے گوشے جنوب و مشرق میں بجنسہ ستی النساء خانم کے مقبرہ کے مثل ان کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ پیمائش وغیرہ میں بھی کوئی فرق نہیں صرف اس قدر فرق ہے کہ سرہندی بیگم کی قبر کا تعویذ بہت خوبصورت اور نفیس پچیکاری سے مزین ہے جس کی پچیکاری کی قیمتی پتھر لوگ اکھاڑ کر لے گئے۔

مسجد فتحپوری

فتحپوری بیگم شاہجہاں کی ایک نیک نیت اور دیندار بیگم کا خطاب تھا جنہوں نے آگرہ اور دہلی میں ایک ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جو اب تک دونوں جگہ موجود ہیں یہ سب سنگ سرخ کی مسجد روضہ ممتاز محل کے چوک کے پھاٹک کے قریب واقع اور ایک مرتفع چبوترہ پر جس کے نیچے دالان اور حجرے بنے ہیں۔ قائم ہے گورنمنٹ نے تینتیس چونتیس ہزار روپیہ کے صرف سے اس کی مرمت ایسی کرا دی ہے کہ گویا وہ اپنی اصلی حالت میں نظر آتی ہے مسجد کا طول و عرض ۱۰۳×۳۸ فیٹ ہے آگے

۵۵ فیٹ چوڑا صحن ہے شمال وجنوب میں تین تین در محرابدار دالان در دالان اور درمیا نمیں پیش طاق ہے اسطرح کل مسجد میں علاوہ درمیانی پیش طاق کے بارہ در اور خاص مسجد میں ۱۷۲ مصلوں کا فرش ہے چھت پر درمیان میں ایک بڑا گنبد اور چاروں گوشوں پر چار برجیاں ہیں مسجد اعلیٰ درجہ کے نقش و نگار اور رنگ آمیزی سے مزین تھی۔ اس کے مدخلوں کی صنعت و سنگتراشی قابل دید ہے مسجد کے قریب شمالی جانب ایک سنگین حوض بھی تھا جو اب از سر نو بنایا گیا ہے۔ دو برج مشرقی جانب دونوں گوشوں پر واقع ہیں۔

حویلی خاندوراں خاں نصرت جنگ

خاندوراں خاں کا اصلی نام خواجہ صابر تھا یہ جہانگیر کے عہد سے شاہی ملازمت میں داخل تھا سنہ ۲ جلوس شاہجہانی میں منصب سہ ہزاری اور خطاب نصیری خاں سے مفتخر ہوا سنہ ۶ جلوس میں قلعہ دولت آباد کے مفتوح ہونے کی خوشی میں منصب پنجہزاری اور خطاب خاندوراں خاں عطا ہوا۔ ۲ جمادی الاول ۱۰۵۵ھ / ۱۶۴۵ء کو ایک کشمیری برہمن کے لڑکے کے ہاتھ سے جو اس کے خادموں میں تھا زخم کھا کر انتقال کیا[۱] گوالیار میں ایک مسجد اور سرائے کا دروازہ اس کی یادگار سے موجود ہے آگرہ میں روضۂ ممتاز محل کے مشرقی جانب سید احمد بخاریؒ کے مقبرہ کے قریب اس کی عالیشان حویلی اور باغ واقع تھا۔ یہ حویلی دریائے جمنا کے کنارہ پر واقع اور آگرہ کی بہترین منازل سے تھی جو متغیر حالت میں اب تک موجود ہے۔ اس کا پھاٹک بھی شکستہ حالت میں باقی ہے۔ چونکہ مدت تک اس حویلی میں جوتوں کی فیکٹری رہی لہذا اکثر حصوں میں ترمیم کر لی گئی صرف شمال و مغربی جانب کا سہ منزلہ سنگین برج اصلی حالت پر قائم ہے جو لب دریا واقع اور نہایت دلکش منظر رکھتا ہے۔

درگاہ سید احمد بخاری

سید احمد بخاریؒ شاہجہانی عہد کے مشائخین نامدار سے تھے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں آپ سید جلال بخاریؒ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کی درگاہ حویلی خاندوراں خاں کے قریب واقع ہے

---

[۱] مدفن گوالیار ہے۔

جس سے اہل شہر کو خاص عقیدت ہے۔ مزار نہایت بلند و پُر فضا مقام پر ہے جس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ احاطہ درگاہ میں ایک دالان اور سیکڑوں قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اس درگاہ کے متعلق کچھ معافی بھی ہے جس کا انتظام کمیٹی لوکل ایجنسی اسلام آگرہ کے سپرد ہے۔

بارہ دری متصل سڑک فتح آباد

مسجد آگاہ خاں کے سامنے فتح آباد کی پختہ سڑک سے جنوبی جانب یہ سنگ سرخ کی بارہ دری واقع ہے جس میں چاروں طرف ۳-۳ در اور ستونوں پر گچکاری کا گنبد قائم ہے۔ اس کے اندر کئی سنگین تعویذ ہیں مگر کسی پر کتبہ نہیں ہے معلوم نہیں کہ یہ کس کے مزار ہیں۔

مسجد و مقبرہ دیوانجی بیگم

دیوانجی بیگم خواجہ غیاث الدین قزوینی کی بیٹی خانخاناں آصف خاں کی زوجہ اور ممتاز محل کی ماں تھیں۔ موضع لسی کے رقبہ میں محلہ بلوچپورہ کے قریب اُن کی بنائی ہوئی مسجد اور مقبرہ کا شکستہ گنبد واقع ہے۔ یہ سنگ سرخ کی مسجد ۴ فیٹ ۱۰ انچ بلند کرسی پر بنی ہے۔ اس کا طول و عرض ۶۴×۳۵ فیٹ ہے۔ اس میں کل پندرہ در اور تین گنبد ہیں اندرونی درمیانی محراب میں آیت الکرسی اور اس کے نیچے سنہ ۱۰۸۸ھ ۱۶۷۷ء کندہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پتھر بعد میں نصب کیا گیا ہے صحن کی چوڑائی ۵۵ فیٹ ہے جس میں ایک حوض بنا ہوا ہے۔ مسجد کے پیچھے جنوبی جانب نو دوکانیں بنی ہیں۔ یہ مسجد و مقبرہ لوکل ایجنسی اہل اسلام آگرہ کے زیر اہتمام ہے۔

مقبرہ پچاس بیگہ اراضی میں واقع اور نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا اب صرف اس کا مثمن بُرج بلا گنبد باقی رہ گیا ہے جس کا قطر ۲۰ فیٹ ہے۔ قبر کا تعویذ تک ندارد ہو گیا۔ عجیب حسرت و یاس کا عالم ہے ؎

یہ سرائے دہر مسافرو بخدا کسی کا مکاں نہیں ۔۔۔ جو یہاں مقیم تھے کل کے دن کہیں آج ان کا نشاں نہیں

یہہ ہر ایک قبر سے بے کسی بزبان حال ہہ کہ رہی　　تمہیں آنکھ چاہیئے غافلو مجھے احتیاج بیان نہیں

اصلی قبر تہ خانے میں تھی جس میں اب کوڑا بھرا ہوا ہے۔

مسجد عہد اورنگ زیب

محلہ تاجگنج میں شفاخانہ کے قریب اورنگ زیب کے زمانہ کی ایک قدیم مسجد واقع ہے۔ جو محض قدامت اور اپنے کتبہ کی وجہ سے قابل بیان ہے ورنہ اس کی عمارت معمولی ہے۔ اس کے دروازہ کی پیشانی پر یہہ کتبہ کندہ ہے۔ افسوس کہ بانی کا نام مٹ گیا اور پڑھنے میں نہیں آتا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قال اللہ تعالی فی القرآن العظیم لمسجد اسس علی التقوی وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بنی مسجد اللہ لہ بیتا فی الجنۃ چوں موافق حکم باری تعالی فرمودۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم در عہد بادشاہ دین پناہ اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی احقر العباد شیخ ...... ۱۰۹۴ھ (مطابق ۱۶۸۳ء) یہہ تین در کی سنگین مسجد ہے۔

مسجد پھلیل کٹرہ

محلہ پھلیل کٹرہ متعلقات تاجگنج میں۔ یہہ مسجد واقع ہے۔ جسے ۱۰۹۶ھ ۱۶۸۱ء میں مرزا شریف نام ایک سوداگر نے تعمیر کیا تھا اس کے بعد ۱۲۸۸ھ ۱۸۷۱ء میں بدھو خاں صوبہ دار نے اس کے آگے برآمدہ بنوایا اس مسجد کی عمارت معمولی ہے مگر اس کے اندر جنوبی جانب ایک حجرہ بنا ہوا ہے۔ اس کی مغربی دیوار میں سنگ مرمر کا ایک مجلی ٹکڑہ نصب ہے جس پر ایک پنجہ کا نقش بنا ہوا ہے۔ پانچوں انگلیوں پر چھنگلی کی طرف سے سلسلہ وار بسم۔ اللہ۔ الرحمن۔ الرحیم۔ یا اللہ اور درمیان میں بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بحق خواجہ معین الدین چشتی ہر کہ ایں دست بہ بیند ہر حاجتے کہ باشد برآید ۱۰۷۳ھ (مطابق ۱۶۶۲ء) کندہ ہے باوجود تحقیقات اس کا پتہ نہ چلا کہ یہہ کس کا پنجہ ہے اور کب اور کس نے اس حجرہ میں نصب کیا۔

مزار میاں نظیر اکبر آبادی

میاں نظیر جن کا کلام آگرہ میں بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ تلکوں کی گلی محلات تاجگنج میں رہا کرتے تھے اور مرنے کے بعد اپنی حویلی کے قریب ہی دفن کئے گئے۔ مولوی سید محمد عبد الغفور صاحب شہباز مرحوم نے جو اورنگ آباد کالج میں پروفیسر تھے انکی مفصل سوانح عمری لکھی ہے اور باوجود اس کے کہ اُن کے کئے کلیات شائع ہو چکے ہیں اب بھی اُن کا بہت سا فارسی اور اُردو کلام غیر مطبوعہ ہی ہے۔ میاں نظیر کے کمالات شاعری سے تو ایک زمانہ واقف ہے لیکن عام طور پر یہہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ کمالات شاعری سے زیادہ وہ اخلاق حمیدہ اور کمالات معنوی سے موصوف تھے وہ ایسی سادہ طور سے زندگی بسر کرتے تھے کہ آج اُن کے حالات سُن سُن کر تعجب و حیرت ہوتی ہے اگر یورپ میں اس پایہ کا کوئی شاعر ہوتا تو اُس کی صدہا یادگاریں مُلک میں قائم ہوتیں مگر ہماری جہالت و بدمذاقی کا یہ حال ہے کہ اور کوئی یادگار قائم ہوتا تو کیا معنی میاں نظیر کی قبر تک خراب حالت میں ہے نہ وہاں کوئی عمارت ہے نہ چبوترہ۔ نہ لوح مزار ہے نہ کتبہ۔ کہا جاتا ہے کہ مشاہیر پرستی میں کچھ نہ کچھ ملک ترقی کر رہا ہے مگر یہاں اُلٹی گنگا بہتی ہے۔ یعنی میاں نظیر کے انتقال کے بعد برسوں تک یہہ سلسلہ جاری رہا کہ ہولی۔ دوالی۔ دسہرہ۔ عید۔ بقرعید کے تہواروں پر ہندو مسلمان مزار پر جمع ہوکر شاعروں کے جلسے کیا کرتے تھے اب مدت سے یہہ سلسلہ بھی متروک ہوگیا۔ حوادث روزگار سے میاں نظیر کے مکان کا تو نشان بھی باقی نہیں رہا قبرستان موجود ہے مگر نہایت خراب حالت میں ہے جس میں ۹ اِتم قبریں باقی ہیں۔ راقم الحروف نے ۱۲ جولائی سنہ ۱۹۰۴ء کے اخبار مفید عام آگرہ ایک پُر زور اپیل شائع کر کے اہل مُلک سے التجا کی تھی کہ کم از کم میاں نظیر کی قبر پر ایک سنگین چبوترہ ہی تعمیر کرا کر اُس پر کتبہ کندہ کرا دیا جاوے۔ اس پر جناب نواب حاجی محمد اسمٰعیل خانصاحب مرحوم رئیس دتاولی و آنریری مجسٹریٹ آگرہ نے پچاس روپیہ سے سو روپیہ تک چندہ دینے کا ارشاد فرمایا تھا مگر اور کسی طرف سے کوئی صدا نہ اُٹھی اور یہہ تجویز یوں ہی رہ گئی۔

اس قبرستان میں میاں نظیر کی قبر کے علاوہ اُن کے بیٹے میاں گلزار علی اسیر اور پوتے میاں پذیر کی بھی قبریں ہیں یہ دونوں بھی بڑے شاعر تھے۔ میاں اسیر کے لوح مزار پر یہ کتبہ بھی کندہ ہے ؎

ھُوَ الْبَاقِی۔ از نتائج طبع منشی محمد خاں رہا

اوستادم میر گلزار علی — چوں بسوئے خلد شد ذوق فزا
بسکہ در روحانیاں شورے فتاد — روح سحباں چوں شنید ایں ماجرا
آہ را بیروں کشیدہ بہر سال — گفت۔ اسیر دام ہستی شد رہا
۱۳۰۱ - ٦ = ۱۲۹۵ھ

مزار سید جلال بخاریؒ

سید جلال بخاریؒ۔ ابن سید محمد بخاری حضرت شاہ عالم بخاری کی اولاد سے چھٹی پشت میں ہیں جن کا مزار رسول آباد متصل احمد آباد گجرات میں زیارت گاہ خاص و عام ہے آپ ۱۵ جمادی الثانی ۱۰۰۳ھ کو پیدا ہوئے وارث رسول۔ ولادت کی تاریخ ہے۔ سن تمیز پر پہنچکر اپنے والد بزرگوار اور ملا محمد صوفی ماثر ندرانی سے علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت سے بھی موصوف تھے۔ شاہجہاں کے زمانہ میں آگرہ میں تشریف لائے۔ اور بادشاہ کو آپ سے خاص عقیدت پیدا ہوئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۷ شعبان ۱۰۵۲ھ کو منصب چہار ہزاری پر سرفراز اور صدرات کل کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ چند ہی دنوں میں شش ہزاری منصب پر ترقی پائی۔ یکم جمادی الاول ۱۰۵۷ھ کو سفر آخرت اختیار کیا۔ جانشین حیدر کرار وفات کی تاریخ ہے آپ کا مزار لب دریائے جمن تاجگنج کی قدیم سڑک کے قریب مردگھٹے کے پاس واقع ہے جو نہایت بلند چبوترہ پر بنا ہے۔ اس کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد بھی موجود ہے۔

یہ مقام بوجہ لب دریا اور مرتفع ہونے کے نہایت دلکش ہے۔ اس کے قریب ہی ایک وسیع قبرستان ہے اور چبوترہ کے نیچے ایک بزرگ مولانا سید ضیاء الدین ملتانیؒ کا مزار واقع ہے

باغ خان عالم

خان عالم کا اصلی نام میرزا برخوردار تھا۔ اکبر کے عہد میں منصب دو صدی پر سرفراز تھا جہانگیر نے جلوس کے چوتھے سال خان عالم کے خطاب سے مفتخر کیا اور سنہ ٦ جلوس میں شاہ عباس ثانی والی ایران کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا اور سنہ ١٠٢٩ھ ١٦١٩ء میں اس سفارت کے صلہ میں منصب پنجہزاری پر سرفراز کیا شاہجہاں نے تخت نشین ہو کر منصب شش ہزاری سے ممتاز کر کے صوبہ بہار کا صوبہ دار مقرر کیا اور سنہ ١٠٤١ھ ١٦٣١ء بوجہ ضعیفی ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی پنشن مقرر کر دی چند مدت بعد اس نے لاولد انتقال کیا اور اپنے باغ میں دفن ہوا۔

سید جلال بخاری اور روضہ ممتاز محل کے درمیان میں یہ باغ واقع ہے جو ایک بلند پختہ چار دیواری سے محصور ہے۔ جس کے مغربی ضلع میں پھاٹک بنا ہوا ہے۔ وسط باغ میں ایک بلند چبوترہ پر جس کا سنگین فرش فروخت کر دیا گیا ایک چراغدان موجود ہے جہاں پر خان عالم کی قبر خیال کی جاتی ہے لیکن اب کوئی تعویذ موجود نہیں ہے۔ شمالی جانب ایک اور چبوترہ ہے جس پر سات سنگین قبریں بنی ہیں مگر کسی پر کتبہ نہیں ہے۔ اسی طرف ایک شاندار عمارت تھی جو کھد گئی۔ دریا کی طرف باغ کے نیچے ایک وسیع تہ خانہ اب تک موجود ہے۔ یہ باغ علی گڈھ کے ایک رئیس کے قبضہ میں تھا جنہوں نے سنہ ١٨٩٠ء میں نظیر جان طوائف آگرہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس طوائف نے اس کو کھدوانا شروع کیا اور بہت سا ملبہ فروخت کر ڈالا آخر کار جب مسٹر اے روز صاحب کمشنر آگرہ کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے گورنمنٹ کی طرف سے اس باغ کو مشتری سے واپس لیکر اپنے قبضہ میں کیا اب یہ روضہ ممتاز محل کے متعلق ہے۔

مہتاب باغ اتل پارک

شاہی زمانہ میں قلعہ سے تاجگنج تک امرا کی عالیشان حویلیاں اور باغات واقع تھے امتداد

زمانہ سے یہہ سب عمارتیں منہدم ہوتی گئیں اور ۱۸۳۸ء کے قحط میں ان کے درمیان میں
ایک پختہ سڑک تعمیر کی گئی مگر غدر تک اکثر عمارتوں کے آثار موجود تھے۔

نو محلہ امر سنگھ شیش محل

چنانچہ قلعہ کے جنوبی دروازہ (امر سنگھ دروازہ) کے قریب راجہ امر سنگھ راٹھور کا نو محلہ اُس
سے بڑھ کر شیش محل یا ڈیوڑھی صاحب جی کی واقع تھی۔ اس کے بعد مہابت خاں کی حویلی۔ اس سے
بڑھ کر راجہ ٹوڈرمل اور راجہ مان سنگھ کی حویلیوں کے کھنڈرات تک واقع تھے۔

حویلی رومی خاں

قلعہ سے نصف میل کے فاصلہ پر بخارا گھاٹ کے قریب رومی خاں کی مشہور حویلی تھی
جو آگرہ کی بہترین منازل میں شمار کی جاتی تھی اِسے شاہجہاں کے عہد کے مشہور امیر رستم خاں
فیروز جنگ بانی شہر مراد آباد نے بصرف کثیر تعمیر کرایا تھا۔ عالمگیر نے یہہ حویلی حسین پاشا اسلام خاں
رومی کو مرحمت فرمائی تھی جب سے اس کا نام رومی خاں کی حویلی مشہور ہوگیا۔ غدر ۱۸۵۷ء تک
اس کے اکثر حصے قائم تھے۔ کارلائل نے ۱۸۷۱ء میں لکھا ہے کہ "اب یہہ عمارتیں سراپا برباد
اور شکستہ حالت میں ہے۔ البتہ چند برجیاں اور دیواروں کے آثارات اب بھی قائم ہیں بہرحال اس
وقت نواح آگرہ میں یہہ کھنڈر نہایت مرتفع بہت شاندار اور سب سے بڑا قابل دید ہے" چند عرصہ کے
بعد یہہ نشان بھی مٹ گئے اور مدت تک اس کے کھنڈرات ٹیلوں کی صورت میں نظر آتے اور
رومی خاں کے ٹیلے کے نام سے مشہور رہے۔

قحط کے موقعوں پر وقتاً فوقتاً گورنمنٹ نے ان قدیم ٹیلوں کو صاف کرانا شروع کیا اور بارہا
ان ٹیلوں سے پرانے سکّے برآمد ہوئے جب لارڈ کرزن بہادر کے عہد میں شاہی عمارات کی
طرف خاص توجہ ہوئی تو تاج و قلعہ کے قرب وجوار میں عمارتوں کے ٹیلوں کو بدنمائی کا باعث خیال
کرکے بصرف کثیر ان کو صاف و ہموار کرا دیا گیا اور اُن کی جگہ میکڈانل صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر
صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ نے ایک پارک کی تیاری کا حکم دیا۔ چنانچہ یہہ پارک تیار ہوا اور میونسپل بورڈ
آگرہ کی تحریک سے میکڈانل پارک اس کا نام تجویز کیا گیا۔ جب سے اب تک اس کی آراستگی
اور توسیع کا سلسلہ جاری اور قلعہ اور ناچ گنج کے درمیانی وسیع قطعہ میں جہاں سوائے بدنما

ٹیلوں یا خاردار ببولوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگا۔ اب سوائے چند قبروں۔ دو ایک برجوں۔ باغ خان عالم اور مزار سید جلال بخاری کے اور کوئی قدیم آثار باقی نہیں رہا۔ اسی پارک کے سلسلہ میں محلہ تاجگنج کے قریب جنوب و مغربی گوشہ میں گورنمنٹ ہوس تعمیر کیا گیا ہے۔ اور مغربی جانب سڑک کے کنارہ پر ملکہ معظمہ کا بت نصب ہے۔ تمام پارک کے اندر پختہ سڑکیں بنائی گئی ہیں۔ کئی تالاب بھی موجود ہیں اور نہر سے پانی آتا ہے غرضکہ ٹیلوں کی جگہ فردوس بریں کا نمونہ بن گیا ہے۔

باغ مہابت خاں

خانخاناں مہابت خاں کا اصلی نام سید زمانہ بیگ تھا یہ جہانگیر و شاہجہاں کے عہد کا نہایت مشہور و معروف امیر تھا جس نے سنہ ۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴ع میں وفات پائی۔ زمانہ آرام گرفت اور سپہ سالار رفت وفات کی تاریخیں ہیں۔ مہابت خاں کا عالیشان باغ موضع راجپور میں واقع اور زمینداران دیہہ کے قبضہ میں ہے۔ اس کے اندر مہابت خاں کی دختر کا مقبرہ بھی بنا ہوا ہے اور ایک مسجد بھی موجود ہے۔

اب گورنمنٹ اسے بھی عمارت آثار قدیمہ کی فہرست میں شامل کرنا چاہتی جس کی کارروائی جاری ہے۔

باب سوم

عمارات قلعہ اکبر آباد

زمانۂ قدیم سے اس مقام پر قلعہ یا گڑھی موجود تھی اوّل راجہ بادل سنگھ نے ۱۴۷۵ء میں اسی مقام پر از سرنو قلعہ بنا کر بادل گڑھ نام رکھا جب سلطان سکندر لودی نے آگرہ کو اپنا دار السّلطنت مقرر کیا تو اس قلعہ کو اینٹ پتھر چونے سے از سرنو تعمیر کرایا۔ ۹۷۲ھ ۱۵۶۴ء میں اکبر نے حکم دیا کہ اس قلعہ کہنہ کو منہدم کرا کر از سرنو سنگ سرخ سے تعمیر کیا جاوے۔ چنانچہ اسی سال قاسم خاں میر بحر نام ایک امیر کے اہتمام میں اس کی بنیاد رکھی گئی تین ہزار معمار، سنگ تراش اور مزدور روزانہ کام کرتے تھے اس طرح پانچ یا آٹھ برس کی مدت اور سات کروڑ تنکہ کے صرف سے جو پینتیس لاکھ روپیہ کی برابر ہوئے یہ قلعہ تعمیر ہوا۔ شیخ فیضی نے اس کے پہلے دروازہ کی تعمیر کی تاریخ بنائے درِ بہشت اور مُلّا شیری نے دوسرے دروازہ ہتیا پول کی تاریخ یہ موزوں کی ہے[۱]

کلک شیری پئے تاریخ نوشت — بے مثال آمدہ دروازہ فیل

جب تمام سلطنت کا خزانہ اس قلعہ میں رہنے لگا تو مُلّا عبد القادر بدایونی نے شد بنائے قلعہ زر سے تاریخ نکالی اس قلعہ کا دور تین ہزار گز بادشاہی اور فصیل کی چوڑائی ۳۰ گز اور بلندی کنگوروں تک ۶۰ گز ہے۔ اس میں بیس برج چار دروازے اور دو کھڑکیاں رکھی گئی تھیں جن میں اب صرف دو دروازے (دہلی دروازہ۔ امر سنگھ دروازہ) کھلے ہوئے ہیں ہتیا پول (دروازہ) کے دونوں طرف آمنے سامنے دو پتھر کے ہاتھی کھڑے تھے جن کی سونڈیں ملا کر محراب بنائی گئی تھی۔ اس کے آگے

---

[۱] منتخب التواریخ میں مدت تعمیر ۵ سال اور اکبر نامہ میں ۸ برس لکھی ہے صاحب منتخب اللباب کا بیان ہے کہ ۹۷۲ھ میں تعمیر کی ابتدا ہوئی اور ۹۸۰ھ میں تکمیل کو پہنچی۔ ۳ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ اکبر نے اس قلعہ کے ساتھ شاہ مدار کی ایک مسجد بھی بنوائی تھی جس کا اب کوئی وجود باقی نہیں (منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۱۶۵)

نقار خانہ تھا اب نہ ہاتھی رہے نہ نقار خانہ باقی ہے۔ اکبر کے عہد میں قلعہ کے اندر چھوٹی بڑی پانسو عمارتیں تھیں جن میں سے اب صرف تین چار باقی ہیں باقی کل عمارت شاہجہاں کے زمانہ کی ہے

شیر حاجی

بیرونی فصیل جو شیر حاجی کے نام سے مشہور تھی عالمگیر بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے جس کی بنیاد جلوس کے دوسرے سال ۱۵ ذیقعدہ کو رکھی گئی اور تین سال میں بن کر تیار ہوئی اس کی بلندی دریا کی طرف بارہ گز اور چوڑائی پانچ گز اور دوسری طرف شات گز اور چوڑائی چار گز ہے اور دونوں فصیلوں کا درمیانی فاصلہ ۱۰ گز ہے۔ اس بیرونی فصیل میں تین دروازے روبرو ہتیاپول خضری دروازہ اکبری دروازہ اور چوتھا دروازہ روبرو شاہ برج دروازہ اور پانچواں دروازہ جانب دریا روبرو دروازہ نور درکھا گیا تھا۔ اب تین دروازے بند کردئے گئے صرف دو دروازہ دہلی دروازہ اور امر سنگھ دروازہ کھلا ہوا ہے جب اس قلعہ پر مرہٹوں کا قبضہ ہوا تو مادھو راؤ سندھیہ کے حکم سے قلعہ کے گرد ایک

مادھوگڑھ

اور حصار کھینچا گیا جو مادھو گڑھ کے نام سے موسوم تھا لیکن اب اس حصار کا کوئی آثار و نشان باقی نہیں رہا۔

یہ قلعہ بلحاظ خوشنمائی بعض لحاظ سے تمام ہندوستان میں اوّل نمبر اور بعض لحاظ سے قلعہ شاہجہاں آباد کے بعد دوسرے نمبر سمجھا جاتا ہے خالص سنگ سرخ کا ہے جس کے رفیع الشان دروازہ پر نہایت خوشنما منبت کاری اور پچیکاری کی ہوئی ہے اور فصیل پر خوبصورت کنگورے اور برج برجیاں بنی ہیں۔ اس کے اندر کئی سنگ مرمر کی نفیس و بے نظیر عمارتیں اب بھی باقی ہیں۔

مندر و حویلی دلسا جاٹ

جن کا بیان مختصر طور سے ذیل میں کیا جاویگا۔ جاٹوں کی چند روزہ حکومت کی یادگار میں ایک مندر اور دلسا جاٹ کی حویلی موجود ہے۔

دہلی دروازہ

دہلی دروازہ میں داخل ہوکر دائیں ہاتھ پر ایک دالان بنا ہے جس کی دیوار پر یہ کتبہ بخط نستعلیق اکبری عہد کے مشہور کتبہ نویس میر معصوم کے ہاتھ کا کندہ ہے در عصر شہنشاہ خلافت پناہ ظل اللہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ فی سنہ ۱۰۰۸ھ (۱۵۹۹ء)

شاہِ جہاں چوں گرفت جائے بہ تخت شرف   تخت ز رفعت نہاد بر سر چرخ پا

دستِ دعا بر کشاد پیر فلک از نشاط — گفت کہ بادا مدام حکم تو فرماں روا

خواست نہائے کند سال تحویلش رقم — بود در اندیشہ پُر ز دعا و ثناء

میل دو چشم عدو کردہ ز آتش بگفت — بادجہاں بادشاہ شاہِ جہانگیر باد

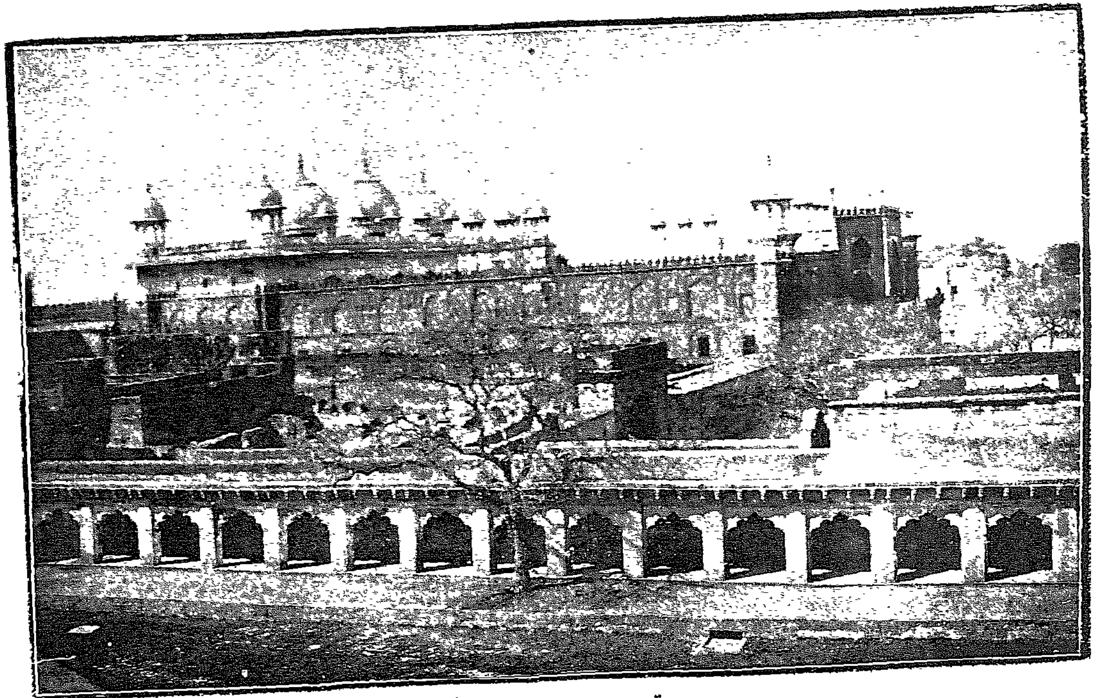
قائلہ و راقمہ محمد معصوم البکبری

اس کے محاذ میں اندرونی فصیل میں جو دروازہ ہے یہہ ہی ہتیاپول کے نام سے موسوم تھا۔ اس کی عمارت نہایت رفیع الشان ہے جس پر کئی برج برجیاں بنی ہیں۔ اسی دروازہ کی چھت پر سرکاری جھنڈا لہرا رہا ہے۔ دوسرا دروازہ جنوبی جانب ہے اس کی عمارت بھی خوبصورت ہے یہ امر سنگھ دروازہ کے نام سے مشہور ہے اس کی وجہ تسمیہ غالباً یہہ ہے کہ اس کے سامنے راجہ امر سنگھ راٹھور کی مشہور عمارت اور محلہ امر سنگھ واقع تھی۔ تمام زائرین پہلے دہلی دروازہ میں ہو کر قلعہ کی سیر کو جاتے تھے اب امر سنگھ دروازہ میں ہو کر داخل ہوتے ہیں۔

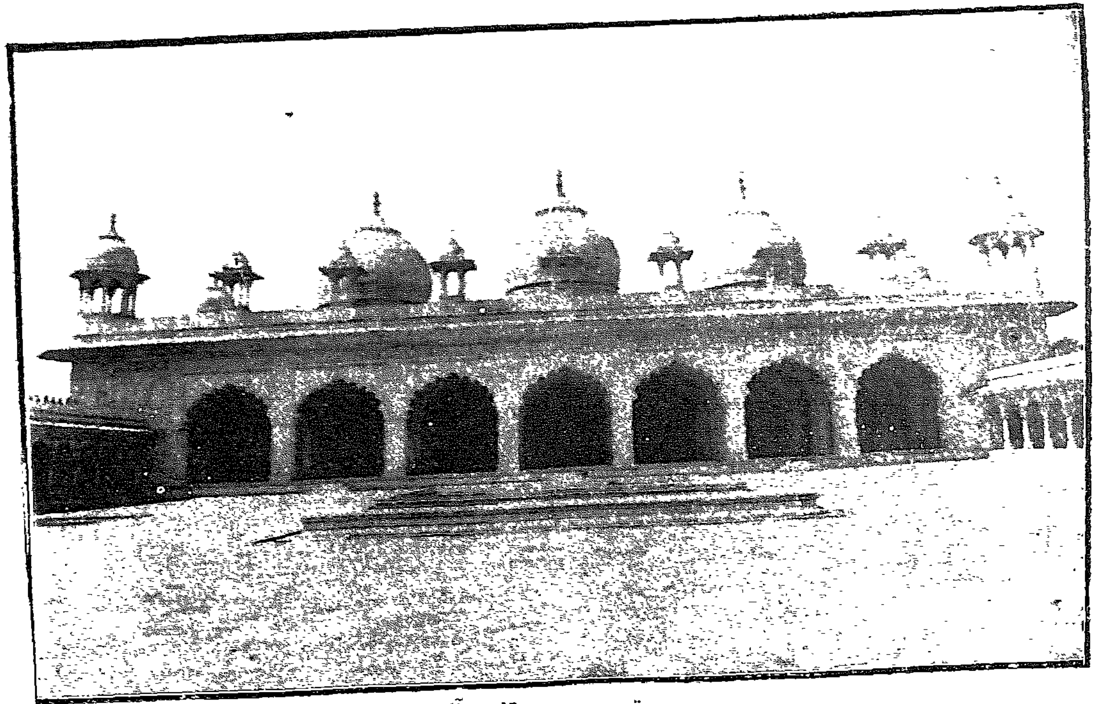
امر سنگھ دروازہ

موتی مسجد

قلعہ کی سب سے زیادہ دلفریب اور نادر الوجود عمارت جو نہ صرف ہندوستان بلکہ طبقۂ روئے زمین پر اپنا نظیر و مثال نہیں رکھتی موتی مسجد ہے یہہ عبادت گاہ نورانی عربی طرز عمارت کا ایسا اعلیٰ نمونہ ہے جسے ڈاکٹر نہٹرا اپنی کتاب انڈین امپائر میں بجا طور سے تمام دنیا بھر کی عبادتگاہوں سے افضل و برتر قرار دیتے ہیں۔ سیاحانِ یورپ اور مبصرین فنِ عمارت نے اس کی خوبصورتی اور طرز تعمیر کی بہت تعریف کی ہے اُن کا بیان ہے کہ یہہ عمارت نہایت مکمل اور خالص عربی طرز کی ہے جس کی سادگی یورپ کے مشہور طرز عمارت ڈارک DORIC ART کے مطابق ہے۔ اس سادگی کے علاوہ اس کی عمارت کا تناسب اور اس کا اعلیٰ نقشہ بھی نہایت تعریف و توصیف کا مستحق ہے مبصرین فنِ عمارت۔ سیاحانِ عالم۔ اور معمولی سیر کرنے والوں غرضکہ ہر مذاق کے ناظرین کو یہہ جداگانہ خوبصورتی اور بہار دکھاتی ہے اور ہر شخص کو اپنے اپنے مذاق کے موافق اس کے



موتی مسجد معہ دروازہ



موتی مسجد قلعہ آگرہ

نظارہ سے لطف واندوز حاصل ہوتا ہے۔ فن عمارت کا مشہور مبصر فرگسن لکھتا ہے کہ اس کی خوبصورتی اس کے صحن میں محدود ہے جو کہ خالص سنگ مرمر کا ہے" دوسرا مورخ مسٹر ٹیلر لکھتا ہے کہ قلعہ کے دور و دراز نظاروں میں اس کے تین گنبد چاندی کے سے سیماب نظر آتے ہیں جو ایک لحظہ کے واسطے قلعہ کی دیواروں پر ٹھیرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور دوسری باد نسیم کے چلتی ہی نگاہ سے غائب ہو جاتے ہیں۔ جس طرح خلوص دل کی عبادت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی ہے اسی طرح یہ عبادت خانہ ایسا خالص اور بے داغ ہے کہ اس کے نظارہ نے میرے دل پر ایسا اثر پیدا کیا کہ باوجود عیسائی ہونے کے میں بھی جھک گیا اور میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہمارے شریف مذہب (عیسائی) نے اپنے ماہرین فن عمارت کے دل میں کبھی یہ بات نہیں ڈالی کہ کوئی ایسا عبادت خانہ بنائیں جو خدا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس عبادت خانہ پر فوقیت لیجائے۔"

ایک مصنف لکھتا ہے کہ خدائے واحد کی عبادت کے واسطے یہ ایک پاک جگہ ہے سر رچرڈ ٹیمپل کی رائے ہے کہ اس بے داغ مسجد سے بڑھکر کوئی دوسری جگہ گہرے مذہبی خیالات میں ڈوبنے کے واسطے مناسب نہیں ہو سکتی۔ ایک مورخ دہلی کی جامع مسجد اور اس کا مقابلہ کر کے لکھتا ہے کہ جامع مسجد دہلی تانیث اور موتی مسجد آگرہ تذکیر کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

یہ مسجد سطح زمین سے پندرہ گز کی بلندی پر تعمیر کی گئی ہے جس کے نیچے دو منزلہ حجرے اور دالان بنے ہیں۔ باہر کی طرف سنگ سرخ اور اندرونی جانب خالص سنگ مرمر لگا ہے شہر کے اکثر حصوں سے اس کے خوشنما اور عالی شان گنبد نظر آتے ہیں۔

اصل مسجد کا طول وعرض ۱۰۰ فیٹ × ۱۱ فیٹ ۱۰ انچ ہے۔ جس میں سات محرابوں کے تین درجے اور شمال وجنوب میں ۳-۳ دروں کے زنانہ درجے ہیں جن میں درمیانی در کھلا ہوا اور باقی دروں میں سنگ مرمر کی نہایت نفیس وباریک جالیاں لگی ہیں۔ ستون اور محرابیں بہت خوبصورت اور خالص عربی طرز کا نمونہ ہیں۔ فرش میں سنگ موسیٰ وغیرہ کی پچیکاری سے خوشنما مصلوں کی قطاریں بنی ہیں۔ صحن شرقاً غرباً ۱۵۸ فیٹ ۵ انچ اور شمالاً جنوباً ۱۶۹ فیٹ ۱۴ انچ ہے۔ اس میں بھی سنگ مرمر کا

فرش ہے۔ شمال وجنوب اور مشرق میں ۱۱-۱۱ فیٹ چوڑے دالان اور درمیان میں خوشنما حوض بنا ہوا ہے۔ شمال وجنوب میں ۱۶-۱۶ اور مشرق میں ۱۰ دالانوں کی محرابیں ہیں۔ صحن میں ایک جگہ دھوپ گھڑی بھی بنی ہے چھت پر تین گنبد اور چاروں گوشوں پر ایک ایک مثمن برج اور صحن کی طرف سات برجیاں بنی ہیں۔ مشرقی دیوار کے گوشوں پر بھی دو مثمن برج موجود ہیں۔ تینوں جانب ایک ایک دروازہ ہے جن کے اوپر تین تین برجیاں بنی ہیں۔ گنبدوں اور جملہ برج برجیوں پر سنہرے کلس جگمگاتے ہیں جن کا نظارہ نہایت دلکش ہے۔ شمالی اور جنوبی دروازوں کا زینہ مسقف ہے شمالی اور مشرقی دروازہ اب عام طور سے بند رہتا ہے مشرقی دروازہ کے آگے سنگ سرخ کا چبوترہ ہے جس کے نیچے دو منزلہ دالان بنا ہے۔ شمال وجنوب میں ۴۹-۴۹ سیڑھیاں بنی ہیں۔ مسجد کی پیشانی پر خط نستعلیق میں سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے کتبہ کندہ ہے جس کا ماحصل یہہ ہے کہ شاہجہاں بادشاہ کے حکم سے سات برس کے عرصہ اور تین لاکھ روپیہ کے صرف سے ۱۰۶۳ھ ۱۶۵۲ء میں یہہ مسجد تیار ہوئی یہ شاہجہاں کے عہد کی سب سے اخیر عمارت ہے۔

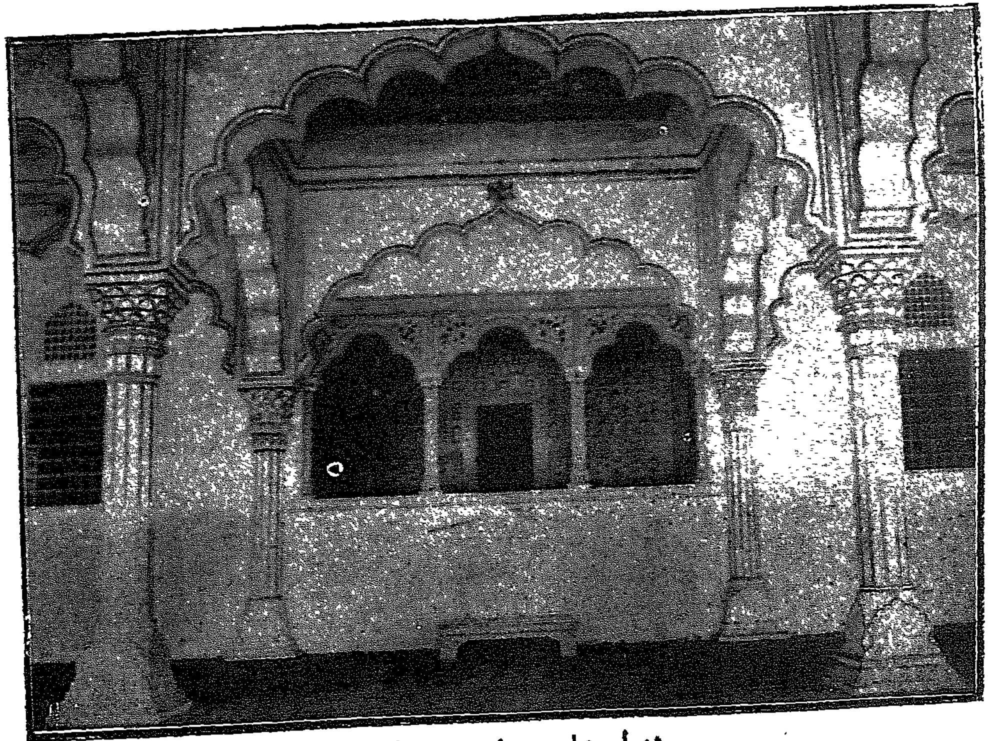
دیوان عام

شاہجہاں کے زمانہ سے پیشتر دیوان عام کے واسطے کوئی عمارت موجود نہ تھی جھروکہ (نشین شاہی) کے آگے اکثر سائبان تان دیا جاتا تھا لیکن دھوپ اور بارش میں لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی شاہجہاں نے تخت نشین ہوکر حکم دیا کہ آگرہ اور لاہور اور برہان پور کے قلعوں میں دیوان عام کے واسطے ۴۰-۴۰ ستونوں کی عمارت تعمیر کی جائے چنانچہ چالیس دن کے عرصہ میں ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء میں یہہ عمارت تکمیل کو پہنچی۔ طالب کلیم نے اس کی تعریف میں یہہ رباعی موزوں کر کے پیش کی

رباعی

این تازہ بنا کہ عرش ہمسایۂ اوست	رفعت حرفے ز رتبت پایۂ اوست
باغیست کہ ہر ستون سبز ش سرویست	کاسایش خاص و عام در سایۂ اوست

دیوان عام کا طول وعرض ۱۹۲ فیٹ × ۶۴ فیٹ ہے اس کے ستون نہایت بلند اور سنگ سرخ



دیوان عام معہ نشیمن شاہی

کے ہیں جنہیں چونہ پٹیالی سے جو سنگ مرمری چونہ سے بھی اچھا ہوتا تھا سنگ مرمر کے ستونوں سے زیادہ خوبصورت بنا دیا ہے ان ستونوں پر سنہرا کام کیا ہوا ہے اور محرابیں بھی بہت خوبصورت ہیں بادشاہی زمانہ یعنی عہد شاہجہانی میں اس کے تینوں طرف چاندی کا کٹہرہ لگا ہوا تھا[۱]۔ مغرب میں نو اور شمال وجنوب میں تین تین محرابیں ہیں۔ چونکہ مغربی جانب دوہرے اور گوشوں پر چوہرے ستون نصب ہیں اس وجہ سے کل ستون ساٹھ ہیں۔ جو اس ترتیب سے نصب ہیں کہ کل عمارت کے تین درجے ہو گئے ہیں۔

سفرنامہ نواب غوث محمد خاں والئی جاورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غدر سے قبل (۱۲۶۶ھ) اس عمارت میں سرکاری میگزین تھا جس میں علاوہ جدید ہتھیاروں کے قدیم زمانہ کے اسلحہ اور آلات حرب اور جھنڈیاں اور نشانات جو فتوحات میں سرکار کے قبضہ میں آئے تھے نہایت ترتیب اور آراستگی سے رکھے ہوئے تھے اور ہر ایک کا نام انگریزی۔ فارسی اور ہندی میں سنہرے حرفوں سے لکھا ہوا تھا۔ دیوان عام کے مغرب میں بہت وسیع چوک ہے جس کے کناروں پر دالان اور متعدد دروازے بنے ہیں اور درمیان میں ایک باولی واقع ہے۔

نشیمن ظل الٰہی یا جھروکہ

دیوان عام کی مشرقی دیوار میں جھروکہ کی عمارت ہے جو نشیمن ظل الٰہی یا جھروکہ دولتخانہ خاص و عام کے نام سے موسوم تھی تین در کی سنگ مرمر کی عمارت ہے جس کے در و دیوار میں بیش قیمت پتھروں کی نفیس پچیکاری اور چھت میں بھی پچیکاری اور طلائی گلکاری کی ہوئی ہے۔ اسی میں تخت طاؤس کے اوپر بیٹھکر بادشاہ اجلاس فرمایا کرتے تھے نیچے یعنی دربار عام میں اُمرا اور منصب دار دست بستہ کھڑے رہتے تھے اور رعایا کا ہر ایک متنفس عرض حال کے لئے بلا کسی روک ٹوک کے اس جگہ باریاب ہو سکتا تھا۔ اس کے نیچے یعنی دربار عام میں سنگ مرمر کا ایک معمولی تخت اب تک بچھا ہوا ہے۔

تخت طاؤس کے اردگرد چاندی کا کٹہرہ نصب تھا اور چار طلائی مرصع ستونوں پر ایک

---

[۱] بادشاہنامہ مطبوعہ کلکتہ جلد اول صفحہ ۲۲۲

لاکھ روپیہ قیمت کا خوبصورت شامیانہ جس میں سچے موتیوں کی جھالر لٹکتی تھی لگایا جاتا تھا۔

جھروکہ مذکور کا ایک دروازہ مشرق میں یعنی محلات کی طرف ہے۔ اُس کے قریب میں کئی دالان اور کوٹھریاں بنی ہیں۔

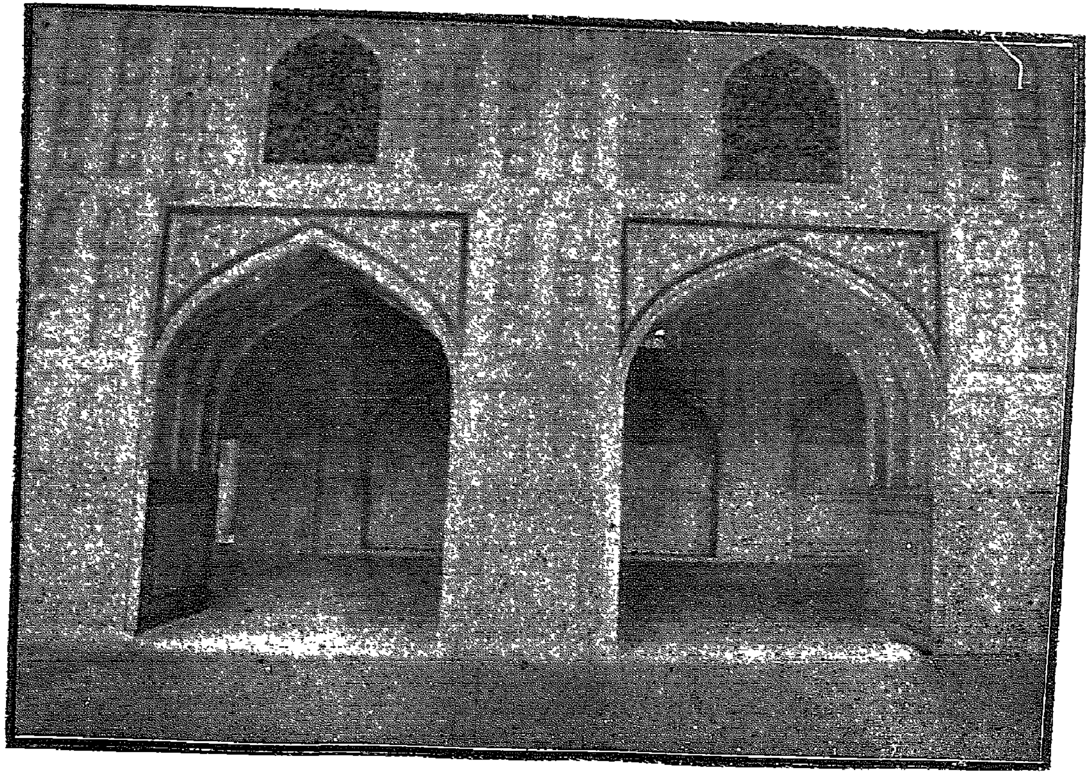
دیوان عام کے صحن میں مسٹر جان کالون صاحب لفٹننٹ گورنر کی قبر ہے جن کا انتقال ایام غدر میں ہوا تھا۔

دیوان خاص

اکبر کے عہد میں اس جگہ ایک عمارت تھی جس میں بادشاہ غسل کیا کرتے تھے اور خاص خاص امیر وزیر بخشی وغیرہ بعض ضروری اور اہم معاملات میں وہاں حاضر ہو کر حکم حاصل کیا کرتے تھے۔ شاہجہاں نے از سر نو اس عمارت کو تعمیر کرا کر اس کا نام دولتخانہ خاص رکھا لیکن عوام اُس کو غسل خانہ ہی کہتے رہے اب یہ دیوان خاص کے نام سے مشہور اور سنگ مرمر کی نہایت خوبصورت عمارت ہے۔

دیوان خاص میں دو دالان ہیں اندرونی دالان ۱۵×۹ گز ہے اس کے شمال میں تین در اور مشرق و مغرب میں ایک ایک سینچی نما محراب بنی ہے۔ اس کے آگے دوسرا دالان ۲۶×۱۱ گز ہے اس میں شمالی جانب پانچ اور مشرق و مغرب میں تین تین در ہیں۔ درمیانی محرابوں کے اوپر تین کھڑکیاں ہیں جو سنگ مرمر کی نہایت نفیس و بے نظیر گلدستہ نما جالیوں سے بند ہیں۔ دونوں دالان فن تعمیر کے کمال کا نمونہ اور نہایت اعلیٰ درجہ کے منبت کار نقش و نگار سے مزین اور قیمتی پتھروں کی بے نظیر اور دل لبھانے والی باریک پچیکاری سے مرصع ہیں ان کے بارہ پہل کے ستون اور محرابیں بہت خوبصورت اور عربی صناعی کا نمونہ ہیں۔ چھت بہت خوبصورت سنگ مرمر کے چھوٹے چھوٹے مربع ٹکڑوں سے جن کو نہایت صناعی سے باہم وصل کیا ہے پٹی ہے۔

ملا عبدالحمید لاہوری اس عمارت کی شان میں فرماتے ہیں ؎



محرابهائی دیوان خاص

زہے فرخندہ قصرے کز لطافت　　جہاں را نسخۂ خلدِ بریں است
بزیب افروزی و زینت فزائی　　تو گوئی آسمانے بر زمین است

درمیانی محرابوں کی پیشانی پر سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے یہ بیتیں مرقوم ہیں جن کے درمیان ہیں۔ اللہ۔ محمد۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ کندہ ہے۔

ازیں دل کشا قصرِ عالی بنا　　سرِ اکبر آباد شد عرش سا
بود کنگرش از جبینِ سپہر　　نمایاں چو دندانِ سینِ سپہر
سجودِ در ایں سرائے سرور　　کند سرنوشتِ پدا از جبہہ در
شرافت یکے آیہ در شانِ او　　سعادت در آغوشِ ایوانِ او
رہِ جور از پیشِ کم بستہ است　　بزنجیرِ عدلش ستم بستہ است
بنازم بہ زنجیرِ عدلِ شاہ　　ہمہ چشم شد در رہِ دادخواہ
بر احوالِ مردم چناں در حساب　　کہ داند چہ بینند شبہا بخواب
در ایوانِ شاہی بصد احتشام　　چو خورشید بر تخت بادا مدام
چو ایوانِ او عالم آرائے شد　　سرِ خاکِ او آسماں سائے شد
شہنشاہِ آفاق شاہِ جہاں　　کہ نازد بہ او روحِ صاحبقراں
بایں رونق و زیب و زینت مکاں　　ندیدہ بروئے زمیں آسماں
بود صحن بامش چو سیمائے مہر　　بزیرش فتادہ چو سایہ سپہر
بتاریخش اندیشہ آورد رو　　درِ فیض شد باز از چار سو
چنیں گفت طبعِ خیالش شناس　　سعادت سرائے و ہمایوں اساس

اس آخری مصرعہ سے سال تعمیر ۱۰۴۶ھ (۱۶۳۶ء) نکلتا ہے۔

دیوان خاص کے صحن میں جو ۴۱ گز لمبا ۲۹ گز چوڑا ہے مغرب کی جانب سنگ مرمر کا چبوترہ تھا جس پر گرمیوں کے موسم میں بادشاہ بیٹھا کرتے تھے اس کے نیچے اشرفیوں کا خزانہ

تھا اسکے آگے ۶۶ گز لمبا اور ۵۵ گز چوڑا دوسرا صحن تھا اس صحن کے تین طرف عمارتیں بنی ہوئی تھیں جن میں جواہرات اور مرصع آلات کا خزانہ تھا صحن کے جنوب میں سنگ مرمر کے چار ستونوں پر ایک نہایت پرتکلف اور خوبصورت نشیمن شاہی (نشستگاہ) بنی ہوئی تھی اب انمیں کوئی عمارت باقی نہیں رہی صاف میدان پڑا ہے البتہ دیوان خاص کے مغربی جانب ایک نشستگاہ سنگ مرمر کی موجود ہے۔

تخت جہانگیری

میدانمیں سنگ موسیٰ اور سنگ مرمر کے دو تخت رکھے ہیں جن میں سنگ موسیٰ کا تخت نہایت خوبصورت ہو جو ۱۰ فیٹ ۷ انچہ لمبا ۹ فیٹ ۱۰ انچہ چوڑا اور ۱۶ انچہ موٹا ہو اسکے اطراف میں بخط نستعلیق یہہ کتبہ کندہ ہے

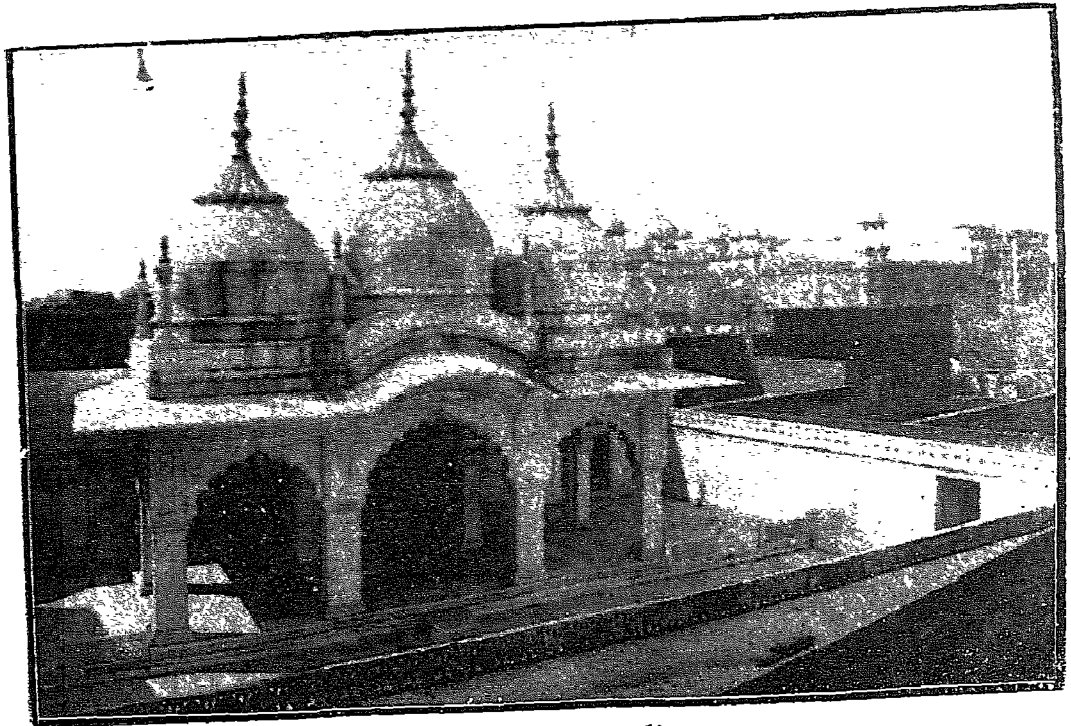
چوں شاہ سلیم وارث تاج و نگین | بر تخت نشست ذلت گیتی آئین
شد اسم مبارکش جہانگیر چو ذات | وز نور عدالت لقبش نور الدین
بادشاہے کہ تیغ او سازد | ہمچو دو پیکر سر عدو بہ دو نیم
باشد این تختگاہ فرخندہ | تکیہ گاہ خدا گہیان کریم
محک خسروان پائے ملک | مہر و مہ را عیار ریز زر و سیم
مسند باصفا ز نور ضیا | گوہر بے بہا چو در یتیم
پئے تاریخ او بفکر شدم | ہاتفے گفتم از خدائے حکیم
تا فلک تختگاہ خورشید است | مسند شاہ سلیم

سریر حضرت سلطان سلیم اکبر شاہ | ہمیشہ باد معزز بنور مہر اللہ

اسم سامی پیش از جلوس شاہ سلیم و بعد ازاں نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

بلند مرتبہ باد از فلک رحیم الہ | سریر شاہ جہانگیر ابن اکبر شاہ

یہہ تخت درمیان میں سے ٹوٹ گیا ہے جس کی نسبت یہہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ جب سورج مل جاٹ قلعہ پر قابض ہو کر اس تخت پر بیٹھا فوراً تخت شق ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب جہانگیر نے تزک جہانگیری میں بواقعات ۱۶ جلوس اس تخت کے پتھر کا الہ آباد سے لائے جانے کا ذکر لکھا ہے آگرہ سے دولت خاں نام ایک امیر اس کے لینے کے واسطے الہ آباد گیا



نگینہ مسجد قلعہ آگرہ

تھا جہانگیر اُس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔

نگینہ مسجد

دیوان عام کے قریب اور مچھی بھون کے گوشہ شمال و مغرب میں یہہ چھوٹی سی خوبصورت مسجد واقع ہے جو مثل موتی مسجد کے باہر سے سنگ سرخ اور اندر سے سنگ مرمر سے بنی ہے زمانہ حال کے اکثر مورخین کا بیان ہے کہ اس مسجد کو اورنگ زیب نے مستورات کے واسطے بنایا تھا مگر جبکہ محلات کے قریب زنانی مسجد علیحدہ موجود ہے اور یہہ مسجد زنانہ محلات سے بہت دور ہے تو یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا میرے خیال میں یہہ شاہجہانی عمارت اور موتی مسجد سے پیشتر کی تعمیر ہے کیونکہ موتی مسجد شاہجہاں کے اخیر عہد میں تعمیر ہوئی ہے اگر اُس وقت یہہ مسجد موجود نہ ہوتی تو قلعہ کے اندر کسی مسجد کا موجود نہ ہونا العجب انگیز ہے[1] یہہ مسجد ۴۵ فیٹ ۱۲ انچہ لمبی اور ۱۹ فیٹ چوڑی ہے۔ اس میں تین تین محرابوں کے دو دالان ہیں۔ شمال و جنوب میں ۱۳-۱۳ فیٹ چوڑے چبوترے ہیں مثل مسجد کے ان پر بھی ۵-۵ مُصلّوں کی تین تین قطاریں بنی ہیں آگے ۴۳ فیٹ چوڑا صحن ہے جس میں ایک حوض بنا ہے اور قریب کی دیوار میں جھرنا لگا ہے۔ چھت پر تین گنبد اور آٹھ مناریاں بنی ہیں۔ گنبدوں پر سنہرے کلس ہیں۔ جن میں درمیانی گنبد کا کلس بہت خوبصورت ہے جس میں ہلال بھی بنا ہے مسجد کے اندر ایک چھوٹا سا حجرہ ہے جس کی نسبت گائڈ لوگ ناواقف سیّاحوں سے بیان کرتے ہیں کہ شاہجہاں اس میں قید تھا اور اُسے اِس سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ اس غلط بیانی سے غیر ملک کے سیّاحوں اور تاریخ سے ناواقف آدمیوں کو دھوکہ ہوتا ہے حالانکہ اُس عہد کی تاریخوں اور مشہور سیّاح ڈاکٹر برنیر کی تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاہجہاں کو تمام شاہی محلوں میں رہنے سہنے اور چلنے پھرنے کی عام اجازت اور آزادی حاصل تھی اور اورنگ زیب کا برتاؤ باپ کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی نہ تھا اور وہ حتی الامکان ہر طرح

---

[1] یہہ بھی ممکن ہے کہ یہہ وہ اکبری مسجد ہو جس کی تعمیر کا ذکر قلعہ کی تعمیر کے ساتھ خافی خاں نے منتخب اللباب میں کیا ہے۔

سے باپ کی خاطرداری کرتا اور کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا رہتا تھا۔

اس مسجد کے قریب ایک خوبصورت نشستگاہ بنی ہے جہاں سے روضہ ممتاز محل اور جمنا کا منظر نہایت خوشنما ہے دیوان خاص۔ دیوان عام۔ نگینہ مسجد اور حمام کے درمیان میں جو وسیع قطعہ ہے اس میں مچھی بھون کی خوبصورت عمارت بنی تھی جس میں سنگ مرمر کے اندر سنگ موسیٰ سنگ ابری اور دیگر بیش قیمت پتھروں کی پچیکاری کا نفیس کام تھا مختلف الوضع حوضوں میں عمدہ نقش و نگار بنے تھے نہریں جاری تھیں۔ سیکڑوں فوارے چلتے تھے۔ آبشاریں اور چادریں گرتی تھیں غرضکہ نہایت دلکش اور فرح بخش مقام تھا۔ جب سورج مل جاٹ کا قلعہ پر قبضہ ہوا تو اس نے تمام عمارت کو کھدوا کر سب عمدہ پتھر ڈیگ لے گیا اور انہی پتھروں سے وہاں مچھی بھون بنوایا۔ کچھ پتھر انگریزی عملداری تک موجود تھے جو لارڈ ولیم بینٹنک گورنر جنرل کے حکم سے نیلام کردئے گئے۔ مچھی بھون کے مشرقی ضلع میں جو دروازہ ہے وہ چتوڑ دروازہ کے نام سے مشہور اور ۱۵۶۷ء میں فتح چتوڑ گڈھ کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔

مچھی بھون

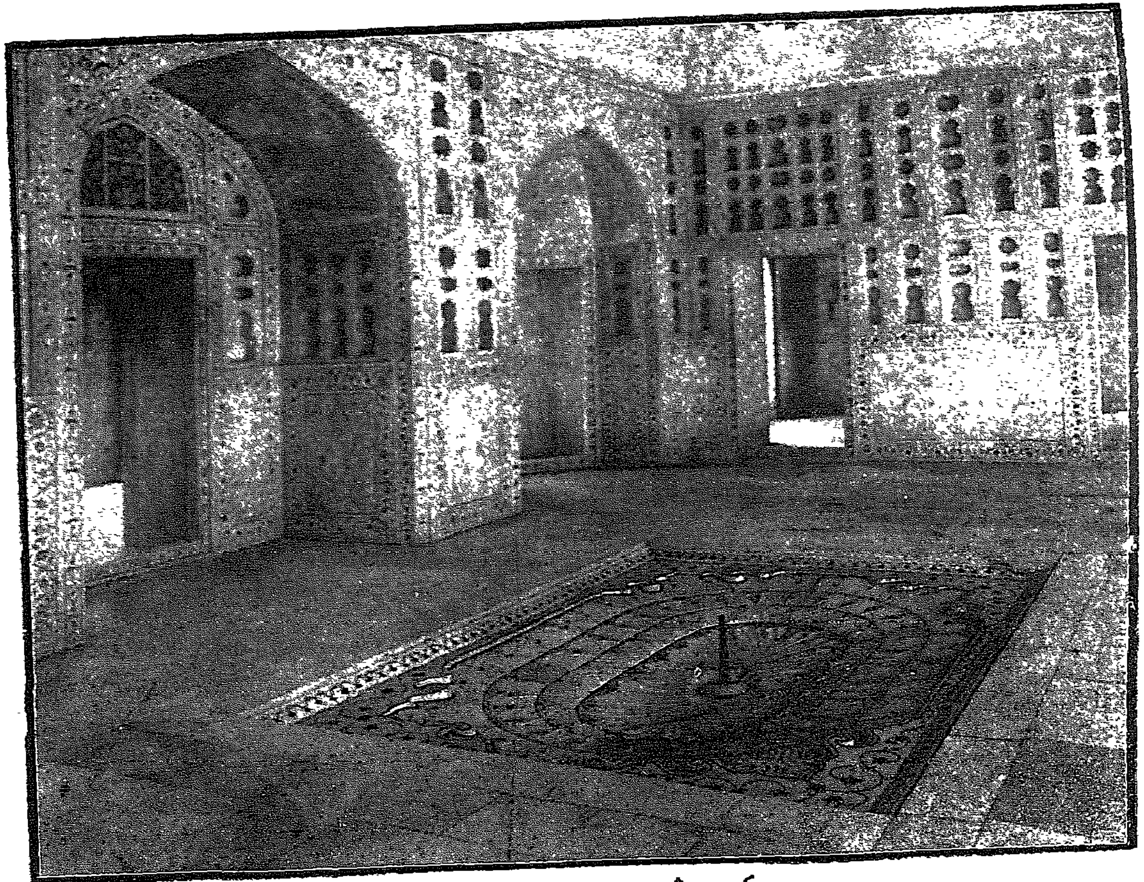
چتوڑ دروازہ

حمام

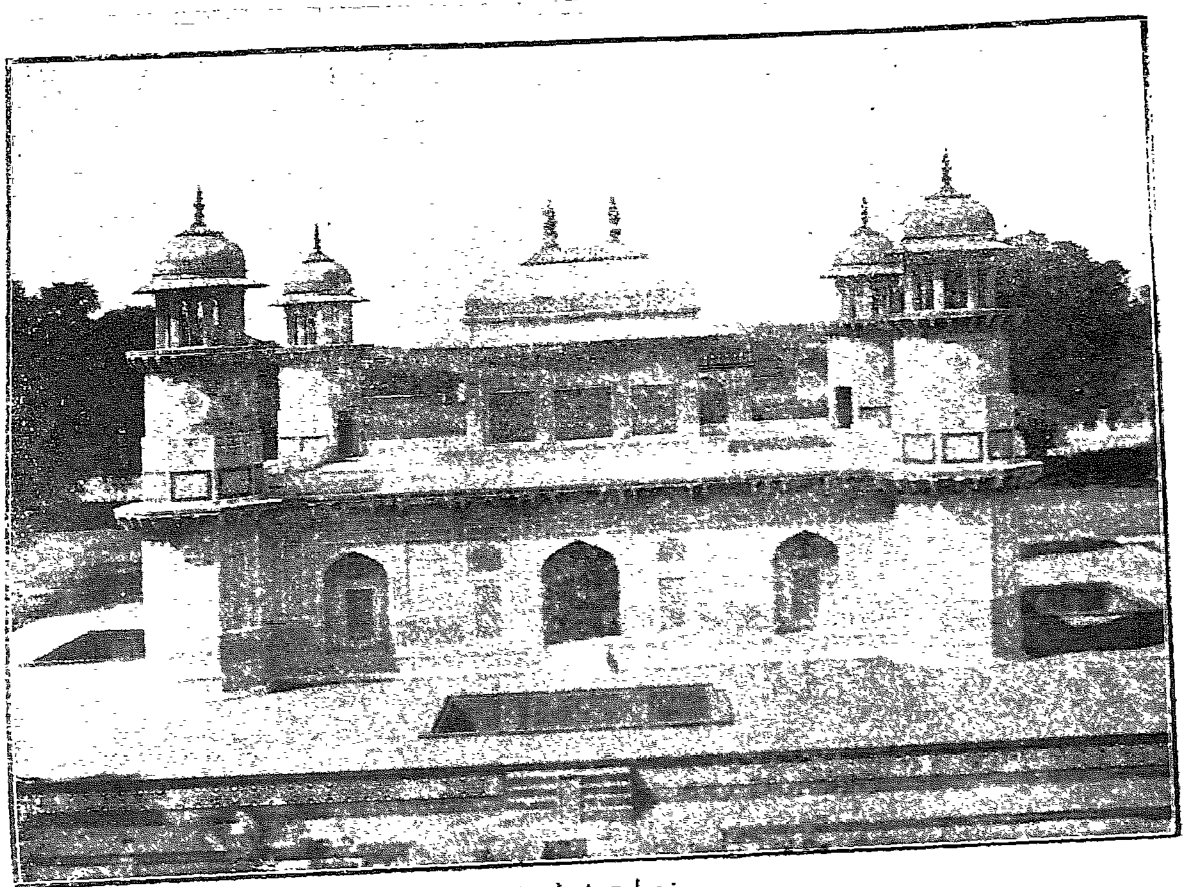
دیوان خاص کے صحن کے شمالی جانب یہہ شاہی حمام واقع ہے۔ اس میں کئی درجے ہیں۔ وسط میں ایک بڑا حوض ہے جس میں فوارے چھوٹا کرتے تھے۔ پچیکاری اور منبت کاری کا خوبصورت کام تھا اور اکثر درجوں میں شیشہائے حلبی سے آئینہ بندی کی گئی تھی۔ اگرچہ اس کی گذشتہ خوبصورتی اب باقی نہیں رہی لیکن اکثر جگہ کی آئینہ بندی اب تک موجود ہے۔ مشرقی جانب یعنی دریا کی طرف چھ دروازہ ہیں جن میں آئینہ بندی تھی۔ کئی ٹوٹے پھوٹے حوض باقی ہیں۔

مثمن برج

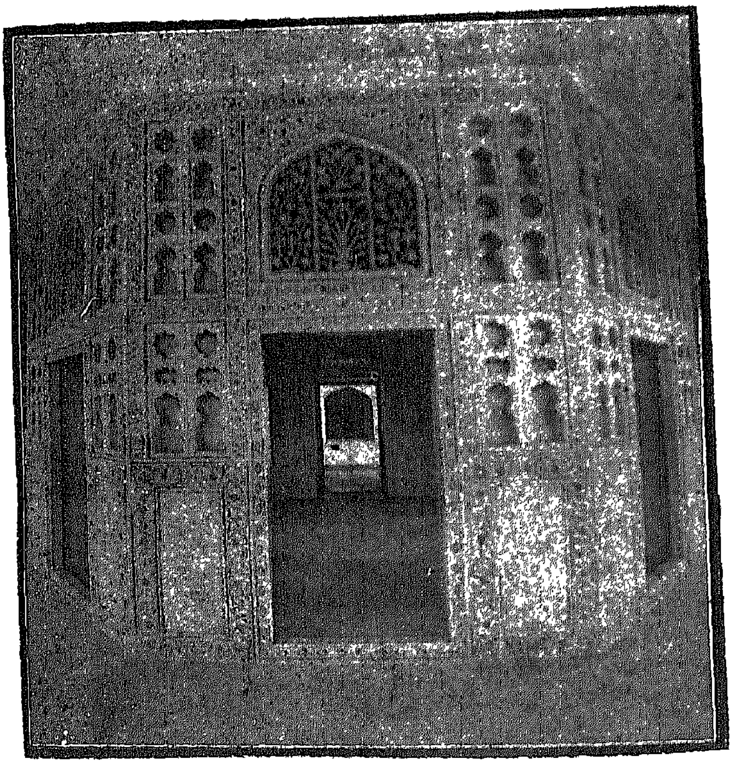
مثمن برج جو شاہی زمانہ میں شاہ برج کے نام سے موسوم تھا دیوان خاص سے ملا ہوا



کمرهٔ مثمن برج و حوض و فواره



روضہ اعتماد الدولہ



کمرہ مثمن برج

مشرقی جانب واقع ہے۔ اسکی بدیع المثال اور اعجوبہ روزگار صناعیاں حد بیان سے باہر ہیں۔ صناعانِ عدیم المثال نے جواہر گراں بہا کی پچیکاری، دلنواز طلائی شگوفہ کاری اور طرح طرح کی نقیس منبت کاری سے اس کو بہشت فردوس بنادیا تھا۔ اگرچہ جاٹوں نے اپنے چند روزہ حکومت کے زمانہ میں اس کے تمام قیمتی پتھر اکھاڑ لئے مگر اب بھی اس کی خوبصورتی اور باقیماندہ پچیکاری اور گلکاری کو دیکھ کر انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔

فرگسن صاحب کا یہ خیال کہ مثمن برج کی عمارت اکبری یا جہانگیری عہد کی تعمیر ہے بالکل غلط ہے۔ اکبر کے وقت میں بھی اس برج کی عمارت سنگ مرمر کی تھی جہانگیر نے اس کے آگے کچھ ایوان سنگ مرمر کے اور بنوائے۔ شاہجہاں کی نفاست پسند طبیعت نے اس عمارت کو پسند نہ کیا اور کل عمارت کو منہدم کراکر موجودہ عمارت از سر نو تعمیر کرائی[سلہ]

زنجیر عدل

جہانگیر نے تخت پر بیٹھ کر اول یہ حکم صادر کیا "بعد از جلوس اولین حکمے کہ از من صادر گشت بستن زنجیر عدل بود کہ اگر متصدیانِ مہمات دار العدالت در داد خواہی و غور رسی ستم رسیدگان و مظلومان اہمال و مداہنہ ورزند آن مظلومان خود را بدین زنجیر رسانیدہ سلسلہ جنبان گردند تا صدائے آن باعث آگاہی گردد۔ وضع آن برین نہج است کہ از طلائی ناب فرمودم زنجیرے سازند طولش سی گز مشتمل بر شصت زنگ و وزن آن چہار من ہندوستانی کہ سی و دو من عراقی بود باشد یک سرش بر کنگرہ شاہ برج قلعہ آگرہ استوار ساختہ سر دیگر را تا کنارہ دریا بردہ بر میل سنگین کہ نصب شدہ بود مستحکم ساختند"۔ چنانچہ یہ زنجیر عدل اسی برج کے کنگورے پر باندھی گئی تھی جس کا سنگین ستون دریائے جمنا کے کنارے مرہٹوں کے وقت تک موجود تھا۔

شاہجہاں کا آرامگاہ بھی یہی برج تھا اسی میں ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ شب یکشنبہ کو آدھی رات سے کچھ پہلے اس نیکنام اور ہردلعزیز بادشاہ کا انتقال ہوا۔ وفات کی تاریخ یہ ہے ؎

سال تاریخ فوت شاہجہاں   رضی اللہ گفت اشرف خاں
(۱۰۷۶)

سلہ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۲۳۶

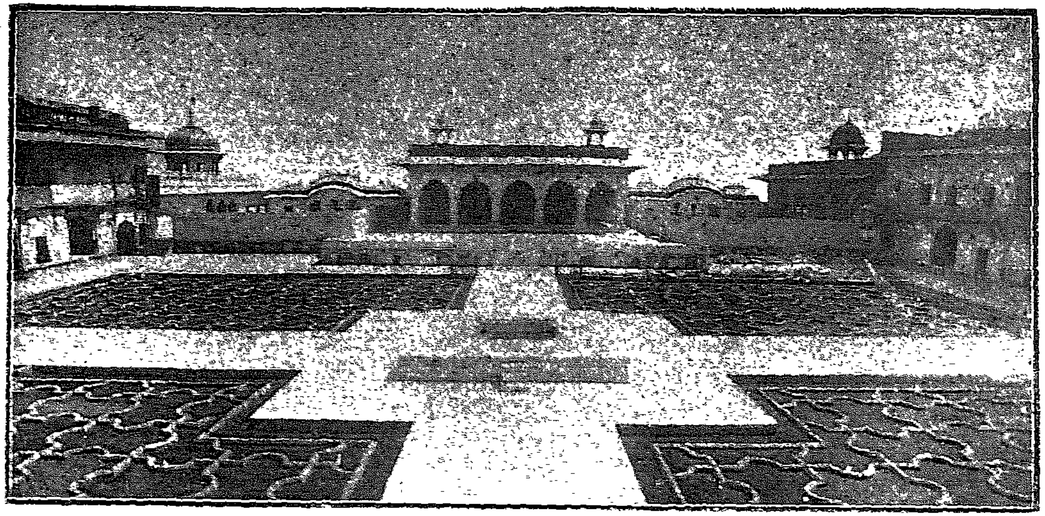
یہ مثمن برج دو منزلہ ہے جس کے اوپر اب سنہرا پتر چڑھا ہوا ہے۔ اس کا قطر ۸ گز کا ہے[1] منجملہ آٹھ دروازوں کے پانچ دروازے جمنا کی طرف ہیں جن کے آگے ۱۵ در کی غلام گردش واقع ہے۔ درمیان میں مشرقی جانب چار ستونوں کی خوشنما شہ نشین بنی ہے۔ مغربی جانب ایک دالان بنا ہے یہ آرامگاہ معلّی کے نام سے موسوم تھا اس دلان میں مشرقی جانب تین محرابیں ہیں درمیان میں نہایت خوشنما اتھلا حوض بنا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے فوارے لگے ہیں۔ دالان کے آگے وسیع صحن ہے جس کے شمالی جانب کنگورہ دار خوشنما جالیاں اور مغربی جانب بکدرہ بنا ہوا ہے جس میں آبشار کا جھرنا لگا ہوا ہے۔ اس جھرنے سے پانی گر کر نالی کے ذریعہ سے حوض میں پہنچتا تھا یہ کل عمارت خالص سنگ مرمر کی ہے جس میں عقیق و مرجان اور دیگر احجار رنگین سے نہایت نفیس و باریک پچیکاری اور خوشنما منبت کاری کی ہوئی ہے جس کی خوشنمائی حدِ بیان سے باہر ہے۔ اکثر مقامات پر طلائی گلکاری کے نشانات بھی اب تک موجود ہیں۔ غلام گردش کے ستونوں اور محرابوں اور حوض پر بھی باریک کام کیا ہوا ہے اور برج کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے خوشنما طاق بنے ہیں

شاہ برج کے جنوب میں تین در کی ایک نشستگاہ بنی ہے جس کے شمالی اور جنوبی گوشے میں ایک ایک حجرہ ہے ان حجروں میں چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہیں اور مشرقی جانب یعنی دریا کی طرف کے دروں میں آئینہ بندی کی ہوئی ہے چھت نشستگاہ کی راوٹی نما پٹی ہے جس کے اوپر پیتل کا پتر چڑھا ہوا ہے اور چودہ کلس لگے ہیں آگے وسیع صحن ہے جس میں سنگ مرمر کا فرش ہے۔

زنانی مسجد

دیوان خاص کے گوشے جنوب و مغرب میں تین در کی ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کی لمبائی ۲۰ فیٹ اور چوڑائی ۱۱½ فیٹ ہے دیوان خاص کی پشت پر ایک راستہ ہے اس راستہ سے گذر کر اس مسجد میں پہنچتے ہیں۔ یہ سنگ مرمر کی نفیس مسجد حرم سرا کی بیگمات اور شاہزادیوں کے واسطے

[1] قلعہ کی عمارتوں کی پیمائش جہاں گز سے بیان کی گئی ہے اُس سے مراد شاہجہانی گز ہے جس کی لمبائی چالیس انگشت تھی جو برابر ہے ۲½ فیٹ انگریزی کے



خاص محل مع انگوری باغ

بنائی گئی تھی۔ اس میں دو قطاروں میں ۸ مصلے بنے ہیں۔ صحن شرقاً غرباً ۳۱ فیٹ اور شمالاً جنوباً ۲۰ فیٹ لمبا ہے اس کا فرش بہت خوبصورت ہے۔

شیش محل

دیوان خاص کے نیچے اور انگوری باغ کے شمالی جانب ایک زنانہ حمام یا غسل خانہ ہے جو اب شیش محل کے نام سے موسوم اور نہایت دار السرور ہے ۱۸۵۷ء کے غدر میں بہت سے انگریز اس عمارت میں مقیم تھے۔ محلات کے زنانہ درجہ میں یہہ بہت خوبصورت اور دلچسپ جگہ ہے اس کے در و دیوار پر بعض جگہ آئینہ بندی اور بعض جگہ طلائی شگوفہ کاری اور رنگہائے گوناگوں سے طرح طرح کی گلکاری کی ہوئی ہے۔ اس میں دو حوض ہیں۔ پہلے حوض میں ایک جھرنے کے ذریعہ سے پانی پہنچتا تھا اور اس میں بھر کر ایک نہر کے ذریعہ سے جس کی لمبائی ۱۱ گز اور چوڑائی ایک گز ہے دوسرے بڑے حوض میں گرتا تھا۔ جب حوض میں آبشار گرتی ہوگی نہر میں پانی رواں ہوگا۔ فوارے چلتے ہونگے رنگ برنگ کی روشنی میں ہزاروں شفاف نگینے چمکتے ہونگے کیا خوبصورت اور عجیب و غریب منظر پیدا ہوتا ہوگا۔ اس شکستہ حالت میں بھی جب خادم مہتابی یا سلائی جلاتا ہے تو چند سکنڈ کے واسطے طلسماتی منظر پیدا ہو کر الف لیلہ کی کہانیوں کا منظر پیش نظر ہو جاتا ہے۔

محل خاص

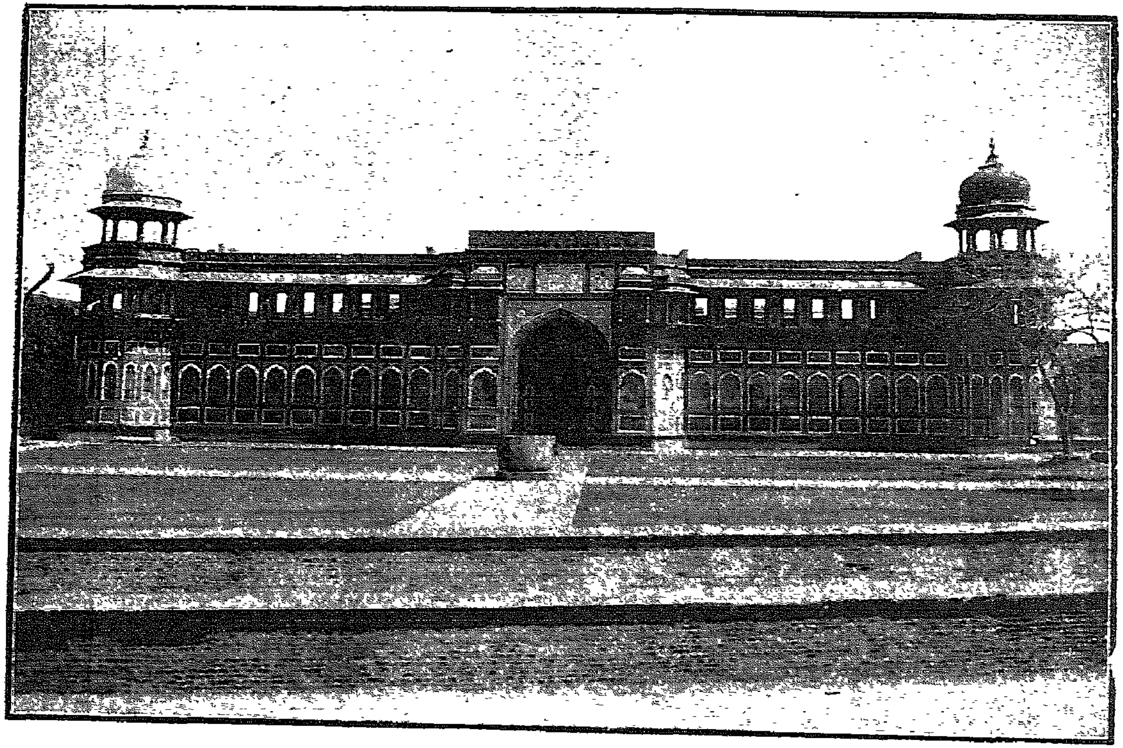
مثمن برج سے ملا ہوا جنوبی جانب یہہ محل واقع ہے یہہ شاہجہاں کی بڑی بیٹی جہاں آرا بیگم کے واسطے بنایا گیا تھا جو بیگم صاحبہ کے خطاب سے موصوف اور باپ کی نہایت منظور نظر اور ایام قید میں بھی باپ کی غمخوار اور رنج و راحت کی شریک تھیں ان کی جاگیر کی آمدنی ساٹھ لاکھ روپیہ سال تھی اور شاہجہاں کی سلطنت میں ان کو بیحد اختیار و اقتدار حاصل تھا یہہ محل دریائے جمن کے سامنے ستر فیٹ کی بلندی پر سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے۔ یہہ نہایت اعلیٰ درجہ کی منبت کاری

اور طلائی گلکاری سے آراستہ اور طرح طرح کے تکلفات سے پیراستہ تھا جس کا کچھ نمونہ اب تک باقی ہے۔ دریا کی طرف دالان بنا ہے جس کے شمال و جنوب میں سینچی نما محرابیں ہیں مشرقی دروازوں میں آئینہ بندی کی ہوئی ہے۔ آگے دوسرا دالان ہے جس میں پانچ محرابیں مغربی جانب اور تین تین شمال و جنوب میں ہیں چھت بہت خوبصورت اور خاص صنعت کے ساتھ پاٹی گئی ہے۔ دالانوں کے نیچے وسیع صحن ہے جس میں سنگ مرمر کا فرش اور درمیان میں بہت خوشنما اور وسیع حوض ہے جس میں گوشوں اور کناروں کے چھوٹے چھوٹے فواروں کے علاوہ درمیان میں پانچ بڑے فوارے لگے ہیں۔ جنوبی جانب اسی طرز کی تین در کی نشستگاہ بنی ہے جیسی مثمن برج کے جنوبی جانب ہے اس کے بعد مثمن برج کے جواب میں اسی طرز کا سنگ سرخ کا دو منزلہ برج بنا ہے جس کے اندر نفیس صندلی پر طلائی اور لاجوردی گلکاری کی ہوئی تھی جس کا کچھ نمونہ اب تک موجود ہے۔

پھانسی گھر محل خاص کے زیریں قطعے کو پھانسی گھر بتایا جاتا ہے وہ بالکل بے اصل اور خلاف عقل وا بعید ہے

انگوری باغ

یہ آرامگاہ معلی اور محل خاص کا پائیں باغ محل خاص کے سامنے مغربی جانب واقع ہے اس میں چار چمن بنے ہیں جن میں سنگ سرخ کی لہریہ دار کیاریاں ہیں۔ درمیان میں سنگ مرمر کا حوض اور روشیں بنی ہیں۔ شاہی زمانہ میں اس میں طرح طرح کے خوشنما پھول جو اپنی بھینی بھینی خوشبو سے نہ صرف باغ بلکہ محلات قرب و جوار کو بھی معطر رکھتے تھے اور عمدہ عمدہ میووں کے درخت موجود تھے جنکی وجہ سے یہاں باغ ارم کا جلوہ نظر آتا تھا بادشاہ نے کشمیر کے اس مقام سے جہاں زعفران پیدا ہوتا ہے اس کے واسطے مٹی منگوائی تھی اب بھی انگریزی طرز پر یہ باغ سرسبز و شاداب ہے اسکی لمبائی ۲۳۵ فیٹ اور چوڑائی ۱۷۰ فیٹ ہے۔ اندگرد سنگ سرخ کے دالان بنے ہیں اور یہیں سے اکبری اور جہانگیری عمارت شروع ہوتی ہے۔ ایک دالان میں محمود غزنوی کے مقبرہ کا صندلی پھاٹک رکھا ہوا ہے جسے ابتدا میں غلطی سے سومنات کے مندر کا پھاٹک سمجھا گیا تھا



دروازہ جہانگیری محل

چنانچہ اس مضمون کا اشتہار انگریزی۔ اردو اور ہندی میں اسپر چسپاں ہے۔

جہانگیری محل

انگوری باغ کے جنوب میں سنگ سرخ کی کئی عالیشان عمارتیں ہیں جو اکبری اور جہانگیری عہد کی باقی ماندہ یادگار اور جہانگیری محل کے نام سے موسوم ہیں ان عمارتوں میں متعدد قطعے ہیں جن میں اکثر دو منزلہ سہ منزلہ اور ہندوانی طرز کے تماشا ہیں۔ ان عمارات کا صدر دروازہ نہایت شاندار ہے جو مغربی جانب واقع ہے۔ اس کے اطراف میں نفیس منبت کاری اور خوبصورت سنگ مرمر کی پچیکاری کی ہوئی ہے۔ آس پاس دیواروں پر خوشنما محرابیں بنی ہیں۔ محل کی مشرقی دیوار پر بیرونی جانب ہاتھیوں کی لڑائی کا منظر دکھایا ہے اور چودہ پندرہ جگہ برابر برابر دو دو ہاتھی سونڈیں ملائے تراشے ہیں۔

ان محلات میں علی العموم منقش پتھر لگا ہے بعض بعض جگہ رنگین نقش و نگار بھی موجود ہیں۔ ہاتھیوں موروں اور دیگر جانوروں کی تصویریں اکثر جگہ پتھروں میں تراشی ہوئی ہیں۔ کسی کسی جگہ چینی کا خفیف کام بھی باقی رہ گیا ہے۔ اس قطعے میں جو جودھ بائی کے نام سے موسوم ہے پرکھا اور ایک طرف مندر بنا ہے۔ جو جودھ بائی کو ناواقف لوگ اکبر کی بی بی اور جہانگیر کی ماں بیان کرتے ہیں حالانکہ جہانگیر کی بی بی اور شاہجہاں کی ماں تھیں۔ اس محل کی درمیانی منزل میں بہت سی چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں اور گیلیریاں بطور بھول بھلیوں کے بنی ہیں ایک دالان میں گذشتہ طلائی رنگ آمیزی اور گلکاری کا تھوڑا سا نمونہ از سر نو بنا کر دکھایا گیا ہے چھت پر چڑھنے کے واسطے متعدد رستے بنے ہیں ایسے توڑوں اور نقش و نگار کی ساخت فتحپور سیکری کی عمارات سے ملتی جلتی ہے۔

جہانگیری حوض

جہانگیری محل کے بیرونی میدان میں وہ سنگین حوض رکھا ہے جسے جہانگیر نے ١٠١٩ھ / ١٦١١ء میں بنوایا تھا۔ یہ حوض ۵ فیٹ بلند ہے اس کا محیط ۲۵ فیٹ قطر ۸ فیٹ اور گہرائی ۴ فیٹ ہے اور ایک پتھر میں تراشا گیا ہے۔ اس حوض پر قطعہ تاریخ کندہ ہے جس کے اب صرف یہ دو شعر

پڑھتے میں آتے ہیں ؎

پناہ ملک و دیں شاہِ جہانگیر ابن اکبر شاہ	شہنشاہے کہ از تدبیر او شد کار تقدیرے
طلب کردند چوں از خضر سال و خرد گفتا	نہاں شد از خجالت زمزم از حوضِ جہانگیری
	۱۰۱۹

واٹر ورکس یا کارخانہ آب رسانی

جہانگیری محل کے شمال و مشرق گوشہ میں کارخانہ آب رسانی واقع ہے جس کے اب صرف دو حوض باقی ہیں۔ جہانگیری محل کے شمال و مشرق گوشہ میں زینہ بنا ہے اُس پر چڑھ کر ان حوضوں تک پہنچتے ہیں دریا سے ان حوضوں میں پانی پہنچایا جاتا تھا جس کا سلسلہ اب شکست ہو گیا ہے۔ پھر ان حوضوں سے تمام قلعہ میں پانی دیا جاتا تھا۔ آخری حوض کے اوپر سوراخ بنے ہیں اور ہر قلبہ کا نام کندہ ہے کہ یہ فلاں حوض یا حمّام کا قلبہ ہے جس جگہ پانی پہنچانا ہوتا تھا وہی قلبہ کھول دیا جاتا تھا حسب ذیل قلبوں کے نام اب تک کندہ ہیں۔ قلبہ حمّام خورد۔ قلبہ آبجوری۔ قلبہ حمّام کلاں۔ قلبہ حوض کلاں قلبہ مرغول۔

باولی

جہانگیری محل کے قریب جنوبی جانب منہدمہ محلات کے کھنڈروں میں یہ سنگ سرخ کی عالیشان باولی واقع ہے جس میں نیچے سے اوپر تک چھ منزلیں ہیں۔ سب سے نیچے کے درجہ میں چار اور باقی درجوں میں چھ چھ دروازے ہیں۔ اُس میں اُترنے کے واسطے دو راستے ہیں جن میں ایک زینہ میں اوپر سے نیچے تک ۲۳ + ۱۵ + ۱۶ + ۱۵ + ۱۴ + ۱۳ کل ۹۶ سیڑھیاں بنی ہیں۔

سلیم گڈھ

دیوان عام کے سامنے مغربی جانب سنگ سرخ کی جو بارہ دری نظر آتی ہے وہ سلیم گڈھ کے نام سے مشہور اور سلیم شاہ ابن شیر شاہ سور کی یادگار بتائی جاتی ہے۔ یہ ایک سنگین چبوترہ پر بنی ہے اس

اس میں چاروں طرف تین تین دروازے ہیں پتھروں پر نقاشی کی ہوئی ہے اور توڑے بھی بہت خوبصورت ہیں۔

مینا بازار

موتی مسجد کے گوشہ جنوب و مغرب میں مینا بازار کی عمارت ہے۔ جہاں زنانہ بازار لگا کرتا تھا۔ دوکانوں پر تمام عورتیں ہی عورتیں نظر آتی تھیں۔ اُمرا اور شُرفا کی بیبیوں کو عام اجازت تھی کہ جو چاہے آکر تماشہ دیکھے۔ سودا بھی زیادہ تر زنانہ ہی رکھا جاتا تھا ہر مہینے میں ایک مرتبہ یہ بازار لگا کرتا تھا اُس دن کا تمام خوش روز تھا۔ اس مینا بازار کے دن اکثر نسبتیں اور رشتے بھی ہو جاتے تھے۔

باب چہارم

عمارات لبِ دریائے جمن جانب مشرق

سکندر لودی اور بابر اور ہمایوں کے عہد میں آگرہ دریا کے دونوں طرف برابر آباد تھا یعنی دریا شہر کے وسط میں بہتا تھا اکبر کے زمانہ سے مغربی جانب آبادی بڑھی اور مشرقی آبادی کو تنزل ہوتا گیا لیکن سلطنت مغلیہ کے اخیر عہد تک مشرقی آبادی کا دور ڈھائی کوس تھا اور دریا کے کنارے تو چار کوس تک باغات اور مقابر کا سلسلہ چلا گیا تھا جس کے نشانات اب تک پائے جاتے ہیں۔ اب اس جانب کی آبادی مسلسل قائم نہیں رہی اور بجائے ایک آبادی کے اعتماد الدولہ۔ نُنہائی۔ شاہدرہ۔ پھپیورہ۔ کٹرہ وزیر خاں۔ کٹرہ رام باغ کے نام سے چھ مقامات پر دیہاتی طرز کی حد اگانہ آبادی ہے ریلوے اسٹیشن نے اس جانب کی آبادی اور آثارات قدیمہ کے بڑے حصہ کو نیست و نابود کر دیا

محلہ مفتی پورہ

چنانچہ جس مقام پر اب اسٹیشن واقع ہے یہاں شاہی زمانہ میں بہت بڑا محلہ آباد تھا جو شیخ بہاء الدین مفتی کی نسبت سے مفتی پورہ کے نام سے موسوم تھا۔ اب اس محلہ کے کوئی آثار باقی نہیں رہے۔ اس محلہ میں بڑے بڑے عالم فاضل آباد تھے جن کے مزارات کا بھی اب پتہ نہیں چلتا۔

شیخ مفتی

ان علماء میں سب سے زیادہ مشہور شیخ بہاؤالدین مفتی تھے جو شیخ شمس الدین ابن محبوب اللہ ابن شیخ پیر القریشی الاسدی الہاشمی الملتانی کے بیٹے اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریا قدس سرہ کی اولاد میں تھے آپ جمیع علوم عقلی و نقلی سے موصوف اور زیور صلاح و تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ بابر بادشاہ کے عہد میں آگرہ میں وارد ہو کر جمنا پار آباد ہوئے اور تمام عمر عبادت و ریاضت اور درس تدریس میں بسر کی۔ آپ نہایت متوکل اور اُمرا اور سلاطین کی صحبت سے متنفر تھے تمام عمر کسی بادشاہ یا امیر در پر نہیں گئے ۱۱ شوال ۹۴۸ھ (۱۵۴۱ء) کو انتقال فرمایا۔ رئیس بہشت وفات کی تاریخ ہے۔

شیخ جنید مفتی

شیخ بہاؤالدین کے بیٹے شیخ جنید بھی عالم باعمل اور بہت بڑے بزرگ تھے بلکہ بعض علوم میں اپنے پدر بزرگوار پر بھی سبقت لے گئے تھے۔ باپ کی طرح آپ بھی تمام عمر سلسلہ درس و تدریس میں مشغول رہے اور ۹۹۹ھ (۱۵۹۰ء) میں وفات پائی۔

شاہ میر سامانہ

سید شاہ میر سامانہ۔ آپ سادات صحیح النسب سے تھے فضائل علمی کے ساتھ کمالات معنوی کے اوصاف سے موصوف اور بڑے عابد و زاہد اور قانع بزرگ تھے۔ آپ نے شیخ بہاؤالدین مفتی کے مکان کے قریب ایک خانقاہ بنائی تھی جس میں بہت سے طلبا اور صوفی جمع رہتے اور آپ کی صحبت سے فائدے اُٹھاتے تھے۔ تمام عمر آپ نے سلسلہ درس تدریس و رشد و ہدایت ارشاد کا جاری رکھا۔

مولانا فرید

مولانا فرید سید شاہ میر کے شاگرد تھے۔ اگرچہ انھوں نے علم زیادہ تحصیل نہ کیا تھا مگر ذہن اس بلا کا تھا کہ مشکل سے مشکل مسائل منتہیانہ کتابوں سے نکالکر حل کر دیتے تھے۔ مشہور تھا کہ فرید مشرق و مغرب کے تمام واقعات ہر شب اپنے اُستاد کے سامنے بیان کر دیتے ہیں اس سے لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی جن اُن کا مطیع ہے۔ شیخ ضیاء اللہ ابن شیخ محمد غوث گوالیاری مع تمام سلسلہ غوثیہ کے مولانا فرید کے معتقد تھے۔

اِن بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگ محلہ مُفتی پورہ اور قرب وجوار میں آباد اور مدفون تھے مگر باستثنائے چند مزارات کے جن کا بیان مناسب موقع پر آئندہ کیا جاویگا اب کسی مزار یا خانقاہ کا پتہ نہیں سے

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند — کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند

باقیماندہ عمارتیں اور آثار حسب ذیل ہیں۔

روضہ اعتماد الدولہ

اعتماد الدولہ کا اصلی نام میرزا غیاث الدین محمد معروف بہ غیاث بیگ تھا۔ یہ میرزا شریف ہجری وزیر شاہ طہماسپ صفوی والی ایران کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد ناسازئی روزگار سے ترک وطن کرکے مع دو لڑکوں۔ ایک لڑکی اور بی بی کے ہندوستان روانہ ہوا۔ راستہ میں تمام اسباب لُٹ گیا اور سوائے دو اونٹوں کے اور کوئی سواری بھی پاس نہ رہی یہ مختصر قافلہ انہی دو اونٹوں پر اُترتا چڑھتا قندھار تک پہنچا۔ یہاں ایک اور مصیبت پیش آئی کہ حاملہ بی بی کو وضع حمل ہوا اور اس بے سروسامانی کے عالم میں نورجہاں بیگم پیدا ہوئی جس کا نام مہرالنساء رکھا گیا۔ ملک مسعود نام ایک ایرانی سوداگر نے جو مع اپنے قافلہ اور مال و اسباب تجارتی کے شہنشاہ اکبر کے دربار میں آرہا تھا میرزا کے حالات پر مُطلع ہوکر رحم کھایا اور خاص سلوک کرکے نہ صرف فتحپور سیکری تک ہی پہنچا دیا بلکہ بادشاہ سے سفارش کرکے مُلازمانِ شاہی میں منسلک کرا دیا پھر اس نے اپنی حُسنِ خدمت سے ترقی پاکر دیوانی بیوتات کا عہدہ اور منصب ہزاری حاصل کیا۔

جہانگیر نے تخت نشین ہوکر خطاب اعتماد الدولہ مرحمت فرمایا اور اپنی سرکار کا دیوان مقرر کیا۔ ۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۷ء میں محمد شریف ابن غیاث بیگ نے اور لوگوں سے سازش کرکے سُلطان خسرو کو قید سے چھڑانا چاہا لیکن اس سازش کا حال قبل از وقت بادشاہ پر ظاہر ہوگیا جس کی سزا میں محمد شریف قتل اور اعتماد الدولہ کو شُبہ میں قید کیا گیا جس نے آخر کار دو لاکھ روپیہ جرمانہ ادا کرکے

قید سے رہائی پائی۔ ۱۰۲۰ھ؁ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے مہرالنساء سے شادی کر کے اول نور محل اور پھر نور جہاں بیگم خطاب مرحمت فرمایا اسی سلسلہ میں اعتماد الدولہ کو علم و نقارہ اور منصب شش ہزاری سہ ہزار سوار عطا ہوا اور وہ کالت کل کے منصب پر سرفرازی پائی اور اس خاندان کو ایسا عروج حاصل ہوا کہ خاندان کے غلام تک امارت کے درجہ پر پہنچے۔ اس خاندان کا یہ عروج سلطنت مغلیہ کے اخیر عہد تک قائم رہا۔

۱۰۳۰ھ؁ ۱۶۲۱ء میں اعتماد الدولہ کی بی بی نے جو نہایت عقلمند، نیک طینت، خوش سیرت اور تعلیم یافتہ خاتون اور عطر جہانگیری کی موجد تھی انتقال کیا۔ اعتماد الدولہ کو اسکی وفات کا ایسا صدمہ ہوا کہ تین ماہ بیس دن کے بعد ۱۷ ربیع الاول ۱۰۳۱ھ؁ ۱۶۲۲ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ بادشاہ نے اس کے اکتالیس لڑکوں اور عزیزوں کو خلعت ماتمی مرحمت کیا۔ اعتماد الدولہ نہایت کاروان معاملہ فہم، نیک اندیش، سلیم النفس خوش سلوک اور رحیم دل امیر تھا حلم کا یہ حال تھا کہ تمام عمر کبھی غصہ نہ آیا جہانگیر کا قول تھا کہ اعتماد الدولہ کی صحبت مفرح یاقوتی سے بہتر ہے وہ خط شکستہ نہایت متین و آبدار لکھتا تھا اور انشا میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اگرچہ وہ شاعر نہ تھا مگر تمام شعرائے متقدمین کے اشعار اس کو حفظ تھے حالت نزع میں جب جہانگیر عیادت کے واسطے گیا تو نور جہاں بیگم نے بادشاہ کی طرف اشارہ کر کے باپ سے کہا کہ انہیں پہچانتے ہو۔ اعتماد الدولہ نے آنکھ کھولکر بادشاہ کی طرف دیکھا اور اسی حالت میں فوراً انوری کی یہ بیت پڑھی ؎

آنکہ نابینائے مادرزاد اگر حاضر شود ۔۔۔۔۔۔ در جبین عالم آرائش ببیند مہتری

نور جہاں بیگم نے اپنے ماں باپ کا مقبرہ خالص چاندی کا بنوانا چاہا تھا لیکن سب امرا اور ارکین دولت نے اس رائے سے مخالفت کی اور سمجھایا کہ چاندی کا مقبرہ نہ خوبصورت بن سکتا ہے نہ آئندہ قائم رہ سکتا ہے لہذا بیگم نے چاندی کے مقبرہ سے زیادہ لاگت صرف کر کے یہہ روضہ تعمیر کرایا جو ۱۰۳۷ھ؁ ۱۶۲۸ء میں بنکر تیار ہوا۔ یہہ جمنا پار یعنی مشرقی کنارہ پر واقع اور روضہ ممتاز محل اور روضہ اکبر بادشاہ (سکندرہ) کے بعد آگرہ کی تیسری خوبصورت عمارت ہے جس کے حسن و خوشنمائی کی تعریف کسی طرح نہیں ہو سکتی

یہہ عمارت اگرچہ بمقابلہ اُن دونوں عمارتوں کے چھوٹی ہے مگر اس کی بعض جگہ کی نفیس و باریک منبت کاری تاج (روضہ ممتاز محل) کی منبت کاری سے بھی اعلیٰ اور اس کے فرش کی خوشنما گلکاری اور پچیکاری سب پر بالا ہے۔

پختہ سڑک اور مقبرہ کے درمیان میں ایک مختصر باغ واقع ہے جس میں ہو کر اس کے صدر دروازہ پر پہنچتے ہیں۔ روضہ کی عمارت دوسرے باغ[1] کے درمیان میں ہے جو ایک پختہ چہار دیواری سے جس کے چاروں گوشوں پر ۸ - ۸ در کے سنگین برج ہیں محصور ہے۔ شمال و جنوب اور مشرق میں آمنے سامنے تین عالیشان دروازے سنگ سرخ کے ہیں جن کے در و دیوار میں بیرونی جانب سنگ مرمر کی پچیکاری اور اندر طلائی اور رنگا رنگ کی بہت خوبصورت نقاشی کی ہوئی ہے ہر دروازہ پر دو دو گلدستے اور دو دو برجیاں بنی ہیں۔ اب شمال و جنوب کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں صرف مشرقی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ مغربی جانب مشرقی دروازہ کے محاذ میں لب دریا ایک خوبصورت نشستگاہ بنی ہوئی ہے۔

روضہ کی عمارت ایک مربع سنگ سرخ کے چبوترہ کے درمیان میں واقع ہے جس کا ہر ضلع ۱۴۸ فیٹ ۲ انچہ اور بلندی ۳ فیٹ ۵ انچ ہے۔ روضہ کے گرد چبوترہ پر چاروں طرف ایک ایک حوض بنا ہے جو ۲۶ فیٹ۔ ۱۰ انچہ لمبا اور ۱۹ فیٹ چوڑا ہے۔ اِن حوضوں کے فوارے اگرچہ خراب ہو گئے ہیں مگر اب تک موجود ہیں۔

روضہ کے سنگ مرمر کے مربع چبوترہ کی لمبائی و چوڑائی ۶۸ فیٹ اور بلندی ۲ فیٹ ۸ انچہ ہے روضہ کے ہر ضلع میں تین تین در ہیں جن میں درمیانی در کھلا ہوا اور اردگرد کے در باریک جالیوں سے بند ہیں۔ ایک ایک جالی درمیانی کھلے ہوئے دروں کے اردگرد بھی نصب ہے۔ بیرونی سمت میں چبوترہ سے عمارت کی چوٹی تک خالص قیمتی سنگ مر لگا ہوا ہے جس میں مختلف کئی رنگوں کے قیمتی پتھروں کی پچیکاری اور بے نظیر منبت کاری کی ہوئی ہے خصوصاً محرابوں کے اندر کی منبت کاری نہایت باریک اور خاصکر قابل دید ہے۔ محرابوں کے اوپر بیرونی جانب پوری

[1] مقبرہ کے باغ کا رقبہ موجب بیگہ پختہ یا ۲۸-۱ ایکڑ ۲ روڈ ۹ پول ہے۔

سورۃ الفتح یعنی اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا الخ اور سورہ مزمل الخ اُبھرے ہوئے حروف اور نہایت خوشخط خط نسخ میں کندہ ہے، جو مغربی ضلع کے جنوبی گوشہ سے شروع ہو کر اُسی کے قریب کے برج کے نیچے ختم ہوئی ہے۔ اخیر میں کتبہ عبدالنبی القریشی تحریر ہے۔

اندر چاروں طرف چار کمرے ۲۳ ½ فیٹ لمبے اور ۱۳ فیٹ چوڑے اور گوشوں پر ایک ایک مربع حجرہ جس کا ہر ضلع ۱۳ فیٹ ہے اور درمیان میں ایک مربع کمرہ ۲۲ فیٹ ۳ انچہ × ۲۲ فیٹ ۳ انچہ بنا ہے اور دروں کا آثارہ ۵ فیٹ ۵ انچہ ہے۔ اس کل عمارت میں ۳ فیٹ ۸ انچہ بلندی تک سنگ مرمر لگا ہے باقی میں چونہ کاری ہے جس پر ایسی گھٹائی کی گئی ہے کہ سنگ مرمر اُس کے سامنے شرماتا ہے سنگ مرمر میں سنگ موسیٰ۔ سنگ کھٹو۔ سنگ لہسنیہ وغیرہ کئی قسم کے قیمتی پتھروں کی پچیکاری اور خوشنما منبت کاری کی ہوئی ہے اور چونہ کاری پر مختلف رنگوں سے ایسی نفیس و باریک نقاشی اور گلکاری کی گئی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے تحریر و تقریر کے ذریعہ سے اُس کی تعریف ناممکن ہے۔ تمام چھت پر طلائی لاجوردی اور مختلف رنگوں کا نہایت نفیس کام تھا جس کا کچھ نمونہ اب بھی باقی ہے فرش نہایت خوبصورت اور ہر درجہ کا مختلف الوضع ہے جو سنگ مرمر سنگ موسیٰ سنگ کھٹو سنگ لہسنیہ وغیرہ کئی قسم کے پتھروں کے مختلف الوضع ٹکڑوں اور پھولوں سے بنایا گیا ہے۔

درمیانی درجہ میں اعتمادالدولہ اور اُن کی بیگم کی قبریں ہیں جن کے سنگ کھٹو (زرد) کے تعویذ بہت چمکدار و خوبصورت اور بے نظیر ہیں اس درجہ کے تین دروں کے وسط میں جالیاں نصب ہیں صرف جنوبی در میں دروازہ ہے۔ گوشوں کے حجروں میں خاندان کے اور افراد کی قبریں ہیں۔ اس تفصیل سے کہ شمال و مشرقی گوشہ کے حجرہ میں ایک زنانی اور ایک مردانی قبر ہے جن میں زنانی قبر کے تعویذ پر آیت الکرسی کندہ ہے۔ شمال و مغربی حجرہ میں ایک زنانی قبر اور جنوب و مغربی اور جنوب و مشرقی حجروں میں ایک ایک مردانی قبر ہے مگر کتبہ کسی پر نہیں۔

چھت پر چڑھنے کے واسطے جنوبی کمرہ میں دو زینے آمنے سامنے بنے ہیں جن کی سترہ ۱۷ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچتے ہیں یہاں بھی سنگ مرمر کا فرش ہے جس کے اردگرد سنگ مرمر کا

جالیدار کٹہرہ اور چاروں کونوں پر ایک ایک سنگ مرمر کا ۴۰۔۴۰ فیٹ بلند گول مینار اور درمیان میں ایک چھتری بنی ہے۔ چھتری کا چبوترہ مربع شکل کا ہے جس کا ہر ضلع ۳۱ فیٹ ۸ انچ اور بلندی ۲½ فیٹ ہے۔ اس کے اطراف میں پچیکاری کی ہوئی ہے۔ چبوترہ کے وسط میں مربع چھتری ہے جس کا ہر ضلع اندر سے ۲۴ فیٹ ہے۔ وسط میں سنگ مرمر کے دو تعویذ بنے ہیں جن کو نہایت نفیس و بے نظیر مولسری کے ہار پہنائے گئے ہیں۔ مشرقی جانب کے تعویذ پر زنانی علامت یعنی تختی اور مغربی تعویذ پر مردانی علامت یعنی قلمدان بنا ہوا ہے۔ ہر ضلع میں تین تین باریک جالیاں سنگ مرمر کی نصب ہیں صرف شمال و جنوب کے درمیانی دریں آمنے سامنے دو دروازے کھلے ہیں۔ چھتری کے نیچے کا فرش سب سے زیادہ خوبصورت ہے یعنی سنگ مرمر میں کئی رنگ کے پتھروں کی پچیکاری سے بڑے بڑے گلدستے اور بیل بوٹے بنائے گئے ہیں اور تمام در و دیوار پر بھی نفیس پچیکاری کی ہوئی ہے۔ اور پوری سورہ ملک یعنی تَبَارَکَ الَّذِی اور آخر میں کتبۂ عبد النبی القریشی کندہ ہے۔

کسی شاعر نے اسکی تعریف میں کیا خوب کہا ہے ؎

عجب روضۂ رشکِ خلدِ بریں — کہ خاتم بود باغ و ایں چوں نگیں
ہمہ سنگ مرمر نقش و نگار — مصفا منوّر چو روئے نگار
زبس چین احجارِ گلگونہ رنگ — برشک آمدہ نقش چین و فرنگ
زگلہائے گلگوں ہمہ باغ پُر — صدف باغ شد روضہ اش ہمچو دُر

باغ گل افشاں یا چہار باغ

بابر نہایت زندہ دل بادشاہ تھا۔ ۹۳۳ھ (۱۵۲۶ء) میں اس نے رانا سانگا پر فتح پاکر اس باغ کو تعمیر کرایا تھا جب باغ تعمیر ہو کر سرسبز ہو گیا تو باغ میں ایک عالیشان دربار منعقد کیا گیا جس میں تمام شاہی امرا اور سلطنت صفویہ ایران اور سلطنت ازبک توران اور ہندو راجاؤں کے سفیر باریاب ہوئے اور سب نے نذریں پیش کیں۔ نذروں کے بعد خاصہ لایا گیا۔ خاصے سے فارغ

ہو کر بادشاہ نے کل درباریوں کے ساتھ مست ہاتھیوں اور اونٹوں کی لڑائی دیکھی۔ اس کے بعد پہلوانوں کی کشتی ہوئی۔ پھر ہندوستانی بازیگروں نے اپنے اپنے کرتب دکھا کر درباریوں کو محظوظ کیا آخر میں تمام مستحقین کو خلعت و انعام تقسیم ہو کر دربار برخاست ہوا۔ بابر نے اس باغ میں سرد ملک کے خربوزوں اور انگور کی کاشت کرائی تھی پھلواری کا وہ اسقدر شائق تھا کہ ہندوستان کے دور دور میں جہاں کہیں عمدہ پھول نظر پڑ جاتا اُسے اس باغ میں لا کر لگاتا تھا۔ چنانچہ گوالیار کے میدان سے گلِ سرخ آتشین رنگ کا اور بہار سے گل نیلوفر لا کر لگایا تھا۔ اُمرائے شاہی بھی دور دور سے عمدہ عمدہ پھولوں کے درخت تلاش کر کے بھیجتے تھے غرضکہ یہہ باغ اُس زمانہ میں نہ صرف آگرہ بلکہ تمام ہندوستان میں بے نظیر اور نمونۂ فردوس بریں سمجھا جاتا تھا۔ ۶ جمادی الاول ۹۳۷ھ (۱۵۳۰ء) کو اسی باغ میں بابر نے وفات پائی اور اسکی نعش اول اسی باغ میں بطور امانت دفن کی گئی جو آخر کار وصیت کے مطابق یہاں سے منتقل ہو کر کابل میں پہنچائی گئی اور وہاں قدم رسول کے پاس دفن ہوئی جہانگیر نے اپنی تزک میں اس باغ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت فردوس مکانی (بابر) نے ابراہیم ولد سکندر لودی کو شکست دینے اور اُس کے مارے جانے اور راناسانگا پر فتح پانے کے بعد کہ ہندوستان کا بہت بڑا راجہ اور زمیندار تھا دریائے جمنا کے مشرقی کنارہ ایک خوش قطع اراضی پر چار باغ احداث فرمایا کہ اس لطافت کا باغ کسی جگہ کم ہوگا۔ اور اُس کا نام گل افشاں رکھا۔ اس میں سنگ سرخ کی ایک مختصر عمارت اور ایک طرف مسجد تعمیر کرائی۔ عالیشان عمارت کے بنانے کا ارادہ تھا مگر عمر نے وفا نہ کی اور یہہ ارادہ دل کا دل ہی میں رہ گیا" جہانگیر نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ فرنگ کے بندرگاہوں کے میووں میں ایک میوہ انناس ہے جو نہایت خوشبودار اور خوش ذائقہ ہوتا ہے اور باغ گل افشاں میں کئی ہزار ہر سال پیدا ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اُس زمانہ تک یہہ باغ بخوبی تر و تازہ تھا۔

اب باغ باقی نہیں رہا صرف درمیان کی مختصر عمارت متغیر حالت میں باقی اور چو برجی کے نام سے مشہور اور اعتماد الدولہ کے سامنے مشرقی جانب واقع ہے۔ اس کے اندر اب مٹی کے

تیل کا گودام ہے۔ چاروں گوشوں کے سنگ سرخ کے برجوں یا میناروں کے نیچے کا درجہ بھی موجود ہے
مغربی جانب مسجد کی اصل عمارت واقع ہے جس کی درمیانی محراب میں اب راستہ جاری ہے
یہ مسجد ۵۳ فیٹ ۸ انچ لمبی اور ۲۵ فیٹ چوڑی ہے۔ اس میں تین محرابیں ہیں جن میں درمیانی محراب
بلند اور چوڑی اور آس پاس کی محرابیں چھوٹی چھوٹی ہیں مشرقی حصہ خالص سنگ سرخ کا اور بیرونی
دیواریں چونہ گچ کی ہیں۔ چھت پر تین گنبد اور گوشوں پر چار برجیاں ہشت پہل اور درمیانی گنبد کے
اطراف میں چار برجیاں مربع سنگ سرخ کی بنی ہیں۔ قریب میں ایک چاہ پختہ موجود ہے۔ یہ عمارت
سلاطین مغلیہ کی تمام عمارتوں سے قدیم اور آگرہ میں بابر بادشاہ کی واحد یادگار ہے۔

مزار بیگم سلطان

مولانا کمال

بیگم سلطان مولانا کمال کی لڑکی تھیں جو ہمایوں بادشاہ کے زمانہ کے علماء سے تھے۔
اعتمادالدولہ کے قریب اعتماد پور کی سڑک کے موڑ پر ان کی قبر ایک چبوترہ پر واقع ہے جس کا تعویذ
سنگ سرخ کا ہے اس کے اطراف میں آیت الکرسی اور پائیں پر یہ عبارت منقوش ہے "وفات
مرحومہ مغفورہ بیگم سلطان بنت مولانا کمال در سنہ نہصد و چہل و پنج از ہجرت" (۹۴۵ھ ۱۵۳۸ء)

قبرستان قدیم

استا جوجک

شاہ محمد

بیگم سلطان کے مزار سے تھوڑے فاصلہ پر اعتماد پور اور اسعد آباد کی پختہ سڑکوں کے درمیان
میں ایک ٹیلے پر چند پرانی قبریں آگرہ کے آباد ہونے کے وقت کی موجود ہیں جن سے سکندر اور ابراہیم
لودی کے عہد کی اس جانب کی آبادی کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں چار قبروں پر حسب ذیل کتبے کندہ
ہیں۔ مزار اول بالیں قبر الله محمد..... شهد الله انه..... ان الدین عند الله الاسلام۔ پائیں پر
تاریخ وفات این گل نو شگفته استا جوجک در ماہ جمادی الثانی سنہ ۹۱۴ھ" (۱۵۰۹ء) مزار دوم بالیں
پر الحکم لله تعالیٰ پائیں پر شاہ محمد بن سلطان محمود فی سنہ ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) اطراف میں ۵۔

بلبلے خوں خورد وبے گلی حاصل کرد — باد غیرت بصدش حال پریشاں کرد
آہ و فریاد کہ از چشم حسود و مہ دہر — در لحد خانہ کماں ابروئے من منزل کرد

مزار سوم - ہر دو پہلو پر آیت الکرسی - بالیں پر کلمہ طیبہ اور پائیں پر ؎

ازیں دُنیائے فانی رخت بر بست	آں غنچہ باغ (۹۴۱ھ وفات مطابق ۱۵۳۴ء)
مقام وسال فوتش راچو جُستم	خرد گفتا - مقامش باد جنت

مزار چہارم - تعویذ کے اطراف میں آیت الکرسی - بالیں پر اللہ تعالیٰ - اور پائیں پر تاریخ وفات معصومہ مرحومہ سعد بیگی بنت اُستاد غلام علی معمار سنہ نہصد و چہل و پنج (۹۴۵ھ ۱۵۳۸ء) — سعد بیگی

مقبرہ و باغ سُلطان پرویز

سُلطان پرویز جہانگیر بادشاہ کا بیٹا تھا جو ۹۹۷ھ (۱۵۸۸ء) میں خواجہ حسن عم زین خاں کوکہ کی دختر کے بطن سے پیدا ہوا تھا شب چہار شنبہ ۸ صفر ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۶ء) کو اس کا انتقال ہوا اور اپنے باغ میں دفن کیا گیا۔

یہہ باغ لب دریا اعتماد الدولہ کے مقبرہ سے ملا ہوا جانب شمال واقع اور اب ماسٹر ٹنکر دیال صاحب وکیل وسابق انریری مجسٹریٹ آگرہ کی اولاد کے قبضہ میں ہے جو گورنمنٹ نے غدر کی خیر خواہی میں ایک گرو کو دیدیا تھا جس نے ماسٹر صاحب موصوف کے ہاتھ فروخت کر دیا اس کے وسط میں ایک پختہ مربع چبوترہ پر مقبرہ بنا ہوا ہے جو اب نہایت شکستہ حالت میں ہے اس کے سب دروازے بند کر دئے گئے ہیں صرف شمالی جانب ایک چھوٹا سا دروازہ بنا لیا گیا ہے - اصل قبر تو تہ خانہ میں ہوگی مگر گنبد کے نیچے کا تعویذ تک ندارد ہو گیا - افسوس کہ اب یہہ قدیم مقبرہ بھوسہ وغیرہ کا گودام بنا ہوا ہے ؎

قیصر و کسریٰ سے جن کا کم نہ تھا کچھ احتشام	ہاتھ خالی چل بسے دُنیا سے وہ عالی مقام
چشم عبرت کھولکر حال اِن کا دیکھیں کجکلاہ	کون تھے کل یہہ - ہوا ہے آج ان کا حال کیا
نوبت و نقارہ در پہ جن کے بجتا تھا مُدام	ہُو کا عالم قبر پر رہتا ہے اُنکے صبح و شام

یہہ تمام عمارت چونہ گچ کی ہے اور گنبد عالیشان ہے - باغ کی چار دیواری اب نہیں ہے اور اُس میں زراعت ہوتی ہے -

باغ و کٹرہ وزیر خاں

وزیر خاں کا اصلی نام حکیم علیم الدین تھا۔ یہ چنیوٹ ضلع جھنگ کے رہنے والے اور سعد اللہ خاں وزیر اعظم شاہجہاں کے ہموطن تھے ایام نوجوانی میں شاہزادہ خورم (شاہجہاں) کی ملازمت میں داخل ہوئے اور اپنی دیانت و امانت اور مزاج شناسی سے بہت جلد ترقی پاکر دیوانی کے عہدہ تک پہنچ گئے اور جلوس کے دن منصب پنجہزاری سہ ہزار سوار اور علم و نقارہ اور انعام ایک لاکھ روپیہ سے مفتخر ہوئے۔ سنہ ۵ جلوس میں منصب پنجہزاری پنج ہزار سوار پر ترقی پائی اور صوبہ پنجاب کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۴ جلوس میں وہاں سے مستقر الخلافت اکبرآباد کی صوبہ داری پر تبدیل ہوئے اور سنہ ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء میں آگرہ ہی میں انتقال کیا۔ نہایت عقلمند سلیم النفس اور نیک طبع امیر تھے تمام عمر نہایت سادگی اور بے تکلفی سے بسر کی۔ بہت سے آثار خیر اُن کی یادگار ہیں جن میں لاہور کی مسجد (مسجد وزیر خاں) سب سے عالیشان اور خوشنما ہے۔ وزیر آباد متصل چنیوٹ اُن کا آباد کیا ہوا ہے چنیوٹ میں پختہ فصیل کئی بازار دوکانیں مسجد سرائیں مدرسے شفاخانے اور کنوئے بنوا کر اپنے ہموطنوں پر وقف کئے تھے۔

آگرہ میں لب دریا ایک پُر فضا باغ تعمیر کیا تھا اور اُس کے قریب ایک محلہ آباد کیا تھا جو اب کٹرہ وزیر خاں کے نام سے مشہور اور اعتماد الدولہ اور چینی کے روضہ کے درمیان میں واقع ہے یہ باغ اب ایک پارسی کے قبضہ میں ہے اور اس کا ایک بُرج اور لب دریا سنگین بارہ دری شکستہ حالت میں موجود ہے۔

مقبرہ محمد قاسم خاں بدخشی

محمد قاسم خاں بدخشی میر محمد جالہ بان کا خویش اور لڑکپن سے ہمایوں بادشاہ کی ملازمت میں داخل تھا جو ایام بے سروسامانی یعنی سفر ایران میں بھی نہایت جاں نثاری اور وفاداری کے ساتھ بادشاہ کے ہمراہ رہا۔ اکبر نے تخت نشین ہوکر خدمت میر بحری پر سرفراز کیا آخر عمر میں ملازمت ترک کرکے آگرہ میں گوشہ نشینی اختیار کی اور سنہ ۹۶۹ھ/۱۵۶۱ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔ موزوں طبع

اور موجی تخلص رکھتا تھا۔ مثنوی یوسف زلیخا کے جواب میں چھ ہزار بیت کی ایک مثنوی اسکی یادگار ہے جس کے دو تین شعر یہہ ہیں۔

نمودہ دست صنعش از تفنن — ہلال دیدر در یک روئے ناخن
میانش برتراز حدِ بیان است — کہ این جا نازکیها درمیان است
چو آمد در بیاضِ حسن تقریر — صفائی سینہ اش صافی تراز شیر

ایک مثنوی لیلیٰ مجنوں بھی لکھی تھی جس کا ایک شعر یہہ ہے ؎

پیرے ز قبیلۂ مُعزز — ریشش چو گلِ سفید یک گز

آگرہ میں لبِ دریا ایک حویلی دلکشا تعمیر کرائی تھی۔ جو غالباً زمانہ مابعد میں باغ وزیر خاں اور روضہ افضل خاں (چینی کا روضہ) میں شامل ہو گئی چنانچہ اب صرف مقبرہ کا گنبد ان دونوں باغوں کے درمیان میں واقع ہے جو بہت ہی شکستہ اور خراب حالت میں ہے۔ یہہ ایک پختہ چبوترہ پر جس کے نیچے تہ خانہ ہے بنا ہوا ہے اور باہر سے مربع اور اندر سے ہشت پہل ہے جس کا ہر ضلع ۱۰ فیٹ ۴ انچ اور قطر ۲۶ فیٹ ہے چاروں طرف ایک ایک دروازہ اور دروازوں کے درمیان میں ایک ایک طاق ہے جس کے صرف جنوبی دروازہ کی سنگین چوکھٹ موجود ہے۔ نقلی قبر کا تعویذ تک ٹوٹ گیا اور ملبے اور کوڑے کا انبار لگا ہے۔ شمالی دروازہ کی اندرونی پیشانی پر یہہ تاریخ وفات نصب تھی جس کا پتھر اب روضہ ممتاز محل کے عجائب خانہ میں رکھا ہے

یا قدوسُ۔ یا صبوحُ (قطعہ فی التاریخ المناجات) یا رزاقُ۔ یا فتاحُ

الٰہی چوں ازیں غمخانہ موجی — طناب خیمۂ امید برکند
اگر باشد خطائے رفتہ از وے — دریں دیرِ خراب آباد یک چند
۱۰۹۱
بتاریخ وفاتش بیں کہ گفتم — گنہ از بندہ و عفو از خداوند
بروحِ قاسم موجی ہر آں کس — کہ خواند فاتحہ از روئے اخلاص
خدا او را بحفظِ خویش دارد — بحق محرمانِ جلوۂ خاص

قایلہ سعد اللہ کتبہ عرب محمد بخاری

چینی کا روضہ

یہ خوشنما عمارت اعتماد الدولہ سے نصف میل کے فاصلہ پر واقع ہے جو اس شکستہ حالی میں بھی آگرہ کی قابل دید عماتوں میں شمار ہوتی اور آگرہ کی واحد کاشی کار عمارت ہے صاحب روضہ کا اصلی نام ملا شکر اللہ شیرازی تھا۔ یہ جہانگیر کے عہد میں بندر سورت کے راستہ سے برہانپور میں وارد ہوئے چونکہ علوم عقلی و نقلی میں کمال حاصل تھا اوّل خانخاناں عبدالرحیم خاں کی مصاحبت میں داخل ہوئے اس کے بعد شاہزادہ خرم کی سرکار میں لشکر کے میر عدل ہوگئے اور مہم رانا میں ایسی کارگذاری دکھائی کہ شاہزادہ کی سفارش پر دربار جہانگیر سے خطاب افضل خاں سے مفتخر ہوئے۔ سنہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں جہانگیر نے ملازمت شاہی میں داخل کرکے خدمت خانسامانی سے سرفراز کیا شاہجہاں نے اوائل جلوس میں منصب چہار ہزاری دو ہزار سوار سے معزز کیا اور دوسرے ہی سال یعنی سنہ ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۸ء) میں منصب پنجہزاری سہ ہزار سوار پر ترقی دیکر وزیر اعظم مقرر فرمایا۔ "شد افلاطون وزیر اسکندر" اسکی تاریخ ہے۔ سنہ ۱۱ جلوس میں منصب ہفت ہزاری مرحمت ہوا ۷۰ برس کی عمر میں ۱۲ رمضان سنہ ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۸ء) کو بمقام لاہور انتقال کیا۔ "زخوبی برد گوئے نیک نامی" ادا "علامی از دہر رفت" وفات کی تاریخ ہے افضل خاں کا نام سلاطین مغلیہ کے ان صاحب کمال امیروں کی فہرست میں ممتاز نظر آتا ہے جو اس سلطنت میں بلحاظ علم فضل مشہور گذرے ہیں وہ علامی کے خطاب سے موصوف اور نہایت فاضل۔ مہذب اور فصاحت و بلاغت میں حسان وقت اور ہیئت و ہندسہ اور حساب میں کامل مہارت رکھتے تھے شاہجہاں اکثر کہا کرتا تھا کہ افضل خاں کی اٹھائیس ۲۸ سالہ ملازمت میں میں نے اس کی زبان سے کسی کی برائی نہیں سنی۔

افضل خاں نے آگرہ میں یہ مقبرہ مع باغ وغیرہ کے سنہ ۱۰۳۸ھ (۱۶۲۸ء) میں تعمیر کرایا تھا۔ "منزل افضل" اس کے بنا کی تاریخ ہے۔ جب یہ بنکر آراستہ ہوگیا تو نہایت دھوم دھام سے بادشاہ کی دعوت کی اور قلعہ سے باغ تک نہایت نفیس و قیمتی کپڑوں کا فرش بطور پا انداز بچھایا گیا تھا۔ یہ بے نظیر مقبرہ صدیوں کی کس مپرسی کی وجہ سے بالکل ویران اور کئی جگہ سے منہدم ہوگیا تھا لارڈ کرزن بہادر نے اس کی خوبصورت چینی کے کام کو بہت پسند فرما کر اس کی مرمت کا

حکم دیا چنانچہ اب اسکی مرمت و صفائی ہوگئی اور آس پاس سبزہ بھی لگا دیا گیا ہے یہہ روضہ ایک
چبوترہ پر بنا ہے جس کے نیچے تہ خانے اور کمرے بنے ہیں۔ اس کی عمارت باہر سے مربع اور اندر سے
مثمن ہے۔ بیرونی جانب کا ہر ضلع ۸۰ فیٹ ہے۔ گنبد پٹھانی طرز کا اور عالی شان ہے جس کے نیچے
افضل خاں اور اُنکی بیگم کی نقلی قبروں کے تعویذ تھے۔ جو ندارد ہو گئے۔ اب از سر تو معمولی قبریں بنادی
گئی ہیں۔ گنبد کے اندر بہت نفیس نقاشی اور طلائی اور لاجوردی گلکاری کی ہوئی تھی جو کسی قدر
اب تک نمودار ہے محرابوں کے اطراف میں دائروں کے اندر مختلف رنگوں کی زمین پر سفید حرفوں
میں یا اللہ اور یا محمد مرقوم ہے۔ درمیان میں پوری سورہ انا فتحنا لکھی ہوئی ہے۔ روضہ کے چاروں
گوشوں پر ایک ایک حجرہ بنا ہے۔ بیرونی محرابوں کے اطراف میں سورۃ لیلین چینی کے نفیس بے نظیر
گلکاری کے درمیان میں تحریر تھی۔ اس کی زمین سفید اور بادامی اور حروف اودے رنگ کے ہیں
جنوبی محراب منہدم ہوگئی سب سے زیادہ گلکاری شمالی جانب باقی ہے اور اس کے بعد مغرب اور
کسی قدر جنوبی حصہ میں بھی موجود ہے۔ بڑی بڑی محرابوں کے اندر خوشنما گلدستے اور پھول پتے
بنائے ہیں۔ جن میں بسنتی۔ اودا۔ جامنی۔ فیروزی۔ بادامی وغیرہ مختلف رنگوں کی چینی استعمال کی گئی
ہے۔ جب آفتاب کی شعاعیں ان چینی کے گلدستوں اور پھول پتوں پر پڑتی ہیں تو تمام عمارت جگمگا
اُٹھتی ہے اور ایسا خوشنما منظر پیدا ہوتا ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اصلی قبریں تہ خانے میں تھیں جو
اب نہیں ہیں۔

زینہ جنوبی جانب ہے اس کی ۱۹ سیڑھیاں طے کر کے ایک پتلی گیلری میں پہنچ جاتے ہیں جو
گنبد کے درمیانی درجہ میں بنی ہے جس کے چاروں گوشوں میں ایک ایک حجرہ بنا ہوا تھا ان میں گوشے
جنوب و مغرب کا حجرہ منہدم ہوگیا۔ اس کے بعد ۷ سیڑھیاں اوپر چڑھکر چھت پر پہنچتے ہیں جہاں
درمیان میں دو منزلہ گنبد اور گوشوں پر گلدستے بنے ہیں ان پر بھی چینی کا کام موجود ہے۔ مقبرہ
کے شمال و مغربی گوشے پر ایک سہ منزلہ سنگین برج باغ کا بھی باقی ہے۔

باغ جہاں آرا بیگم یا سید کا باغ

یہہ باغ لب دریا چینی کے روضہ کے قریب شمالی جانب واقع ہے جسے شاہجہاں بادشاہ کی

بڑی بیٹی شاہزادی جہاں آرا بیگم نے تعمیر کرایا تھا۔ عوام النّاس اسے جھرہ باغ یا سیّد کا باغ کہتے ہیں۔ جھرہ جہاں آرا کا بگڑا ہوا ہے اور چونکہ اس کے اندر مغربی جانب ایک بزرگ سید محمد شہید کا مزار ایک حجرہ کے اندر واقع ہے اس مناسبت سے یہہ سیّد کا باغ مشہور ہے۔ یہہ مزار نہایت قدیم ہے جس کی روشنی کے واسطے روضہ تاج محل سے ۸ر ماہوار مقرر چلا آتا ہے۔ یہاں سالانہ عُرس بھی ہوتا ہے اور چھوٹی سی مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ قدیم آثار میں ایک جھرنا اور دو تین سنگین برج باقی ہیں جن میں جنوب و مغربی گوشہ کا سہ منزلہ برج اچھی حالت میں ہے۔ رقعات عالمگیری کے ایک رقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے عہد میں موضع دورہ (پرگنہ کراولی ضلع آگرہ) اس باغ کے اخراجات کے واسطے وقف تھا جسکی سالانہ مالگذاری اب مبلغ ۳۹۱؍۱۱؍۳ سالانہ ہے۔

سید محمد شہید

باغ نور افشاں یا رام باغ

یہہ پُر فضا باغ نورجہاں بیگم کی یادگار ہے جو اعتماد الدولہ سے سوا میل کے فاصلہ پر لبِ دریا واقع اور اب بھی آگرہ کی ممتاز اور قابل دید عمارتوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا رقبہ چالیس بیگہ چالیس بسوہ پختہ یا ۲۲ ایکڑ ۳ روڈ ۳۲ پول ہے۔ چہار دیواری کی چاروں گوشوں پر ۸-۸ در کے سنگین برج واقع ہیں۔ یہہ باغ تین درجہ کا ہے اور شالامار باغوں کے طرز پر ہر درجہ اپنے نیچے کے درجہ سے بلند ہوتا گیا ہے۔ چنانچہ دوسرا یعنی درمیانی درجہ پہلے درجہ سے ۶ فیٹ سے ۱۰ فیٹ تک اور تیسرا درجہ دوسرے درجہ سے ۶ فیٹ بلند ہے۔ پہلے درجہ میں سوائے باغ کے اور کوئی عمارت نہیں۔ دوسرے درجہ میں سنگین روشوں اور خوشنما کیاریوں کے علاوہ پانچ سنگ سُرخ کے چبوترے اور ایک بُرج بنا ہوا ہے۔ تیسرے درجہ میں جو لبِ دریا ہے۔ شمالی جانب سنگین چبوترہ معہ کٹہرہ اور جنوبی جانب آمنے سامنے (شمال و جنوب) دو عمارتیں اور اُن کے درمیان میں سنگ سُرخ کا فرش ہے۔ اس کے وسط میں ایک مُربع حوض بنا ہوا ہے جس کا ہر ضلع ۴۲ فیٹ ۵ انچہ ہے۔ اس حوض کے بیچ میں سنگ مرمر کا مُربع چبوترہ بنا ہے جس کا ہر ضلع ۱۳ فیٹ ۷ انچہ ہے۔ مشرقی جانب ایک پتلا سا پُل بنا ہے جس پر ہوکر اس چبوترہ پر پہنچتے ہیں۔ چبوترہ کے چاروں طرف کٹہرہ لگا ہوا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ ان دونوں قدیم عمارتوں میں کچھ کمی بیشی کرکے اب دو منزلہ سہ منزلہ ڈاک بنگلہ

بنالیا گیا ہے۔ ان عمارتوں کے نیچے حجرے بنے ہیں اور ان کے آگے لب دریا ایک چبوترہ بنا ہی حوض کے شمال و مغربی گوشے پر زینہ ہے جس کی ۱۲ سیڑھیاں اُتر کر اس چبوترہ پر پہنچتے ہیں۔ یہ درجہ نہایت دلچسپ اور خوبصورت ہے اور کسی طرح اس کے نظارہ سے سیری نہیں ہوتی دریا کے علاوہ قرب و جوار اور شہر کی عمارتوں مسجدوں گرجاؤں وغیرہ کا منظر یہاں سے نہایت دلکش ہے۔

حمام

شمالی جانب جو سنگین چبوترہ ہے اُس پر دو زینے بنے ہیں۔ اُن کی ۱۷ سیڑھیاں اُتر کر اُس حمّام میں پہنچ جاتے ہیں جو بالکل لب دریا واقع اور چودہ پندرہ درجہ کا ہے۔ ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں پانی پہنچانے کے واسطے دیواروں میں اندر ہی اندر نل لگے ہیں نیں چار حوض اور کئی جھرنے موجود ہیں۔ درمیانی درجہ شمالاً جنوباً ۳۶ فیٹ ۴ انچہ لمبا اور ۲۲½ فیٹ چوڑا اور دریا کے پانی سے ۷ فیٹ بلند ہے۔ اس کے مشرق و مغرب میں ۳-۳ اور شمال و جنوب میں ایک ایک درہے۔ وسط میں مربع حوض بنا ہے جس کے بیچ میں فوّارہ لگا ہے مشرقی جانب کے درمیانی در میں دوسرا ہشت پہل خوشنما حوض واقع ہے جس کے شمال و جنوب میں دو جھرنے لگے ہیں۔ چھت راؤٹی نما ہے اور کہیں کہیں پرانی رنگ آمیزی کا کام بھی نمایاں ہے۔

باغ کے شمال و مغربی اور جنوب و مغربی گوشوں پر دو کنوئے بنے ہیں جن میں آخرالذکر کنواں جاری ہے۔ اس پر بیلوں کے ذریعہ سے چرخ چلتا ہے اور پانی ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں بذریعہ خوشنما جھرنوں (ماہی پشت) کے پہنچکر تمام باغ کو سیراب کرتا ہے۔

بلند باغ یا بتیس کھمبہ

رام باغ سے ملا ہوا شمالی جانب پچپن ۵۵ بیگہ اراضی میں یہ باغ واقع تھا جسے شہنشاہ جہانگیر نے تعمیر کرایا تھا اب اس کا صرف چار منزل کا ایک بلند اور وسیع و خوشنما سنگ سرخ کا برج باقی رہ گیا ہے جو اب دریا کے مشرقی کنارہ کی سب سے آخری عمارت ہے یہ بتیس کھمبہ کے نام سے مشہور ہے اس کی عمارت اگرچہ بہت شکستہ ہو رہی ہے مگر اس کھنڈر پر بھی خاص شان رکھتی ہے۔ ہر منزل میں درمیانی کمرہ کے اردگرد غلام گردش اور سب سے اوپر ۸ در کی خوشنما برجی بنی ہے۔

بلند باغ کے اس برج کے آگے اب کوئی عمارت باقی نہیں مگر بعض بعض مقامات پر دریا

کنارے دیواروں کے کچھ مضبوط آثار جو آسانی سے کھد نہیں سکے۔ نظر آتے ہیں۔ غدر کے بعد کی ایک قلمی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات پر حسب ذیل باغات واقع تھے جن کے کچھ نشانات اس زمانہ تک موجود تھے (اندر سوانہ موضع بھولی محمدپور) باغ نواب آصف خاں۔ روضہ و باغ شاہ گدا باغ کابلی بیگم (موضع نرائچ) باغ اجمیری خاں۔ باغ شاہنواز خاں باغ خلیل خاں

قدیم باغات

اچانک باغ

یہہ باغ موضع بھولی محمدپور کی اراضی میں واقع تھا جس کی چار دیواری کے اضلاع ۵۷×۷۲۴ فیٹ تھے۔ اس کے چاروں گوشوں پر چار برج اور صدر دروازہ نہایت عالیشان تھا۔ جنوبی دیوار کے وسط میں لب دریا ۔۔ ۸ فیٹ لمبی اور ۵۷ فیٹ چوڑی ایک نفیس عمارت بنی تھی اور وسط باغ میں ایک خوشنما برج واقع تھا۔ ان عمارات کا اب کوئی نشان باقی نہیں رہا اور اس میں زراعت ہوتی ہے۔

اس باغ کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے کوئی اسے اچانک بیگم کی تعمیر بتلاتا ہے جو بابر یا اکبر کے عہد کی کوئی بیگم تھیں کوئی کہتا ہے کہ یہہ بابر و ہمایوں کا قیامگاہ ہے غرضکہ اسکے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے۔

شاہدرہ

جس طرح کہ دہلی اور لاہور میں دریا پار شاہدرہ آباد ہے اسی طرح اکبرآباد میں بھی جمنا کے پل سے دو میل کے فاصلہ پر یہہ شاہدرہ واقع ہے جو اکبر بادشاہ کے عہد میں آباد کیا گیا تھا۔ یہاں قدیم عمارات کے کسی قدر آثار باقی ہیں۔

مسجد ہمایوں

جمنا پار کے ریلوے اسٹیشن (جمنا برج) سے تھوڑے فاصلہ پر موضع کچھپورہ آباد ہے اسکی

آبادی میں یہہ مسجد واقع ہے جو مدنزدل سے کچھ مرمت ہونے پر بھی نہایت شکستہ حالت میں ہے۔ اس مسجد کی وضع اور ہئیت خاص طرز کی ہے جس کا درمیانی در نہایت وسیع و مرتفع ہے اور اس پر گنبد ہے۔ اطراف میں دالان در دالان ہیں اس طرح شمال و جنوب میں چار چار محرابدار در ہیں ان پر بھی گنبد ہیں جو درمیانی گنبد سے چھوٹے ہیں مسجد کی لمبائی ۹۳ فیٹ اور چوڑائی ۵۳ فیٹ ہے۔ اندرونی درمیانی محراب پر یہہ کتبہ کندہ ہے ۔

محمد ہمایوں شہ عرصۂ دین | کہ بنیاد قدرش بود فوق گردوں
بفرمانِ عالی و حکم رفیعش | مرتب شد این فرش و این سقف میموں
بتاریخ اتمام این بیت شعر | شہ عرصۂ دین محمد ہمایوں

قائلہ و راقمہ شہاب معمائی غفر ذنبہ

جنوبی دیوار پر یہہ کتبہ ہے ۔

این بقعہ بود چوں دلِ صوفی صافی | انکار صفائی او دست بے انصافی
چوں یافت بسعی زین خوانی اتمام | تاریخ شدش بسعی زین الخوافی

مزید باید آنکہ بنا سے را بتکسرے یاد کند۔ ناظمہ و راقمہ شہاب

ان کتبوں سے واضح ہے کہ ۹۳۷ھ میں ہمایوں بادشاہ کے حکم سے مولانا زین الدین خوافی کے اہتمام میں یہہ مسجد تعمیر ہوئی اور مولانا شہاب معمائی نے کتبہ اور تاریخ تحریر کی۔

قبرستان قدیم متصل مسجد ہمایوں

مسجد ہمایوں کے قریب مشرقی جانب ایک وسیع چبوترہ پر جو سطح زمین سے ہموار ہے یہہ قبرستان ہے جس میں بابر اور ہمایوں کے زمانہ کے بڑے بڑے علما اور فضلا و مشائخین کی قبریں واقع ہیں انہی میں مولانا شیخ زین الدین خوافی اور مولانا شہاب الدین معمائی۔ مولانا ابوالواحد فارغی اور شاہ ہلاہل کے مزار بھی ہیں لیکن ان کے مزاروں پر کتبہ نہ موجود ہونے کی وجہ سے یہہ پتہ اب نہیں چلتا

مولانا شیخ زین الدین خوافی

کہ کس کس کا کون کونسا مزار ہے۔ مولانا شیخ زین الدین خوافی علم و فضل سے موصوف اور فنِ معمّا تاریخ اور فی البدیہہ گوئی اور نظم و نثر کے جملہ کمالات میں بے نظیر تھے۔ وفائی تخلص تھا۔ بابر بادشاہ کے ساتھ ہندوستان میں وارد ہو کر بعد فتح صدرات کل کے منصب جلیلہ پر سرفراز ہوئے۔ اُنھوں نے واقعات بابری کے ترجمہ کے علاوہ ہندوستان کے حالات اور فتح کے بیان میں ایک تاریخ بھی لکھی تھی جس میں اپنی سخنوری کو ختم کر دیا تھا۔ اس مسجد کے قریب ایک خانقاہ اور مدرسہ بھی اُنھوں نے بنوایا تھا ۹۴۰ھ ۱۵۳۳ء میں حدود چنار میں انتقال کیا اور اس جگہ جہاں پہلے اُن کی خانقاہ اور مدرسہ تھا دفن ہوئے۔

مولانا شہاب الدین معمائی

مولانا شہاب الدین معمائی یہ بھی بابر بادشاہ کے ساتھ ہندوستان میں تشریف لائے اور زمرۂ مقربین میں شامل ہوئے اگرچہ جملہ علوم عقلی و نقلی میں کمال حاصل تھا مگر فنِ معمّا میں ان کی فضیلت ایسی مشہور ہوئی کہ سب کمالات چھپ گئے تھے۔ ۹۴۲ھ ۱۵۳۵ء میں انتقال ہوا شہاب الثاقب وفات کی تاریخ ہے

مولانا ابوالواحد فارغی

مولانا ابوالواحد فارغی دربار ہمایوں کے ایک درویش مشرب شاعر تھے۔ جو مولانا زین الدین کے دوست دلی اور اُن ہی کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے۔ ان کی شیریں کلامی مشہور تھی ۹۴۰ھ ۱۵۳۳ء میں جس سال کہ مولانا زین الدین کا انتقال ہوا اُنھوں نے بھی وفات پائی اور مرنے پر بھی دوست کا ساتھ نہ چھوڑا یعنی اُن کے برابر ہی دفن ہوئے۔

شاہ ہلاہل

شاہ ہلاہل یہ کوئی سالک یا مجذوب بزرگ تھے جن کا زمانہ معلوم نہیں۔ آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے جو اہل محلہ خوجہ کی حویلی متصلات نائی منڈی کیا کرتے ہیں۔

اکثر مزارت پر آیت الکرسی۔ کلمہ طیبہ۔ اسمائے الٰہی اور بعض پر فارسی اشعار بھی کندہ ہیں جو حسب ذیل ہیں ؎

زبیرداں ہدیہ بود آں نکو نام	از یں سال تحفۂ خواندش برایام
چہ بودہ ذکر نامش برزبانم	تسلی بخش جانِ ناتوانم
گرفتم سال از تکرار نامش	بتاریخ شہادت زاہتمامش

دیگر

شد سوئے خلد بریں بخش رواں بحکم ارادت چو گشتہ شہید
شہادت چو او یافت تاریخ از آں بگفتا خرد با شہادت رسید

دیگر

نو رستہ غنچہ ز گلستان جہاں برفت در شاخ ...... نو جواں برفت
باشد ہزار حیف کہ نقد حیات ما بر دل نہادہ داغ فراق از جہاں برفت

افسوس کہ یہ جملہ مزارات نہایت ناگفتہ بہ حالت میں ہیں اور آیات قرآنی اور بزرگان دین کی ان قبور کی نہایت بے ادبی گاؤں والوں کے ہاتھ سے ہو رہی ہے۔

مہتاب باغ

مسجد ہمایوں اور موضع کچھپورہ کے جنوب و مشرقی جانب اور روضہ ممتاز محل کے محاذ میں لب دریا یہ عالیشان باغ تھا جس کی چہار دیواری کا ہر ضلع ۹۷۵ فیٹ تھا۔ اسے شاہجہاں بادشاہ نے ایام شاہزادگی میں تعمیر کرایا تھا۔ اس میں نہایت نفیس مثمن حوض فوارے اور دوسری نایاب عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ شاہجہاں کے ابتدائی عہد میں جبکہ روضہ ممتاز محل کی تعمیر ہو رہی تھی ایک زبردست سیلاب جمنا میں آیا تھا جسکی وجہ سے اس باغ کی عمارات اور درختان کو سخت نقصان پہنچا اس کا ذکر اورنگ زیب نے اپنے ایک خط میں کیا ہے[۱]۔ اس خط سے اس مشہور روایت کی قطعی تردید ہوتی ہے کہ ممتاز محل کے روضہ کی تعمیر کے بعد شاہجہاں بادشاہ نے اپنے روضہ کی تعمیر کے واسطے اس باغ کی بنیاد رکھی تھی۔ جو اس کے قید ہونے کی وجہ سے تعمیر نہ ہو سکا۔ یہ باغ روضہ کی تعمیر سے پیشتر موجود تھا۔ اس کے علاوہ اس زمانہ کی کسی تاریخ میں یہ روایت نہیں

[۱] اس خط کی اصل عبارت یہ ہے۔ "باغ مہتاب را تمام آب گرفتہ بود دنیا بعد آں از عمقا افتادہ عنقریب طراوت تازہ خواہد یافت حوض مثمن بنگلہ ہائے اطراف آں پاکیزہ و مصفا انداز طغیانی آب دریا بسے جوں آنچہ شنیدہ باشد جائے تعجب است"

پائی جاتی اور روضہ ممتاز محل کی تعمیر اور قید ہونے کے درمیان میں اسقدر کافی وقفہ ہے کہ اگر واقعی شاہجہاں کا یہ ارادہ ہوتا تو اس درمیانی زمانہ میں دوسرا روضہ تیار ہو سکتا تھا اس زمانہ میں برابر شاہجہانی عمارات کی تعمیر کا سلسلہ جاری رہا اس باغ کے گوشہ جنوب و مشرق کا صرف ایک مثمن برج باقی رہ گیا ہے جس کا قطر ۲۳½ فیٹ ہے۔ روضہ ممتاز محل کے محاذ میں اس باغ کے موجودہ برج کی کرسی بھی اس مشہور روایت کی غلطی کا بین ثبوت ہے ۱۹۲۴ء کے مشہور سیلاب جمنا میں اس باغ کے دیوار لب دریا کے آثار نمودار ہو گئے ہیں۔

موتی باغ

اس باغ کو موتی بیگم نے جو شاہجہاں کی کسی بیگم کا خطاب تھا تعمیر کرایا تھا اسکی عمارت اب منہدم ہو گئی لیکن آثار باغ موجود ہیں جس میں زراعت ہوتی ہے جس موضع کی اراضی میں یہ باغ واقع ہے وہ اسی کے نام سے موسوم اور اعتماد الدولہ موتی باغ لکھا جاتا ہے۔

مزار سید عبداللہ احراری

سیّد عبداللہ احراری حضرت شاہ ابو العلی رحؒ کے چچا، خسر اور پیر تھے۔ آپ علوم ظاہری کے ساتھ کمالات باطنی سے بھی موصوف تھے اوائل میں ملازمت اکبری میں داخل اور برہان پور میں کسی خدمت پر مامور تھے آخر کار ترک ملازمت کر کے گوشہ نشینی اختیار کی وفات کے بعد اپنے پیر خواجہ محمد یحییٰ کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔ آپ کا مزار لب دریا اعتماد الدولہ اور سلطان پرویز کے باغ کے قریب واقع اور زیارتگاہ خاص و عام ہے ۲۲ ذیقعدہ کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

مزار خواجہ محمد یحییٰ نقشبندی

خواجہ محمد یحییٰ ابن خواجہ ابو الفیض ابن خواجہ محمد عبداللہ پسر کلاں خواجہ عبید اللہ احرار

قدس سرہ جمیع اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سے تھے علوم عقلی و نقلی خصوصاً طب و حکمت میں کامل مہارت حاصل تھی ہفت قلم اور خوشنویسی میں بے نظیر تھے سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ جاگیر سے آتا تھا سب غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ۹۸۷ھ ۱۵۷۹ء میں سفر حج کو تشریف لے گئے۔ اکبر نے آپ کو میر حاج مقرر کر کے اور بہت سا خرچ دیکر رخصت کیا حج سے فارغ ہو کر آگرہ تشریف لائے اور بقیہ عمر عبادت و ریاضت میں بسر کی۔ ۱۲ ربیع الاول ۹۹۹ھ ۱۵۹۰ء کو سفر آخرت اختیار کیا اور دریائے جمنا کے کنارہ متصل راج گھاٹ دفن ہوئے تاریخ وفات ؎

آں قطب زمانہ خواجہ یحییٰ | در وقت خود ش نبود ثانی
در ماہ وفات خواجہ کونین | او رفت ازیں جہان فانی
سہ را برقم سہ بار بنویس | تا سال وفات او بدانی

خواجہ محمد زکریا آپ کے صاحبزادے آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ قریب قریب جو تین مزار واقع ہیں اُن میں غالباً تیسرا مزار خواجہ محمد زکریا کا ہے۔

باب پنجم

آثارِ قدیمہ لب دریائے جمن جانب مغرب

سلاطین مغلیہ کے عہد میں موضع سمو گڑ سے موضع رنکتہ اور گئو گھاٹ تک جن کا درمیانی فاصلہ دس کوس ہے دریا کے دونو جانب عالیشان حویلیاں اور خوشنما باغات و مقابر واقع تھے آج جہاں محلہ بیلن گنج اور کچہری گھاٹ[۱] وغیرہ آباد ہیں وہاں سلطان سکندر لودی اور شاہانِ

[۱] محلہ کچہری گھاٹ جہاں آباد ہے وہاں شاہی زمانہ میں موسوی خاں صدر اعظم کی کچہری تھی۔

مغلیہ کے عہد میں خالص اسلامی آبادی تھی۔ عالیشان حویلیوں کے علاوہ متعدد خانقاہیں دار العلوم اور مساجد موجود تھیں۔ یوں تو آگرہ کا چپہ چپہ حسرت و عبرت کا مرقع ہے مگر اس حصّہ کو تو آگرہ کا اندلس سمجھنا چاہیئے جہاں نہ اب وہ حویلیاں باقی ہیں نہ وہ دار العلوم و خانقاہیں موجود ہیں جہاں صدیوں تک اسلامی علوم ظاہری و باطنی کا سمندر موجزن رہا تھا۔ باغات۔ مساجد و مقابر سب منقلب یا نیست و نابود کر دیئے گئے جن کے بچے کھچے آثار غلہ کے گوداموں۔ ملوں اور رہائشی مکانات کے اندر آ گئے جن کا اب پتہ چلانا بھی ناممکن ہو گیا لب جمنا جہاں صدیوں تک مسلمان آباد رہے وہاں آج ایک مکان بھی مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں صرف مولانا شاہ رفیع الدین محدث اکبر آبادی کے قبرستان کا ایک نہایت مختصر حصّہ مسلمانوں کی نوحہ خوانی کے واسطے باقی رہ گیا ہے کہ وہ بھی اب عام نظروں سے پوشیدہ اور نہایت کس مپرسی کے عالم میں ہے اور اگر اس کے اطراف میں بنیوں کی عالی شان حویلیوں کی دیواریں نہ بن گئی ہوتیں تو وہ بھی کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔ فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار

سلاطین مغلیہ کے تنزل کے ساتھ اس اسلامی آبادی کا بھی تنزل شروع ہوا یہاں تک کہ مرہٹوں اور جاٹوں کی چند روزہ حکومت میں ان کے مظالم سے یہ تمام علاقہ قطعی ویران ہو گیا بہت سی نایاب عمارتیں دفینہ کی تلاش میں منہدم کرادی گئیں۔ انگریزی عہد میں مسٹر بلنٹ صاحب کلکٹر پرمٹ نے جن کا دفتر مسجد مبارک منزل میں تھا اس محلہ کو از سر نو آباد کیا اور بلا کسی معاوضہ یا قیمت کے باقی ماندہ عمارات کو ساہوکاروں کے حوالہ کر دیا اسی نسبت سے اس کا نام محلہ شاہ رفیع الدین چوک آصف خاں۔ نخاس وغیرہ کی بجائے بیلن گنج مشہور ہوا۔

شاہی زمانہ میں جمنا ان حویلیوں اور باغات کی پائے بوسی کرتی تھی زمانہ کا رخ پھرا دیکھ کر اس نے بھی اپنا رخ پھیر لیا اور اب جمنا اور آبادی کے درمیان میں سڑک حائل ہے۔

حویلی دارا شکوہ

اس جانب کی عمارتوں میں سب سے عالی شان عمارت شاہزادہ دارا شکوہ کی حویلی تھی جس مقام پر آج پتھر کی دریاں اور سمن گنج واقع ہے اس مقام پر اس کی رفیع الشان عمارت تھی جس میں سیکڑوں ایوان و دالان۔ تہ نشینے۔ حمام۔ چوک۔ حوض فوارے موجود تھے اعلیٰ درجہ کی پچیکاری اور منبت کاری

کا کام تھا۔ قلعہ سے حویلی تک آمد و رفت کے واسطے سنگ مرمر کا تہ خانہ بنا ہوا تھا۔ غدر سے قبل تک اس حویلی کا صرف باغ اور ایک حوض باقی رہ گیا تھا جو عام طور سے جمنا باغ کے نام سے مشہور تھا اس کو منہدم کرا کر غلہ کا گنج بنایا گیا اور چاندنی چوک اُس کا نام رکھا گیا۔ چند سال کے بعد وہ بھی منہدم کرا دیا گیا۔

حویلی سلیمان شکوہ

اس حویلی کے قریب ہی دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ کی حویلی تھی اُس کا بھی کوئی آثار باقی نہیں رہا۔

گھاٹ

اب جمنا کے کنارے پر جو سنگین گھاٹ واقع ہیں وہ سب ہندوؤں کے گھاٹ ہیں صرف سمن گنج کے محاذ میں ایک اسلامی گھاٹ کہلاتا ہے جہاں ایک دیندار بھشتی مسمی مان خاں نے کسی قدیم مسجد کی بنیاد پر ایک چھوٹی سی مسجد بنادی ہے جس پر یہ کتبہ کندہ ہے "یا رب عبادت خانہ قدیم از سر نو تعمیر کنندہ مان خاں ولد خواجو قوم مسلمان پیشہ بھشتی ساکن دھرم شالہ بھرت پور متصل لب دریا گھاٹ خوجہ بنابر عبادت اہل اسلام تعمیر کردہ سپرد اہل پنچایت کرد۔ ۲۸ شوال ۱۳۱۸ھ۔"

اسلامی آثارات میں سب سے پہلے سمن گنج کی جنوبی دیوار سے ملحق ایک مختصر قبرستان اور اسی سمت میں ایک معمولی عمارت کی مسجد ہے۔

حویلی مرزا ایزد بخش رسا

اس کے بعد مرزا ایزد بخش کی عالی شان حویلی کے آثار ہیں یہ مرزا ایزد بخش آصف خاں جعفر بیگ وزیر جہانگیر بادشاہ کا پوتا اور عالمگیر اور بہادر شاہ کے عہد کا مشہور امیر اور ادیب اور شاعر تھا رسا تخلص تھا ۱۱۲۵ھ میں فرخ سیر نے اس کو شہید کرا دیا یہ حویلی اب مہاراجہ بھرت پور کی ملکیت میں ہے۔ اس کے ایک حصہ میں دھرم شالہ بنایا گیا۔ سب سے پہلے آگرہ کالج اسی حویلی میں جاری ہوا تھا ایک تہ خانہ میں مرزا ایزد بخش کی قبر موجود ہے فرخ سیر نے یہ حویلی ایک خوجہ کو دیدی تھی اس نسبت سے مدت تک یہ حویلی خوجہ کے نام سے مشہور رہی اور اب تک اس کی ملحقہ آبادی خوجہ کے گھاٹ کے نام سے مشہور ہے اب دریا کی جانب اس کے صرف دو برجوں کا زیریں حصہ باقی رہ گیا ہے۔

حویلی آصف خاں

اس حویلی کے بعد خان خاناں یمین الدولہ آصف خاں آصف جاہ (مرزا ابو الحسن) کی عالیشان حویلی کی مشرقی دیوار کا کچھ حصہ اور ہشت پہل سنگین برج اور ایک برجی اور ایک سنگین پھاٹک جانب

مغرب باقی ہے۔ یہ آصف خاں۔ اعتماد الدولہ کے بیٹے۔ نورجہاں بیگم کے بڑے بھائی ممتاز محل کے باپ اور جہانگیری اور شاہجہانی عہد کے سب سے بڑے امیر تھے جن کا انتقال ۱۰۵۱ھ میں بمقام لاہور ہوا اُن کا مقبرہ لاہور ہی میں ہے۔ عمارات کا ان کو بہت شوق تھا لاہور۔ آگرہ۔ دہلی اور کشمیر میں دہ کروڑ ستر لاکھ روپیہ کے صرف سے عالی شان حویلیاں بنوائی تھیں آگرہ کے جس مقام پر یہ حویلی واقع ہے وہ نخاس کے نام سے مشہور تھا اس حویلی میں ۵۶ پھاٹک اور ۵۲ چوک تھے۔ پانچ سو بیگہ اراضی میں پوری عمارت تھی۔ اکثر آثار قدیمہ مثلاً خانقاہ شاہ رفیع الدین صاحب وغیرہ اس کے درمیان میں آگئے تھے۔ اب اس کے اندر ایک محلہ آباد ہے اور بیرونی جانب سوائے آثارات مندرجہ بالا کے کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ جدید ریلوے پل کی جانب جو برج ہے اس کے حصہ زیرین میں کسی بزرگ کا مزار بتایا جاتا ہے مشہور ہے کہ اس برج کے اندر بالائی حصہ پر بیٹھنے سے کئی آدمی مر چکے ہیں اس وجہ سے یہ خونی برج کہلاتا ہے۔ جہانگیر نے تزک جہانگیری میں واقعات ۱۴ سنہ جلوس اس حویلی میں جانے کا ذکر کیا ہے اور اس کے حمام کی بہت تعریف لکھی ہے۔

مسجد مبارک منزل

اسکے بعد وہ عمارت تھی جس میں شہنشاہ عالمگیر فتح سموگڑھ کے بعد آگرہ میں آکر مقیم ہوا تھا اسی نسبت سے یہ مبارک منزل کے نام سے مشہور تھی اس کے قریب بادشاہ نے ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی تھی جو مسجد مبارک منزل کے نام سے مشہور ہوئی اس مسجد کا کتبہ جو مرزا ایزد بخش رسا کا لکھا ہوا مسجد کے دروازہ پر کندہ تھا۔ جو مفتاح التواریخ مؤلفہ مسٹر بیل صاحب اور تاریخ آگرہ منشی سیل چند میں نقل ہوا ہے۔ انگریزی عہد میں اس مسجد میں پرمٹ کی کچہری قائم کی گئی اور مسٹر ملنٹ کلکٹر پرمٹ نے مبارک منزل میں مبارک گنج قائم اور محلہ بیلن گنج آباد کیا۔ جب پرمٹ کی کچہری اس میں سے ہٹی تو گورنمنٹ نے اٹھارہ ہزار روپیہ میں سیٹھ چنی لال صاحب کے ہاتھ نیلام یا فروخت کر دی۔ مدت تک اس میں ای۔ آئی۔ آر کا گودام رہا۔ مسلمانوں نے کئی مرتبہ اس مسجد کے واگذاشت کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی اخیر مرتبہ مسٹر میکڈانل صاحب لفٹننٹ گورنر کے زمانہ میں جبکہ اس میں ریلوے کا گودام تھا یہ معاملہ گورنمنٹ تک پہنچا اور مسٹر فینشم صاحب ڈپٹی کلکٹر اسکی تحقیقات پر مامور ہوئے۔

اُس وقت تک اسکے ایک حصہ میں مُصلّے تک موجود تھے مگر افسر تحقیقات کنندہ نے اس کو مسجد تسلیم نہ کیا اور حویلی تسلیم کرکے رپورٹ بھیجی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ بطور یادگار فتح عالمگیر یہ عمارت آثار قدیمہ میں شامل کرکے اس مضمون کا دروازہ پر ایک کتبہ لگادیا گیا اب خدا معلوم کس طرح وہ کتبہ بھی ندارد ہوگیا اور اُس دروازہ کی جگہ دوسرا جدید سنگین دروازہ تعمیر ہوگیا ہے۔

مسجد کی عمارت منقلب حالت میں ہے مگر بیرونی محرابیں اور گوشوں کے چاروں ہشت پہل برج اصلی حالت پر قائم ہیں چھت پر مزید عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ رائے بہادر سیٹھ سورج بھان صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ و گورنمنٹ ٹریزرار اس کے مالک ہیں۔

حویلی شائستہ خاں

مبارک منزل کے بعد امیر الامرا نواب شائستہ خاں کی حویلی تھی جو خانخاناں آصف خاں کے بیٹے اور شہنشاہ عالمگیر کے عہد کے مشہور امیر اور بادشاہ کے ماموں تھے اس کے کسی قدر آثار نالہ کے کنارہ پر باقی ہیں۔

شورہ والی کوٹھی

اسکے بعد وہ کوٹھی ہے جو شورہ والی کوٹھی کے نام سے مشہور اور سابق میں نواب ضیاء الدین صاحب رامپور کی ملکیت میں تھی جسے اُنھوں نے رائے بہادر سیٹھ سورج بھان صاحب کے ہاتھ فروخت کردیا ہے یہ غالباً بہمن یار خاں خلف نواب شائستہ خاں کی حویلی ہے اس میں اب بہت تغیر و تبدل ہوگیا ہے مگر عمارت قدیمہ اب بھی باقی ہے۔

اس کے بعد لب دریا جان صاحب والی عالی شان ملیں اور کارخانے بن گئے ہیں پھر شہر کا واٹر ورکس یا کارخانہ آب رسانی کی عمارت اور تالاب ہیں۔ بیسیوں آثار قدیمہ ان کی وجہ سے نیست و نابود ہوگئے۔

روضہ جعفر خاں

اسکے بعد نواب جعفر خاں کا روضہ ہے۔ یہ جعفر خاں صادق خاں میر بخشی کا لڑکا اور یمین الدولہ آصف خاں کا بھانجہ اور داماد اور شاہجہانی اور عالمگیری عہد کا مشہور ہیجہزاری امیر تھا جو عمدۃ الملک کے خطاب سے موصوف اور اخیر میں وزیر اعظم تھا ۱۰۸۱ھ میں انتقال ہوا۔ اسی روضہ کے قریب اُس کی حویلی تھی جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں۔ روضہ کی عمارت منقلب حالت میں موجود اور

چہار دیواری اور گوشوں کے شکستہ برج ہنوز قائم ہیں یہ کسی ہندو رئیس کی ملکیت میں ہے اور اب اس میں گئو شالہ ہے۔

مقبرہ و مسجد نواب شائستہ خاں

روضہ کے محاذ میں مشرقی جانب سنگ سرخ کی ایک شکستہ مسجد اور ایک منہدمہ سنگین روضہ کی عمارت واقع ہے اس پر کوئی کتبہ تو موجود نہیں مگر گذشتہ قلمی تحریرات اور آثار قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نواب شائستہ خاں خلف یمین الدولہ آصف خاں کے مقبرہ کی باقیماندہ عمارت کے آثار ہیں۔ مقبرہ کا گنبد ایک مرتفع اور منہدمہ چبوترہ کے وسط میں واقع ہے جس میں اب ایک کاشتکار رہتا ہے۔ گنبد شاندار اور سنگ سرخ کا ہے باقی ماندہ پتھر منقش اور خوشنما ہیں۔ مقبرہ کے شمالی جانب مسجد کی عمارت ہے جسکی کرسی مقبرہ سے نیچی ہے یہ دو درجہ اور پانچ محراب کی مسجد تھی جس کا ایک بیرونی درجہ اور شمالی جانب کا ایک گنبد منہدم ہو گیا۔ دو گنبد باقی ہیں۔ مقبرہ اور مسجد کے اکثر منہدمہ پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ صحن کے گوشہ جنوب مشرق میں ایک چبوترہ پر تین سنگین قبریں ہیں مگر کسی پر کتبہ نہیں۔ یہ مسجد اور مقبرہ آثار قدیمہ میں داخل ہے اور یہاں محکمہ آثار قدیمہ کا نوٹس لگا ہوا ہے۔

چھتری جسونت سنگھ

جعفر خاں کے روضہ سے آگے رجواڑہ کی آبادی اور جسونت کی چھتری واقع ہے۔ اسجگہ پر مغلیہ عہد کے راجپوت راجاؤں کی عمارتیں واقع تھیں جو اب باقی نہیں البتہ ایک مختصر سی دیہاتی آبادی اس عہد کی یادگار اور ہنوز رجواڑہ کے نام سے موسوم ہے آثار قدیمہ میں صرف راجہ جسونت سنگھ راٹھور والی جودھپور کی جو شاہجہانی اور عالمگیری عہد کا مشہور امیر تھا چھتری کی عمارت باقی ہے جو چھتری راجہ جسونت سنگھ کے نام سے مشہور اور لبِ دریا نہایت شاندار اور منقش خوش منظر عمارت ہے۔

مقبرہ شاہ سید رفیع الدین محدث اکبرآبادیؒ

محلہ پالس دروازہ سے جو سڑک بیلن گنج کو گئی ہے اس سڑک پر جانب مشرق ایک تنگ گلی کے اندر ہو کر اس مقبرہ کا راستہ ہے جو شاہی زمانہ میں آصف خاں کی حویلی کے احاطہ میں آگیا تھا۔

سید رفیع الدینؒ کا کسی قدر تفصیلی حال بوستانِ اخیار یا تذکرہ مشاہیر اکبرآباد میں قلمبند کیا

جا چکا ہے مختصر یہ ہے کہ آپ حسنی حسینی سیّد اور نہایت عالم فاضل بزرگ تھے۔ پیدائش کا مقام آنک متصل شیراز ہے۔ آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ وطن سے ہجرت کر کے حرمین شریفین زادھما اللہ شرفًا میں آ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ عراق و عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ کی سیّاحی فرماتے ہوئے ہندوستان میں تشریف لائے گجرات سے دہلی اور وہاں سے آگرہ میں رونق افروز ہوئے سلطان سکندر لودی کا زمانہ تھا آگرہ نیا آباد ہو رہا تھا۔ بادشاہ دور دور سے علما فضلا کو بلا کر آگرہ کو رونق بخش رہا تھا بادشاہ کی دینداری اور علمی قدردانی اور آگرہ کی خاک ایسی دامنگیر ہوئی کہ سیّاحی ترک کر کے جمنا کے کنارہ اسی مقام پر آباد ہو گئے۔ سکندر لودی کے زمانہ سے سلیم شاہ سور کے زمانہ تک چھ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور ہر عہد میں معزز و مفتخر رہے ہر بادشاہ آپ کی خانقاہ کی حاضری باعث فخر اور امورات سلطنت میں آپ کے نیک مشوروں پر عمل کرتا تھا۔ آپ کی خانقاہ ایک عظیم الشان اسلامی مسافر خانہ اور آپ کا دسترخوان خلیلی دسترخوان تھا۔ ہزاروں علما، فضلا، شعرا، اور شرفا مختلف ممالک سے ہجرت کر کے آپ کی خانقاہ میں آ کر قیام فرماتے اور آپ کی سخاوت و دریا دلی کے بدولت آپ ہی کے محلہ میں آباد ہو جاتے تھے۔ آپ کی خانقاہ علوم ظاہری و باطنی خصوصًا علم حدیث کی ایک ایسی یونیورسٹی تھی جس کا فیض مدت دراز تک جاری رہا اور ہزاروں طلبہ اس سے فیضیاب ہوئے سنہ ۹۵۴ھ میں آپ کا وصال ہوا اور خانقاہ کے اندر آرام فرمایا اب نہ وہ محلہ باقی نہ خانقاہ کی کوئی عمارت موجود صرف قبرستان کا مختصر حصہ باقی رہ گیا ہے۔ مزار مبارک کے اوپر ایک وسیع اور خوشنما سنگین گنبد تھا جس کی چھت گر گئی ستون وغیرہ باقی ہیں۔ اس قبرستان میں اس عہد کے اور بھی بہت سے بزرگان باکمال کے مزارات واقع ہیں۔ قبرستان کی موجودہ حالت خراب اور کس مپرسی کے عالم میں ہے۔

مزار شاہ فخر الدین مداری رحمۃ اللہ علیہ

شاہ فخر الدین مداری رحمۃ اللہ علیہ یعنی عہد اکبری کے مشاہیر بزرگوں سے ہیں جن کے ذکر خیر سے بوستان اولیا کے اوراق شگفتہ ہیں ۱۹ جمادی الثانی سنہ ۹۱ھ آپ کے وصال کی تاریخ ہے محلہ بیلن گنج کے قریب

ایک محلہ جیونی منڈی کے نام سے موسوم ہے اُس کے قریب شمالی جانب آپ کا مزار مبارک واقع ہے۔ اس پر عالی شان گنبد تھا جواب باقی نہیں رہا درگاہ کی چہار دیواری تک باقی نہیں رہی۔

—— ⁂ ——

باب ششم

عمارات خاص شہر آگرہ

جامع مسجد

جہاں آرا بیگم

یہ عالیشان جامع مسجد شاہزادی جہاں آرا بیگم کی بنوائی ہوئی ہے جو ممتاز محل کے بطن سے شاہجہاں بادشاہ کی دوسری بیٹی اور بیگم صاحبہ کے خطاب سے موصوف تھیں سہ شنبہ کے دن ۲۳ صفر ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) کو پیدا ہوئیں سن تمیز پر پہنچکر اعلیٰ تعلیم حاصل کی شاہجہاں کو اپنی تمام اولاد میں سب سے زیادہ ان سے محبت تھی چنانچہ ممتاز محل کے انتقال کے بعد اُن کے متروکات میں سے جس کی تعداد ایک کروڑ روپیہ سے زائد تھی نصف حصہ بادشاہ نے انھیں مرحمت کیا اور نصف اور سب اولاد میں تقسیم کیا گیا۔ اُس وقت تک چار لاکھ روپیہ سالانہ ان کا وظیفہ تھا۔ اُس کی تعداد دس لاکھ کر دی گئی جس کی تعداد بعد میں اضافہ ہوتے ہوتے ساٹھ لاکھ روپیہ سال تک پہنچی بیگم صاحبہ کو امورات سلطنت میں بھی بیحد اختیار و اقتدار حاصل تھا۔ چونکہ وہ دارشکوہ کی علانیہ طرفدار تھیں لہذا اورنگ زیب کے عہد سلطنت میں اُن کا وہ اقتدار باقی نہیں رہا اور اُن کا وظیفہ بھی بجائے ساٹھ لاکھ کے سترہ لاکھ روپیہ سالانہ رہ گیا۔ بیگم صاحبہ باپ کے ایام قید میں اُسکی غمخوار اور رنج و راحت کی شریک رہیں اور شاہجہاں کی وفات کے بعد قلعہ دہلی میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ آخرکار ۳ رمضان ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ء) کو سفر آخرت اختیار کیا اور حضرت

نظام الدین اولیاؒ کے روضہ کے صحن میں اُس مجھر کے اندر جو اپنی زندگی میں تعمیر کرایا تھا دفن ہوئیں لوح مزار پر یہ بیت کندہ ہے ؎

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا   کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

جہاں آرا بیگم صوم صلوٰۃ اور دیگر احکام مذہبی کو کمال سرگرمی سے انجام دیتی تھیں اور بزرگانِ دین خصوصًا خواجگانِ چشت اہلِ بہشت سے خاص عقیدت رکھتی تھیں۔ بزرگانِ چشت کے حالات میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جو مونس الارواح کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے علاوہ اُن کے چند خطوط جو بھائیوں کی باہمی لڑائی کے زمانہ میں اورنگ زیب کے نام لکھے تھے اور نظم میں شاہجہاں کا مرثیہ بھی کتب تاریخ میں موجود ہے

شاہجہاں آباد (دہلی) لاہور۔ کشمیر۔ کابل۔ اجمیر اور اکبر آباد میں آنہوں نے بہت سی عمارتیں اور باغات تعمیر کرائے جن میں سے اب بھی اکثر موجود ہیں۔

شاہجہاں نے جب تخت نشین ہو کر قلعہ اکبر آباد میں نئی نئی عمارتیں ہوائیں تو شہر میں بھی لب دریا ایک عالیشان مسجد کی بنیاد رکھی ہنوز پورے طور سے کام تعمیر شروع نہ ہونے پایا تھا کہ ممتاز محل کا انتقال ہوگیا اور روضہ کی تعمیر شروع ہوجانے سے مسجد کی تعمیر ملتوی ہوگئی۔ اسی عرصہ میں بادشاہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جامع مسجد بجائے لبِ دریا کے وسط شہر میں تعمیر ہونا چاہیئے تاکہ ہر وقت آباد رہے اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو پس قلعہ کے پاس یہ مقام جہاں اب جامع مسجد واقع ہے تجویز ہوا۔ جہاں آرا بیگم نے باپ سے التجا کی کہ یہ کار خیر میرے سپرد کیا جائے تاکہ میرے نامۂ اعمال میں اس کا ثواب لکھا جائے۔ بادشاہ نے یہ التجا قبول کی اور بیگم صاحبہ نے خود اس مسجد کو بنوانا شروع کیا۔ کچھ زمین خالصہ کی تھی باقی مالکان اراضی سے منہ مانگی قیمت پر خریدی گئی غرضکہ پانچ برس کے عرصہ میں پانچ لاکھ روپیہ کے صرف سے ۱۰۵۸ھ ۱۶۴۸ء میں یہ رفیع الشان مسجد تکمیل کو پہنچی۔

یہ مسجد سنگ سرخ کی ہے صرف بیرونی دیوار خشتی و چونے کی ہے اندر فرش سے ۵ فیٹ ۷ انچ کی بلندی تک اور اندرونی درمیانی محراب اور پیش طاق میں شفاف سنگ مرمر لگا ہے۔ اسکی لمبائی

(۱۷۲ فیٹ اصل مسجد + ۴۴ فیٹ (شمال وجنوب کے حجرے) ۱۷۲ فیٹ اور چوڑائی ۳۹ فیٹ ۵ انچہ اور
بلندی فرش صحن سے ۲ فیٹ ہے درمیان میں بلند پیش طاق اور اردگرد دو دو محرابیں ہیں بغلوں میں
دونوں طرف تین تین حجرے عورتوں کے واسطے بنائے گئے ہیں جن میں بیرونی جانب جالیاں لگی ہیں
درمیانی محراب میں نہایت چمکدار سنگ مرمر لگا ہے اور اطراف میں بخط نسخ سورہ والشمس اور درمیان
میں آیت الکرسی اور سنہ ۱۲۷۵ھ سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے کندہ ہے جو نہایت خوشخط اور جلی قلم سے
لکھی گئی ہے۔ خاص مسجد کا فرش اب سادہ ہے مگر ظن غالب ہے کہ مثل بغلی حجروں کے جن میں سنگ مرمر
اور سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے مصلّے بنے ہوئے ہیں یہاں بھی ضرور مصلّے بنے ہونگے۔

مسجد کا صحن ۱۷۲ فیٹ × ۲۰۸ فیٹ ہے۔ اس کے اردگرد یعنی تینوں ضلعوں میں ایک ایک درۂ
اور پچاس محرابوں کے دالان بنے تھے جن میں اب صرف شمال وجنوب کے ۱۸-۱۸ محرابوں کے
دالان باقی ہیں جو ۱۵ فیٹ ۴ انچہ چوڑے ہیں مشرقی دالان معہ عالیشان صدر دروازہ کے جو بادشاہی
دروازہ کے نام سے موسوم تھا غدر سنہ ۱۸۵۷ء میں گرادیا گیا بلکہ مسجد بھی منہدم ہوتے ہوتے رہ گئی۔
صحن کے وسط میں ۴۲ فیٹ لمبا اور ۳۲ فیٹ چوڑا حوض بنا ہے جس کے چاروں گوشوں پر ایک برج
اور درمیان میں فوّارہ لگا ہے۔ شاہی زمانہ میں اس حوض میں مسجد کے کنوئیں سے جو جنوبی جانب
مسجد کے باہر نیچے واقع ہے پانی بھرا جاتا تھا اب نلوں کے ذریعہ سے پانی آتا ہے۔ تینوں ضلعوں کے
وسط میں ایک ایک دروازہ ہے جس میں شمالی وجنوبی دروازہ قدیم اور مشرقی دروازہ جدید بنا ہے
جس کی بیرونی پیشانی پر یہ عبارت کندہ ہے "دروازہ مسجد جامع (۱۸۶۷ء) ۱۲۸۴ھ میں باہتمام صاحبان
لوکل انجمان اہل اسلام آگرہ تیار ہوا"

مسجد کی چھت نہایت بلند ہے جس پر تین رفیع الشان وخوشنما گنبد اور درمیانی گنبد کے
اطراف میں چار بلند منارے اور چاروں گوشوں پر چار آٹھ آٹھ محرابوں کے برج واقع ہیں اسی
طرح کے دو برج مشرقی ضلع کے دونوں گوشوں پر بنے ہیں۔ گنبد سنگ سرخ کے ہیں جن میں سنگ مرمر
کی پچیکاری سے خوشنما پٹریاں بنائی گئی ہیں۔ مسجد کی پیش طاق والی دیوار اور دالانوں کی دیوار دیا

پر برابر برابر، ۲۰ برجیاں مزین ہیں جنہوں نے مسجد کی خوشنمائی کو دوبالا کر دیا ہے۔
مسجد کے پیش طاق کی بیرونی محراب کے اطراف میں سنگ مرمر میں سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے بخط نسخ یہہ کتبہ مرقوم ہے۔

این مسجد لیست شریف خدا پرستان روئے زمین را و معبد لیست منیف سعادت نشان عبادت گزین را۔ و منظر لیست نور افزائے دیدہ وران۔ عبرت آئین را۔ و مسکنیست دلکشا عارفان حقیقت بین را۔ کہ بامر رفیع القدر نواب فلک جناب خورشید احتجاب عصمت قباب عفت نقاب سیدہ نساء زمان صاحب نسوان دوران ملکہ جہان مالکہ گیہان ناموس العالمین اعز اولاد امیر المومنین جہان آرا بیگم در عہد سعادت مہد صاحب عصر والئی دہر ظل ظلیل حضرت سبحان خلیفہ نبیل ایزد منان۔ باعث امن و امان۔ بادشاہ ہفت اقلیم۔ برازندہ تخت و دیہیم۔ حارس ملک و ملت۔ قامع جور و بدعت۔ بادشاہ دین پناہ۔ شہنشاہ حق آگاہ۔ مظہر کرم وجود۔ برگزیدہ حضرت معبود۔ فرماں فرمائے بحر داد دہ عدل گستر۔ رافع لوائے بر و احسان۔ جہاں بان ملک ستان۔ مقنن قوانین رعیت پروری و پروردہ نوازی ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی بہ مبلغ پنج لک روپیہ کہ قریب ہفتدہ ہزار تومان رائج ایران و بیست پنج لک خانی نافق توران باشد در عرض پنج سال صورت انجام پذیرفتہ۔ ایزد بے نیاز دادار بے انباز این بنائے رفیع را چوں بیت المعمور پائدار و این اساس منیع را چوں کاخ فلک برقرار داراد۔ و برکات و میامن آں را بروزگار کرامت آثار یا نیہ مبانی خیرات عام مراسم مبرات عاید گرداناد تمہ سنہ ۱۰۵۸

غدر ۱۸۵۷ء کے پر آشوب زمانہ میں نہ صرف اس مسجد کا شاندار مشرقی دروازہ ہی مع دالان ہائے متعلقہ منہدم کرا دیا گیا بلکہ یہہ مسجد بھی معطل کر کے مقفل کر دی گئی اور جس کے دروازے سات آٹھ برس تک نمازیوں کے واسطے بند اور سپاہیوں اور کارخانوں کے واسطے کھلے رہے۔

۲۵ اگست ۱۸۵۷ء سے مولانا محمد قمر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ[1] متولی جامع مسجد نے اس مسجد کی واگذاشت کی کوشش شروع کی اور صاحب مجسٹریٹ ضلع سے لیکر حکام فوجی اور جناب گورنر جنرل صاحب بہادر تک متعدد درخواستیں پہنچائیں۔ آخرکار سات آٹھ برس کی مسلسل کوشش اور شب و روز کی دعاؤں کے بعد رحمت الٰہی جوش میں آئی اور مسٹر جان بیٹن صاحب کمشنر آگرہ کی سفارش اور رحمدل لارڈ جان لارنس صاحب بہادر گورنر جنرل ہند کے حکم نمبری ۳۹۸ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۸۶۴ء کے بموجب جناب نواب گورنر بہادر نے بذریعہ چٹھی نمبری ۱۲۲۸ الف مورخہ ۴ مئی ۱۸۶۴ء اس مسجد کو واگذاشت فرماکر تمام مسلمانان ہند کو مشکور فرمایا اور ۱۶ مئی کو برگیڈ میجر صاحب آگرہ نے مسجد کا دخل مولانا محمد قمر الاسلام کو دے دیا۔

واگذاشتگی کے بعد سب سے پہلے عید الاضحیٰ کی نماز جامع مسجد میں ادا کی گئی جس میں اضلاع قرب و جوار کے بھی بہت سے مسلمان شریک تھے۔ نماز کے بعد گورنمنٹ عالیہ کے شکریہ کے واسطے جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا محمد قمر الاسلام نے عربی میں گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا اور حسب ذیل اشعار پڑھے[2]

شکرِ خدا کہ رفت خزان و بہار شد	آباد باز خانۂ پروردگار شد
زآشوبِ دہر مسجد جامع بہ آگرہ	یک لخت بے نماز و اذان تیرہ تار شد
ہرچند در مشیتِ حق خلق راچہ دخل	لیکن بہ عابدان زمان ناگوار شد
مسجد کہ بے نماز بود کم ز مردہ نیست	درتن چو جاں نماند زِ عزّ و وقار شد
حاکم خدا پرست و مسیحا نفس رسید	احیائے امر خیر ازو آشکار شد

[1] مولانا محمد قمر الاسلام موضع رسول آباد پرگنہ تال گرام ضلع فرخ آباد کے متوطن اور صدر دیوانی آگرہ کے اپیل دوم کے دفتر میں ملازم تھے۔ آپ ایک معزز شریف علمی خاندان کے فرد تھے جو صدیوں سے علم و فضل سے موصوف تھا۔ مسٹر جیکسن صاحب کلکٹر آگرہ نے آپکی دیانت و امانت کا شہرہ سنکر آپ کو جامع مسجد کا متولی مقرر فرمایا تھا۔ جب تک صدر دیوانی کا دفتر آگرہ میں رہا آپ جامع مسجد کے متولی اور امام رہے۔ آپ کے الہ آباد تشریف لیجانیکے بعد آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد سراج الاسلام جامع مسجد کے امام مقرر ہوئے اور جامع مسجد کی تولیت کمیٹی لوکل ایجنسی اہل اسلام آگرہ کے سپرد ہوئی۔ ہمارے موجودہ امام مولانا ضیاء الاسلام صاحب جو ان بزرگان کی بہترین یادگار ہیں مولانا محمد سراج الاسلام کے صاحبزادہ ہیں [2] یہ اشعار خود مولانا محمد قمر الاسلام کے دستِ مبارک کی لکھی ہوئی جو کتب خانہ محمدیہ آگرہ میں موجود ہیں ۱۲

بر عرض ایں فقیر زِ انصاف گوش کرد حاصل بہ دے ثواب و مرا افتخار شد
مسجد بروز عید منور شد از نماز بعد از نماز خلق ز حق خواستگار شد
یارب بہ مدعا برساں آں امیر را خلقِ تو کرد عدالتِ او کامگار شد
ذکرِ دعائے خیر تُرا ایہا الامیر دایم دل و زبانِ مرا شغل و کار شد
نام نکو ز بانی مسجد چنانکہ ماند ہر چند انقضائے بسے روزگار شد
زینساں بنام نامی ممدوح من قمر زیں امر خیر نام نکو یادگار شد

اِس جلسہ میں سر سید احمد خاں مرحوم بھی شریک تھے اور انہوں نے اردو میں جو طول و طویل دُعا پڑھی تھی وہ اُن کے لکچروں کے مجموعہ میں شائع ہو چکی ہے۔

اب اس مسجد کا اہتمام بشمول دیگر مساجد شاہی ایک کمیٹی کے متعلق ہے جو کمیٹی لوکل ایجنسی یا اسلام کمیٹی کے نام سے موسوم اور پانچ ممبروں پر مشتمل ہے۔ یہ کمیٹی زیر ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۶۳ع قائم ہے اور ممبروں کا انتخاب مسلمانان آگرہ کرتے ہیں۔ مارچ سنہ ۱۸۶۹ع میں جامع مسجد کی دوکانات کی آمدنی صرف مبلغ ۶۹ ماہوار تھی۔ اب مبلغ ۱۳۶ ماہوار کرایہ وصول ہوتا ہے جامع مسجد میں

مدرسہ عالیہ

ایک مدرسہ بھی جاری ہے جو مدرسہ عالیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں اردو۔ فارسی حساب قرآن مجید قرأت کے علاوہ اعلیٰ درجہ تک عربی کی تعلیم ہوتی ہے

مسافرخانہ

شاہی زمانہ میں اس کے قریب اور اِس کے متعلق ایک مسافرخانہ بھی تھا جس کا اب کوئی وجود باقی نہیں رہا۔

ریلوے اسٹیشن آگرہ فورٹ

چوک دیر پولیہ

قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان میں آگرہ فورٹ ریلوے اسٹیشن کی عمارت واقع ہے جو آگرہ کا سب سے زیادہ بارونق ریلوے اسٹیشن ہے۔ یہاں سابق میں چوک دیر پولیہ کی شاندار عمارت واقع تھی جسے شاہجہاں بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ہشت پہل عمارت تھی جس کا قطر ۸۰ افیٹ تھا۔

درمیان میں وسیع صحن اور اطراف میں دو منزلہ دو درجہ کی دوکانیں تھیں جن میں ہر قسم کے اعلیٰ تجار بیٹھتے تھے۔ نہایت آباد اور شاندار مقام تھا جس کے آثار اسٹیشن کی تعمیر ہونے تک موجود تھے۔

شفاخانہ
مسجد محکمہ

اسی کے قریب شاہی شفاخانہ کی وسیع عمارت تھی اور ایک قدیم مسجد موسومہ مسجد محکمہ واقع تھی جس میں قاضی اور مفتی شہر کا اجلاس ہوا کرتا تھا۔ ایام غدر میں یہ عمارتیں قلعہ کے قریب ہونے کی وجہ سے منہدم کرادی گئیں۔

مزار شاہ مبارک غوثؒ

شہر سے جو سڑک آگرہ فورٹ ریلوے اسٹیشن اور قلعہ کو گئی ہے اُس پر ریلوے پل کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد اور اُس کے سامنے ایک مزار واقع ہے جو شاہ مبارک غوثؒ کا ہے آپ سادات کبار اور مجذوبانِ صاحبِ حال سے تھے مدّت تک گوالیار میں رہے اور ۹۷۸ھ ۱۵۷۰ء میں اکبرآباد میں تشریف لائے اور چند روز بعد یہیں انتقال فرمایا پہلے اس مزار پر عمارت بنی ہوئی تھی اور قرب وجوار میں بہت بڑا محلہ آباد تھا جو قلعہ کے متصل ہونیکی وجہ سے بایام غدر مسمار کردیا گیا۔

قبرستان قدیم متصل قلعہ

پتھر کا گھوڑا

قلعہ کے شمال و جنوب اور مغرب میں مختلف مقامات پر کئی سنگین قبریں بنی ہوئی ہیں اور جنوبی جانب لب سڑک ایک سنگین گھوڑا نصب ہے جو کسی گھوڑے کی یادگار میں بنایا گیا تھا گوشہ شمال و مغرب میں پختہ کنوے کے قریب ایک قدیم قبرستان واقع ہے جس میں دس بارہ سنگین و پختہ قبریں موجود ہیں۔ ان میں صرف ایک قبر پر جو اسلامی اور عیسائی دونوں طرز کی قبروں کا مجموعہ ہے ایک طرف انگریزی میں اور پائیں پر فارسی میں یہ کتبہ کندہ ہے ؎

قبر ستارہ بیگم

قضا از جام اجل چوں ستارہ بیگم را	چشاند ذائقہ کُلّ مَنْ عَلَیْہَا فَان
جلیل مرتبہ لفٹنٹ شارپ عالی جاہ	ازاں جمیلہ معشوقہ عشق داشت بجاں

بسے ز گردش افسوس خورد و کرد بنا | منارہ کہ بود یادگار از جانان
بگفت ہاتف عیسی النفس پئے تاریخ | منارۂ فلک حسن و ناز گشت نہاں

سنہ ۱۸۰۴ء

مسجد اکبر آبادی یا اکبری مسجد

یہہ مسجد کناری بازار میں واقع ہے جسے شاہجہاں بادشاہ کی ایک دیندار بیگم نے جن کا نام عزالنسا بیگم اور خطاب اکبر آبادی محل[1] تھا تعمیر کرایا تھا کسی زمانہ میں یہہ عمارت کے لحاظ سے جامع مسجد کے بعد شمار ہوتی تھی اب اگرچہ قدیم عمارت باقی نہیں رہی مگر بلحاظ رونق و آبادی یہہ مسجد تمام اکبر آباد میں اوّل درجہ پر ہے اس میں ہر وقت کثرت سے نمازیوں کا ہجوم رہتا ہے اور بہت بڑی جماعت ہوتی ہے۔ موجودہ عمارت سنہ ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء میں باہتمام کمیٹی لوکل ایجنٹی اہل اسلام آگرہ تعمیر ہوئی تھی۔ یہہ سات محراب اور دو درجے یعنی دالان در دالان کی عمارت ہے جس کی لمبائی ۸۰ فیٹ ۳ انچ اور چوڑائی ۴۲ فیٹ ۶ انچ ہے چھت کے چاروں گوشوں پر ایک ایک برجی اور درمیان میں ایک چھوٹا سا پست گنبد واقع ہے۔ باقی چھت ۴-۴ ستونوں کے درمیان میں پتھر کی پٹیوں سے پٹی ہے۔ ایک ایک ستون پر تین تین چار چار محرابیں قائم ہیں ستون بہت بلند و خوشنما اور ۱۲-۱۲ پہل کے ہیں اور ہلالی محرابیں بھی جو کل ۳۰ ہیں بہت خوبصورت ہیں۔ بیرونی درمیانی محراب کے اوپر یہہ کتبہ کندہ ہے۔

باہتمام صاحبان لوکل اجنٹ اہل اسلام آگرہ مسجد اکبری مع صحن و حوض دوکانیں وغیرہ

بار دوم از سر نو تعمیر یافت سنہ ۱۲۸۶ھ"

صحن کی چوڑائی ۵۸ فیٹ ۱۲ انچ ہے جس کے درمیان میں ۲۷×۲۷ فیٹ حوض ہے شمالی جانب ایک دالان اور دو تین حجرے اور مشرقی جانب دونوں گوشوں پر دو سنگین برج بنے ہیں مسجد کے نیچے شمال و مشرق میں دوکانیں بنی ہیں۔ جن کا اہتمام اسلامیہ کمیٹی کے متعلق ہے۔ مارچ سنہ ۱۸۶۹ء

---

[1] اکبر آبادی محل نے ۴ ذی الحجہ سنہ ۱۰۸۸ھ ۱۶۷۷ء کو وفات پائی۔

ہیں ان دو کانوں کا کرایہ صرف لعہ ۵ ماہوار تھا اب مبلغ ۱۰ کے قریب ہے۔

مسجد اختیار خاں فوجدار

یہہ مسجد کناری بازار اور بازار سیب کے درمیان میں واقع ہے اس کی موجودہ عمارت دو منزلہ ہے۔ پہلی منزل قدیم اور دوسری منزل زمانہ مابعد کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی منزل مدت سے ایک بنیہ کے قبضہ میں تھی جو چند سال سے مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہے دونوں منزلوں میں تین تین محرابیں ہیں نیچے کی منزل کی مغربی دیوار میں پانچ سنگ سرخ کی محرابیں بنی ہیں۔ مسجد کے آگے جو دوکانیں ہیں وہ متولی کی بے ایمانی سے عرصہ دراز ہوا کہ نیلام ہو کر ایک سیٹھ کے قبضہ میں ہیں اور بالائی منزل کی مسجد کے سامنے ہی اس کا ایک کمرہ بنا ہوا ہے اس وجہ سے یہہ مسجد بالکل بدنما ہو گئی ہے یہاں تک کہ اس کا راستہ بھی نہایت مختصر اور تاریک ہے۔ بالائی منزل کی مغربی دیوار میں یہ کتبہ کندہ ہے "بنا کرد این مسجد در ایام دولت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ خلد اللہ ملکہ، بندۂ درگاہ اختیار خاں فوجدار خاصہ ابن شہاب الدین در سال نہصد و شصت و ہشت از ہجرت" اس سے واضح ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہد اور ۹۶۸ھ مطابق ۱۵۶۰ء میں اختیار خاں فوجدار نے اس مسجد کو بنوایا تھا۔

مسجد خواجہ وفا

خواجہ وفا کا اصلی نام حافظ محمد صالح تھا آپ میر عبداللہ احراری کے خلیفہ تھے اور اپنے پیر بھائی حضرت شاہ ابوالعلیٰ قدس سرہ سے بھی فیض پا کر خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ یہہ آپ کی تعمیر کی ہوئی مسجد بازار سیب میں واقع اور کمیٹی لوکل ایجنسی کے متعلق ہے۔ اس میں چھ دروں کا دالان در دالان ہے جس میں اندرونی دالان میں اجارہ تک سنگ مرمر لگا ہے بیرونی محرابوں پر کتبہ کندہ ہے جس کے بہت سے حروف مٹ گئے ہیں جو کچھ پڑھا گیا وہ حسب ذیل ہے ...... در سنہ ہزار و یکصد و بیست و دویم (۱۱۲۲ھ مطابق ۱۷۱۰ء) ...... جلوس مبارک برائے عبادت اہل اسلام این مسجد یادگار

منزل دو کاکین بنا ساخت ..... اخراجات مسجد..... مسجد واگذارد..... و ہمہ مسلمانان و اکابر شہر برائے عند اللہ شاہد این معنی باشند و ہر کس کہ در آں تفاوت راہ دہد نگذارند کہ تفاوتے تواند نمود و الا آں روز محشر ماخوذ خواہند گشت" اس مسجد کے نیچے دو کانیں بنی ہوئی ہیں۔

گرجا بازار سیب و سینٹ جونس کالج

بازار سیب کا یہ گرجا اور سینٹ جونس کالج جو اس کے قریب مغربی جانب واقع ہے پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی عمارتیں ہیں جو ۱۸۵۰ء میں تعمیر کی گئی تھیں۔ اس کا احاطہ بہت وسیع ہے جس میں دیسی عیسائیوں اور عیسائی واعظوں کے رہنے کیواسطے متعدد مکان بنے ہیں وسط میں گرجا کی رفیع الشان عمارت ہے جس کی چوٹی کوسوں تک نظر آتی ہے۔

سینٹ جونس کالج کی عمارت بھی وسیع ہے۔ یہ کالج ۱۸۵۰ء میں قائم ہوا ۱۸۶۲ء سے اس میں بی اے کی تعلیم جاری ہو کر کلکتہ یونیورسٹی سے ملحق ہوا پھر ۱۸۸۸ء میں یہ الہ آباد یونیورسٹی سے ملحق ہوا اب آگرہ یونیورسٹی سے ملحق ہے ۱۸۹۳ء سے اس میں ایم۔ اے کا درجہ بھی کھل گیا ہے ۱۸۵۷ء کے غدر میں باغیوں نے اس کا تمام کتب خانہ جلا دیا تھا۔ اس کالج کے متعلق ایک ہائی اسکول اور کئی پرائمری اسکول ہیں اور عیسائیوں کے علاوہ ہزاروں ہندو مسلمان اس کالج اور اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ اب اس عمارت میں صرف اسکول ہے اور کالج سول لائن کی عالی شان جدید عمارت میں منتقل ہو گیا ہے۔

مسجد یوسف شاہ

یہ مسجد محلہ چڑیمار ٹولہ میں واقع ہے جو بوجہ اپنی بلندی کے دور سے دکھائی دیتی ہے۔ بانی مسجد یوسف علی شاہ اول عیسائی واعظ تھے جن کے دل پر کسی بزرگ کی فیض صحبت سے اسلام کی حقانیت کا ایسا اثر ہوا کہ نہ صرف شرف اسلام سے مشرف ہوئے بلکہ اس قدر عبادت و ریاضت کی کہ اولیاء اللہ

کے زمرہ میں شمار ہونے لگے ۔ یہہ مسجد ایک بلند ٹیلہ پر احاطہ کے اندر واقع ہے۔
اس میں تین محرابیں۔ تین گنبد دو ٹھوس مینار اور دو سنگین منارے ہیں۔ شمالی جانب بانی مسجد اور
اُن کی بی بی کے مزارات ہیں یوسف علی شاہ کے مزار پر ایک خوشنما محراب کے اندر پتھر میں قدم شریف
نصب ہے محراب کے اطراف میں بخط نستعلیق یہہ شعر کندہ ہے ؎

قدم شریف

برزمین کہ نشانِ کفِ پائے تو بود ۔۔۔ سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

بی بی قطبا

بی بی صاحبہ کے لوح مزار پر بسم اللہ اور کلمۂ طیبہ کے بعد یہہ عبارت کندہ ہے "بی بی قطبا قوم
مغلانی در طریقۂ قادریہ المخاطبہ فقیر یوسف علی شاہ صابری چشتی ۔ بی بی موصوفہ اہل دل و محبت از پیران
عظام بدرجہ کمال دور روزہ و نماز دور راہ پروردگار از جان و دل نثار۔ بہ عمر شصت و دو سال تاریخ
پنجم ماہ ذوالقعدہ ۱۲۷۹ھ ہجری القدسی یوم جمعہ وقت نماز فجر جان بحق تسلیم کرد بعد نماز جمعہ مدفون شد
الٰہی عافیت بخیر باد۔ آمین" اس مسجد کے متعلق کئی دوکانیں ہیں جن کا انتظام کمیٹی لوکل ایجنٹی کے متعلق ہے

مسجد پانچو کی یا بیگم کی مسجد

محلہ پانچو کی میں ایک مرتفع چبوترہ پر یہہ مسجد پانچو کی یا بیگم کی مسجد کے نام سے مشہور ہے اسکی
ساخت قدیم زمانہ کی ہے جو پٹھانوں کی عمارتوں سے ملتی جلتی ہے ۔ باوجود تحقیقات یہہ پتہ نہیں چلا
کہ یہ کس کی بنائی ہوئی ہے اُسکی چھت پر صرف ایک گنبد ہے۔

حویلی بہادر خاں

محلہ نیم دروازہ اور گدھا پاڑا کے قریب بہادر خاں کی عالی شان حویلی واقع ہے جس میں
اب ایک محلہ آباد ہے جو حویلی بہادر خاں ہی کے نام سے مشہور ہے اس کی چار دیواری ہنوز قائم
ہے ۔ یہہ بہادر خاں قوم کا روہیلہ اور شاہجہاں کے عہد کا مشہور اور نہایت شجاع و بہادر امیر تھا جس نے
۹ / رجب ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء) کو وفات پائی ۔ اس کا مقبرہ اس کے آباد کئے ہوئے شہر شاہجہاں پور میں واقع ہے

مسجد شاہی محلہ مدرسہ

مدرسہ شاہی

سلاطین مغلیہ کے عہد میں جس مقام پر شاہی مدرسہ واقع تھا وہاں اب ایک بڑا محلہ آباد ہے جو مدرسہ شاہی کے نام سے موسوم ہے اُس مدرسہ کے اب کوئی آثار باقی نہیں صرف ایک مسجد موجود اور مسجد شاہی کے نام سے مشہور ہے یہہ تین در کی مسجد ایک احاطہ کے اندر واقع ہے اسکی لمبائی ۴۹ فیٹ اور چوڑائی ۲۴ فیٹ ۱۰ انچہ ہے چھت لداؤ کی گنبد نما ہے اور آگے بہت ہی مختصر صحن ہے اس مسجد کی عمارت کچھ شاندار نہیں ہے لیکن اسکی مغربی دیوار کی تینوں محرابیں اور اُن کے بے نظیر کتبے نہایت شفّاف سنگ مرمر کے ہیں جو اس مسجد کی موجودہ حالت دیکھکر کسی طرح اسکے نہیں معلوم ہوتے بلکہ کسی دوسری عالی شان شاہی مسجد کے معلوم ہوتے ہیں جو اس مسجد میں لگا دئے گئے ہیں کیونکہ ان کے سنہ بھی مختلف ہیں ایک کتبہ کے اخیر میں ۱۰۲۶ھ اور دوسرے کے اخیر میں ۱۰۴۵ھ مرقوم ہے اس سنگ مرمر کی نفاست و جلا اور کتبوں کی خوشخطی اور کاتب کا نام پڑھکر اُس مسجد کی خوشنمائی کا نقشہ دل پر جم جاتا ہے جس میں اول مرتبہ یہہ لگائے گئے ہونگے۔

یہہ کتبے اکبر و جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد کے سب سے مشہور خوشنویس امانت خاں شیرازی کی جادو نگاری کی یادگار اور اُبھرے ہوئے حروف اور خط نسخ میں ہیں۔ شمالی محراب میں سورہ توبہ کا تیسرا اور چوتھا رکوع اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ سے وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ تک کندہ ہے۔

درمیانی محراب کے اطراف میں اوّل سورہ جمعہ کا دوسرا رکوع اور اخیر میں صدق اللّٰہ العظیم وصدق رسول النبی الکریم والحمد للّٰہ رب العالمین کے نیچے کتبہ عبد الحق مخاطب بہ امانت خاں ۱۰۴۵ھ مرقوم ہے۔ اس کے نیچے سورۃ الفتح کا آخری رکوع لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّؤْیَا الخ اور آخر میں کتبہ عبد الحق المخاطب بہ امانت خاں ۱۰۲۶ھ تحریر ہے۔ تیسری یعنی جنوبی محراب کے اطراف سورہ نور کا چوتھا رکوع اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کندہ ہے۔

اسی احاطہ میں شمالی جانب سیّد امجد علی شاہ قادری سید منوّر علی شاہ اور سیّد مظفر علی شاہ

اور اُن کے خاندان کے اور بزرگوں کے مزارات ایک سنگین و بلند چبوترہ پر جس پر خوشنما سائبان پڑا ہے واقع ہیں یہہ حضرات آگرہ کے رئیس اور مشائخین عظام سے تھے جنکی خانقاہ اور گیارھویں کے مصارف کے واسطے زمانہ قدیم سے موضع بودلہ پرگنہ صدر تحصیل آگرہ معاف چلا آتا ہے۔

پنجہ شریف

محلہ مدرسہ شاہی کے قریب ایک قبرستان واقع ہے جو پنجہ شریف کے نام سے مشہور ہے اسکے اندر زمین درکی ایک چھوٹی سی مسجد اور بہت سی قبریں ہیں۔ جنوبی جانب بلند چبوترہ پر ایک محراب کے اندر دو پنجوں کے نشان بنے ہیں اور اسکے اوپر سنگین سائبان چھوٹے چھوٹے ستونوں پر قائم ہے۔ ان پنجوں کے متعلق سوائے خوش اعتقادی کی روایتوں کے کوئی مستند روایت نہیں سنی گئی البتہ ایک قدیم تحریر سے اس قدر پتہ چلا ہے کہ یہہ پنجے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہیں اور یہیں یار خاں خلف نواب آصف خاں شاہجہانی مشہور امیر نے اپنے استاد اسد خاں کے نذر کئے تھے۔

مسجد معتمد خاں

معتمد خاں کا اصلی نام محمد شریف تھا یہہ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ہندوستان میں وارد ہوکر ملازمت شاہی میں داخل اور سنہ ۳ جلوس میں معتمد خاں کے خطاب سے موصوف ہوا شاہجہاں کے زمانہ میں خدمت میر بخشگری اور منصب چہار ہزاری تک ترقی پائی اور ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء میں انتقال کیا۔ تاریخ اقبالنامہ جہانگیری انہیں کی تالیف ہے۔ کشمیری بازار میں ان کی تعمیر کی ہوئی یہہ عالیشان سنگ سرخ کی مسجد واقع ہے جو اس قدر بلند کرسی پر بنائی گئی ہے کہ دور دور سے دکھائی دیتی ہے۔ اصل مسجد کا طول ۴۳ فیٹ اور عرض ۲۰ فیٹ ہے اس میں تین محرابیں ہیں جو بہت خوبصورت ہیں سامنے کی دیوار پر محرابوں کے اطراف میں اکثر جگہ منبت کاری کا کام ہے اور صراحیاں ترشی ہوئی ہیں چھت پر دو برج اور تین گچکاری کے گنبد ہیں۔ صحن وسیع ہے جس کے نیچے شمال و مشرق میں

دو دکانیں بنی ہیں بانی مسجد نے بذریعہ تولیت نامہ مورخہ یکم رمضان سنہ ۱۲۷ھ اس مسجد کا متولی حافظ محمد یعقوب کو مقرر کیا تھا ۱۲ اگست سنہ ۱۸۶۲ء تک اُن کے خاندان میں اس مسجد کی تولیت رہی اب یہہ اسلام کمیٹی کے متعلق ہے سنہ ۱۸۶۲ء میں اسکی دو دکانوں کا کرایہ لعہ ماہوار تھا اب سالانہ کرایہ چار سو روپیہ ہے۔

کٹرہ خانخاناں

مسجد معتمد خاں کے سامنے ایک محلہ خانخاناں کی عالیشان حویلی میں آباد ہے جو کٹرہ خانخاناں کے نام سے مشہور ہے اس کا رفیع الشان سنگ سرخ کا دروازہ ہنوز موجود ہے جس پر نہایت نفیس نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہیں۔ بانی عمارت خانخاناں میرزا عبدالرحیم خاں ابن خانخاناں میرزا بیرم خاں اکبر و جہانگیر کے عہد کے مشہور و معروف امیر تھے جن کی سخاوت و دریا دلی کے کارنامے جواب افسانے معلوم ہوتے ہیں اب تک خلق کی زبان پر ہیں۔ جس جگہ کٹرہ خانخاناں و مسجد معتمد خاں اور مال کا بازار واقع ہے یہہ محلہ سابق میں بازار میاں بھوہ کے نام سے موسوم تھا۔ یہہ میاں بھوہ سلطان سکندر لودی کے مشہور و معروف امیر تھے۔

مسجد سلطان پرویز

یہہ مسجد بھی کشمیری بازار میں واقع اور کمیٹی لوکل ایجنسی کے متعلق ہے اگرچہ یہہ سنگ سرخ کی سادہ عمارت ہے مگر چونکہ سہ منزلہ عمارت کی برابر بلند کرسی پر بنی ہے اس وجہ سے کچھ نہ کچھ شان پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے نیچے کئی دوکانیں ہیں۔ بانی مسجد سلطان پرویز جہانگیر بادشاہ کا بیٹا تھا جس کا مقبرہ جمنا پار واقع ہے۔

کالی مسجد

یہہ مسجد محلہ صابن کٹرہ کے سامنے شفاخانہ کے قریب واقع ہے وجہ تسمیہ کی نسبت مختلف

روایتیں مشہور ہیں کوئی کہتا ہے کہ کلاں مسجد سے اس کا نام کالی مسجد ہو گیا کسی کا بیان ہے کہ یہ اپنے سیاہ گنبدوں کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح کوئی اسے سکندر لودی اور کوئی اکبر کی تعمیر کردہ بیان کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے میرزا مظفر حسین صفوی (پدر قندھاری بیگم زوجہ شاہجہاں) کی بتائی ہوئی لکھا ہے مگر تاریخ سے ان بیانوں میں سے کسی بیان کی تصدیق نہیں ہوتی میرے نزدیک یہ وہی مسجد ہے جس کا ذکر مآثر الامرا میں مظفر خاں تربتی (خواجہ مظفر علی) کے بیان میں آیا ہے جس میں یہ فقرہ درج ہے "مسجد جامع آگرہ نزدیک کٹرہ میاں رفیق بنائے مظفر خاں است"۔ کٹرہ میاں رفیق کا اب پتہ نہیں چلتا لیکن صابن کٹرہ اور مداریخاں کا کٹرہ اس کے قریب واقع ہے ممکن ہے کہ ان کٹروں میں سے قدیم زمانہ میں کسی کا نام کٹرہ میاں رفیق ہو یا اس نام کا اور کوئی کٹرہ اس مقام پر واقع ہو جہاں اب شفا خانہ بن گیا ہے۔ یہ مظفر خاں اکبر بادشاہ کے دیوان کل اور مشہور محاسب و امیر تھے جنہوں نے سنہ ۹۸۸ھ/۱۵ء میں وفات پائی۔

اصل مسجد کی لمبائی ۱۲۸ فیٹ اور چوڑائی ۳۳ فیٹ ہے یہ اینٹ اور پتھر سے بنائی گئی ہے اس کے اوپر پٹھانی طرز کے پانچ چپٹے گنبد ہیں جو سیاہ ہو رہے ہیں حمّام اور حوض شکستہ حالت میں موجود ہے۔ اس کا صحن بہت وسیع ہے جس میں اب قبریں بن گئی ہیں صحن میں شمال و مشرقی جانب ایک عالی شان مقبرہ کا چبوترہ اور تہ خانہ باقی ہے جس کے اندر دو قبریں ہیں۔ مدتوں کی ویرانی کے بعد اب اس مسجد کی مرمت شروع ہوئی ہے اور اس کا قدیم صدر دروازہ از سر نو کھولا گیا اور سیڑھیاں تعمیر ہو رہی ہیں۔

مزار سیّد شاہ محمدیؒ

حضرت سیّد شاہ محمدی چشتی صابریؒ حضرت شاہ محب اللہ صاحبؒ الہ آبادی کے خلیفۂ نامدار اور شہنشاہ عالمگیر کے عہد کے اولیائے کبار اور مشائخین صاحب کرامات سے تھے۔ آپ کا مولد قصبہ امروہہ ضلع مراد آباد ہے۔ ۳۰ رجب سنہ ۱۱ھ/۱۶۹۵ء کو آپ نے رحلت فرمائی مزار شریف محلہ بھینگ کی منڈی میں متصل مندر آریا سماج واقع ہے زمانہ سابق میں اس پر عالی شان عمارت تھی

امتداد زمانہ سے تمام عمارت منہدم ہوکر اراضی ہندوں کے قبضہ میں پہنچ گئی یہانتک کہ مزار مبارک بھی ایک مکان کے اندر ہوگیا۔ چند سال کا عرصہ ہوا کہ جناب مولانا محمد افضل صاحب مرحوم نے جو بخاری شاہ صاحب کے نام سے مشہور اور نہایت صاحب تقویٰ اور متوکل بزرگ تھے اس مکان کو خرید کر کے دالان و احاطہ مزار بنوادیا ہے جس کے دروازہ کی پیشانی پر یہہ تاریخ کندہ ہے ؎

ساقی عشق شہ محمدی ما | بود سردار مہکشیان حب
حمزۂ دہلوی غلام او | گفت تاریخ پیر مغان حب

حضرت شیخ محمدی عرف فیاض چشتی صابری ۳۰ رجب سنہ ۱۱

شفاخانہ

آگرہ کی تمام انگریزی عمارتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور وسیع شفاخانہ کی عمارت ہے جس کے جملہ قطعات تقریباً ایک میل کی لمبائی میں واقع ہیں۔

باغ ہیرامن — جس اراضی میں یہہ شفاخانہ واقع ہے اس میں کئی محلے آباد تھے جن میں سب سے وسیع اور مشہور محلہ باغ ہیرامن تھا۔ شفاخانہ میں بیسیوں عمارتیں ہیں جن میں سب سے خوبصورت اور عالیشان امتحانی کمرہ (ایگزامینیشن ہال) ہے جو مردانہ شفاخانہ (ٹامسن ہوسپٹیل) کی قدیم تعمیر شدہ عمارت سنہ ۱۸۵۴ء کے قریب واقع اور قریب ایک لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر کیا گیا ہے۔ آنکھوں کانوں کا شفاخانہ۔ زنانہ شفاخانہ (لیڈی لائل ہوسپٹیل) میڈیکل ہوسپٹل۔ زچہ خانہ وغیرہ سب کی عمارت شاندار و خوشنما ہے

آگرہ میں سب سے پہلے سنہ ۱۸۴۹ء میں محتاجوں کے واسطے ایک شفاخانہ قائم کیا گیا تھا جو چندہ سے مسٹر ریڈ صاحب ڈپٹی کلکٹر کے اہتمام سے جاری ہوا تھا اس کے بعد سنہ ۱۸۵۴ء میں موجودہ شفاخانہ کی بنیاد پڑی جس کی ترقی و توسیع اب تک جاری ہے اس شفاخانہ کے متعلق ایک میڈیکل اسکول بھی جاری ہے جس میں ہاسپٹل اسسٹنٹ کے درجہ تک تعلیم دی جاتی ہے ایک میڈیکل عجائب خانہ بھی موجود ہے۔

آگرہ کالج

ممالک متحدہ آگرہ واودھ کا یہ سب سے پرانا کالج ہے جو سنہ ۱۸۱۸ء سے جاری ہے پہلے یہ گورنمنٹ کالج تھا سنہ ۱۸۱۹ء سے اس کا انتظام بورڈ آف ٹرسٹی کے متعلق ہے اور گنگا دھر شاستری کے وقت سے اس کا خرچ چلتا ہے سنہ ۱۸۲۷ء میں یہ کالج میرزا ایزد بخش کی حویلی میں تھا جو ابسا کوٹھی لٹے صاحب کے نام سے موسوم ہے اس وقت اس میں تین جماعتیں تھیں جو علیحدہ علیحدہ عمارتوں میں تعلیم پاتی تھیں۔ ایک عمارت میں فارسی دوسری میں بھاشا اور سنسکرت اور تیسری میں عربی کی تعلیم ہوتی تھی مسٹر جیمس اسٹفین صاحب کالج کے پرنسپل تھے۔

شروع انگریزی زمانہ میں اس کالج کے استادوں کی نہایت وقعت تھی اور فارسی ہندی مدرسین تک جنہیں آج پرنسپل بھی منہ نہیں لگاتا لفٹنٹ گورنر کے دربار میں شریک کئے جاتے تھے چنانچہ اپریل سنہ ۱۸۵۰ء کے دربار میں منشی ابو الحسن صاحب مدرس فارسی اور پنڈت کیول رام صاحب مدرس ہندی شریک دربار تھے۔ ایک پرانے اخبار میں ۱۴ مارچ سنہ ۱۸۵۰ء کی امتحان سالانہ کی رپورٹ کی خبر اس طرح درج ہے "جمعرات کے دن جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مدرسہ میں تشریف لاکر امتحان سالانہ کی رپورٹ سنی اور کنہیا لال نامی ایک طالبعلم کو تمغہ طلائی عطا کیا اور طلبائے درجہ اعلیٰ کا وظیفہ مقرر کرکے چھوٹے درجہ کے طلبا کو کتابیں عنایت کیں بعد اس کے پہلے دخانی گاڑی (ریل)[1] کا حال بیان کیا اور پھر وہ گاڑی مدرسہ کے احاطہ کے اندر آہنی سڑک پر چلائی گئی سو اس کا امتحان بخوبی ہوا یعنی وہ گاڑی خوب چلی صدہا ہندوستانی و انگریز یہ تجربہ دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے کنہیا لال مذکور کو تمغہ طلائی کے سوا اسکالرشپ (وظیفہ) واسطے ترقی علوم انگریزی کے اور مبلغ عـــ۵ تنخواہ ترجمہ بہتر لکھنے کے واسطے مقرر ہوئی۔ یہ طالبعلم اب علم انجینیرنگ سیکھنے کے واسطے رڑکی جانا چاہتا ہے۔"

ریل کا امتحان

[1] ہندوستان میں سب سے پہلے سنہ ۱۸۵۳ء میں لارڈ ڈلہوزی کے زمانہ میں گریٹ انڈین پنینسلا (جی۔ آئی۔ پی) ریلوے بمبئی سے تھانہ تک جاری ہوئی۔

سنہ ۱۸۵۱ء کا ایک سیاح لکھتا ہے "گورنمنٹ کالج (آگرہ) کی عمارت نہایت خوش وضع ہے اور اس جگہ علوم انگریزی اور فارسی اور عربی اور شاستری سکھایا جاتا ہے اور سال بسال طالبعلموں کا امتحان کمیٹی میں ہوتا ہے۔ جو شخص لئیق اور زیادہ محنتی اور ہوشیار نکلتا ہے اسکی تنخواہ مقرر کی جاتی ہے اور انعام بھی ملتا ہے۔ سیکڑوں لڑکے اس کالج میں تعلیم پاتے ہیں...... اس کالج کا انتظام ایسا خوب ہے کہ لڑکوں کو خواہ مخواہ پڑھنے کی طرف شوق زیادہ ہوتا ہے...... نواب لفٹننٹ گورنر بہادر نے اس کو بڑی رونق بخشی کہ اُن کی توجہ اور مصروفیت دلی سے اب علم ہندوستان کا روز بروز ترقی پر ہے اور جو تدبیریں کہ درباب ترقی علم جناب ممدوح نے ایجاد فرمائی ہیں اُن سے جلد پردہ جہالت کا دور ہو جاویگا...... ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۵۱ء کو اس کالج میں بڑا جلسہ ہوا کہ جناب لفٹننٹ گورنر صاحب بہادر اور صاحبان صدر اور صاحبان سکرٹری اور رؤسائے شہر کالج میں تشریف لائے مڈلٹن صاحب پرنسپل کالج نے رپورٹ سالانہ سنائی اور بعضی باتوں میں علم کیمیا کا امتحان کیا گیا بعد اس کے طالب علموں کو انعام اور تمغے اور کتابیں تقسیم ہوئیں کہ جنہوں نے تحصیل علم میں ترقی کی تھی۔ بعضوں کی ترقی تنخواہ (وظیفہ) ہوئی۔ بعد اسکے جناب صاحب بہادر بہت دیر تک انگریزی زبان میں فائدہ تحصیل علم سے لڑکوں کو ہدایت کرتے رہے۔ یہ جلسہ ہر سال اسی طرح ہوا کرتا ہے۔

کالج کی موجودہ شاندار عمارت ڈریمنڈ روڈ[1] پر واقع ہے جس کے متعلق کئی عالیشان بورڈنگ ہوس ہیں۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں یہ کالج کلکتہ یونیورسٹی کے متعلق کیا گیا۔ سنہ ۱۸۶۸ء سے قانون کی تعلیم شروع ہوئی مدت تک الہ آباد یونیورسٹی کے متعلق رہ کر اب آگرہ یونیورسٹی سے تعلق رکھتا ہے۔

سنہ ۱۸۳۱ء میں کل ۱۸۰ طالب علم اس میں تھے۔ اس کے متعلق ایک عمدہ لائبریری (کتب خانہ) ہے جس میں انگریزی کتابوں کے علاوہ فارسی کی بھی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن میں افغانات بابری کا ایک قلمی باتصویر نسخہ نہایت نایاب و بیش بہا ہے۔

---

[1] ڈریمنڈ روڈ یا ٹھنڈی سڑک۔ ڈریمنڈ صاحب کلکٹر کی یادگار ہے جو ایام غدر میں آگرہ کے کلکٹر مجسٹریٹ تھے۔

مزار شیخ ناظر قدس اللہ سرہ

آپ کا اصلی نام ناصر محمدؐ تھا۔ حنفی المذہب اور سلسلہ قادریہ چشتیہ و نقشبندیہ اور شطاریہ میں سید احمدؐ بن سید رفیع الدین ابن سید جعفر شیرازی کے مرید تھے۔ آپ نہایت صاحب تقویٰ اور اصحاب وجد و حال اور ارباب دانش و کمال سے تھے۔ مدت تک احمدؐ آباد گجرات میں مقیم رہے۔ اس کے بعد سیاحی اختیار کی۔ آخر کار ایام شاہزادگی میں شاہجہاں بادشاہ سے کہیں ملاقات ہوگئی اور اُس کی خدمت میں رہنے لگے۔ باوجود اس کے کہ دربار شاہی سے یومیہ مقرر اور اسپ فیل ملے ہوئے تھے مگر اس روپیہ کو وہ اپنے صرف میں نہ لاتے تھے اور جنگل سے گھاس و لکڑیاں لاکر انھیں بازار میں فروخت کرکے اپنی قوت بسری کرتے تھے اکثر اوقات روٹی کی جگہ گھاس و پتّے آپ کی غذا ہوتی تھی۔ بادشاہ اور تمام بیگمات آپ کی معتقد و مرید تھیں۔ ہمیشہ آپ سپاہیانہ لباس پہنتے تھے کمر میں تلوار ہاتھ میں نیزہ رہتا تھا۔ تمام رات بادشاہی خوابگاہ کے باہر عبادت ایزدی میں مصروف رہتے تھے

آپ کے خوارق عادات اور کرامات کی بہت سی روائتیں بادشاہنامہ ملّا عبد الحمید لاہوری اور تذکرۃ الفقرا اور سیر المتاخرین اور مرآت العالم وغیرہ کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔

۱۳ ربیع الثانی ۱۰۵۷ھ کو آپ واصل بحق ہوئے۔ ولی اعظم ۱۰۵۷ھ ملک کرامات کے علاوہ یہ بھی تاریخ وفات ہے ؎

شیخ ناصر کہ عارفِ حق بود	کاشفِ راز و واقفِ حق بود
خاک را از نظر طلا میکرد	آب را شیر یا صفا میکرد
شیخ با آں کمال و ہمت و جود	در لباسِ سپاہیانہ بود
حامی بادشاہ شاہجہاں	بود پیوستہ آں ولی زماں
سال نقلش خرد بہ اہل زماں	گفت۔ افسوس رفت قطب جہاں

آپ کا مزار لب ڈرمینڈ روڈ متصل محلہ گوکل پورہ و آگرہ کالج ایک مختصر احاطہ کے اندر واقع اور ایک

بلند سنگین چبوترہ پر تابوت نما بنا ہے پہلے اِس پر عالیشان عمارت مع مسجد بنی ہوئی تھی جو سڑک کی تعمیر کے وقت منہدم کرادی گئی۔ لوح مزار پر یہہ تاریخ کندہ ہے ؎

واصلِ حق شیخ ناظر شاہ زین ارشا | راہی مُلک بقا گشت و رسیدہ شاد کام
سال ترحیلش ہزار و پنجہ و ہفتم بخواں | سیزدہ بود از جمادی الاخرٰے والاہمام
باز گویم مصرعہ بشنو ز من در معنوی | ذرۂ یار لا بہ الا اللہ شدہ ادرا مقام
۵۷ | ابو صلیم

باب ہفتم

آگرہ کی شمالی جانب کی عمارتیں

مزار سیّد عبد القادر بخاری گیلانی رح

حضرت سیّد عبد القادر بخاری رح مشاہیر مشائخین خاندان قادریہ اعظمیہ اکبرآباد سے تھے علم و فضل میں علمائے وقت آپ کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ زہد و تقویٰ آپ کا مشہور اور عبادت و ریاضت شہرہ آفاق تھی۔ تمام دن آپ درس و تدریس سے بندگان خدا کو فیض پہنچاتے رہتے تھے صرف دوپہر کو قیلولہ فرماتے تھے باقی کسی وقت نہ سوتے تھے آدھی رات تک مریدوں کو توجہ اور تلقین فرماتے اور بقیہ نصف شب عبادت و ریاضت میں گذارتے تھے۔ آپ صرف ایک وقت یعنی رات کو طعام نوش فرماتے تھے ایّام بلوغ سے روز وفات تک کبھی آپ نے دن میں کھانا نہیں کھایا۔ سنہ ۱۱۶۴ھ میں آپ کا وصال ہوا تاریخ وفات یہہ ہے ؎

آنکہ اورا ندیدہ اعم ثانی | بود ہمنام شاہ گیلانی

ذات او زینتِ توکل بود | بر ریاضِ قناعتش گُل بود
عارفِ ذاتِ ایزدی بوده | گوہرِ بحرِ سرمدی بوده
ذات او بود باکمال ودقا | منبعِ فیض مطلعِ انوار
سالِ نقلش کہ بہ ز گوہر سفت | عقل ۔ شہباز عرش اقدس گفت
۱۰۵۰

آپ کا مزار قبرستانِ پیر گیلانی میں جو آپ ہی کے نام سے مشہور ہے ایک چبوترہ پر واقع اور اور مزار پیر گیلانی کے نام سے موسوم ہے ۔ مزار کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد اور بالیں پر چراغدان بنا ہوا ہے ۔

اس قبرستان میں سیکڑوں جدید و قدیم قبریں واقع ہیں ۔ جن میں ایک قبر کے سنگین و خوشنما تعویذ پر یہ پُردرد کتبہ کندہ ہے ؎

ایک پُردرد کتبہ

تا تو رفتی ز نظر ۔ تو گلِ بستانِ پدر | طفلِ اشک است بجائے تو بدامانِ پدر
تو کہ آرامگہت بود بہ یک دو شم آہ | جا در آغوشِ لحد ساختی اے جانِ پدر
چوں شبِ تیرہ جہاں در نظرم بنماید | بے رخِ روشنت اے شمعِ شبستانِ پدر
تا کہ ایں بیت رسیدست ز جامی بہ نظر | انتظارِ تو کشد دیدۂ گریانِ پدر
فصلِ گُل آمد و گلہا ہمہ رستند ز خاک | تو ہم از خاک برآ اے گلِ بستانِ پدر

وزیرپورہ کا گرجا اور کالج

یہ گرجا اور کالج ہندوستان میں عیسائیوں کی سب سے قدیم عمارت ہے جس کی بُنیاد شہنشاہ اکبر کے عہد میں رکھی گئی تھی اگرچہ اب اس کی عمارت میں بہت توسیع ہوگئی ہے مگر شاہی زمانہ کا قدیم گرجا بھی جو سنگ سرخ کا ہے اب تک موجود ہے ۔ ڈاکٹر برنیر نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ آگرہ میں ایک گرجا بھی ہے جس کو جیسوئٹ فرقہ کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک مکان اور ہے جس کو وہ کالج کہتے ہیں اس میں پچیس یا تیس عیسائی خاندانوں کے بچوں کو عقائدِ مذہبی کی تعلیم دی جاتی ہے مگر مجھے معلوم نہیں

کہ یہ عیسائی خاندان یہاں کس طرح جمع ہوگئے ہیں۔ شاید ان جیسوئٹ پادریوں کی فیاضانہ اور مہربانہ سلوک نے ان کو یہاں سکونت اختیار کر لینے پر مائل کیا ہے جس زمانہ میں پرتگیزوں کا ہندوستان میں بڑا زور تھا ان جیسوئٹ لوگوں کو جو ایک مذہبی گروہ ہے شہنشاہ اکبر نے یہاں آباد کر لیا تھا اور گذراوقات کے واسطے کچھ سالانہ مقرر کر دینے کے علاوہ لاہور و آگرہ میں گرجا تعمیر کر لینے کی بھی اجازت دیدی تھی۔" اس عہد کی فارسی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے سنہ ۹۷۹ھ ۱۵۷۱ء میں جبکہ اکبر قلعہ سورت کے محاصرہ میں مشغول تھا کچھ عیسائی سوداگر ایلچی بنکر حاضر دربار ہوئے اور تحفے تحائف پیش کر کے خلعت و انعام سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد سنہ ۹۸۴ھ ۱۵۷۶ء میں حاجی حبیب اللہ کاشی کے ساتھ بندر گوہ سے بہت سے عیسائی اپنا ملکی لباس پہنے باجے بجاتے ہوئے آگرہ میں داخل ہوئے۔ یہی سب سے پہلے آرگن باجا اپنے ساتھ لائے ان کا بھی دربار میں بہت اعزاز ہوا۔ سنہ ۹۸۶ھ ۱۵۷۸ء میں تاب یارسو نام ایک عیسائی سوداگر اور سنہ ۹۹۸ھ ۱۵۸۹ء میں پادری فریبتون مع بہت سے فرنگی ارمنی حبشی عیسائیوں کے ساتھ بندر گوہ سے دربار شاہی میں حاضر ہوا۔ دربار میں اسکی بہت خاطر ہوئی اور بادشاہ نے توریت و انجیل اور یونانی کتابوں کا ترجمہ ان سے کرانا چاہا اور شاہزادہ مراد کو بھی ان کا شاگرد کیا غالباً انہیں کو گرجا بنانے کی اجازت ملی ہوگی اور اسی زمانہ میں کتاب سیرت مسیح بادشاہ نے فارسی زبان میں تصنیف کرائی جس کا ایک باتصویر قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ سنہ ۱۰۰۳ھ ۱۵۹۴ء میں پھر ایک قافلہ بندر گوہ سے آیا جس میں چند دانشور صاحب ریاضت پادری بھی تھے یہ بھی نوازش ہائے شاہانہ سے کامیاب ہوئے۔ ان لوگوں کے علاوہ اکثر ارمنی عیسائی شاہی ملازمت میں داخل تھے جن میں سب سے مشہور عبدالحئی سکندر ذوالقرنین ہیں جو جہانگیر و شاہجہاں کے عہد کے منصب داروں میں داخل تھے آخرالذکر فن موسیقی کا ماہر اور بہرائچ کا فوجدار تھا۔

گرجا اور کالج کی جدید عمارات نہایت وسیع اور شاندار ہیں جس کی چوٹی آگرہ کی تمام عمارتوں سے بلند اور کوسوں تک نظر آتی ہے گرجا کی بنیاد سنہ ۱۸۴۱ء میں رکھی گئی کالج کی عمارت سنہ ۱۸۵۳ء میں تعمیر

ہوئی جو گاتھ کی طرزِ عمارت کے مشابہ ہے۔

اس گرجا کے دفتر میں شاہی عہد کے بہت سے فرامین متعلق عطائے اراضی برائے قبرستان و تعمیر گرجا و معافی جزیہ وغیرہ موجود ہیں جن کی زیارت کا فخر راقم الحروف کو حاصل ہے۔ ان فرامین میں سے دو تین فرامین کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

نقل فرمان عالمگیر بادشاہ نسبت معافی جزیہ

مہر اسد خاں بندہ بادشاہ عالمگیر غازی سنہ ۴ احد

متصدیانِ حال و استقبال جزیۂ ذمیان سکنۂ مستقر الخلافت اکبر آباد بدانند کہ قبل ازیں بموجب سیاہہ روح اللہ خاں مرحوم درباب موقوفی جزیہ پنج نفر پادری مع وابستہا بنام منشی محمد سعید مغفور امین سابق جزیہ آنجا نوشتہ شدہ بود۔ دریں ولا وکیل آنہا التماس نمودہ کہ امین حال سند بنام خود می خواہد امیدوار ہست کہ پروانہ بنام متصدیانِ حال و استقبال جزیۂ آں محال مرحمت شود لہٰذا قلمی میگردد کہ درباب اخذ جزیۂ انور وغیرہ پادری کہ اسم آنہا در ضمن مرقوم شدہ بموجب حکم سابق مزاحم نشوند دریں باب تاکید بلیغ وسعی...... نہم شہر جمادی الثانی سنہ ۳۷ جلوس پشت پر پادریوں کے نام اور دفاتر متعلقہ کی یادداشتیں مرقوم ہیں۔

(نقل) فرمان ابو المظفر نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

(دربیغیا) قت فرمان عالی شان مرحمت عنوان شرف صدور وعز ورود یافت کہ موازی شش بیگہ زمین از آں جملہ سہ بیگہ از موضع...... آگرہ برائے خریف...... قوسی سل در وجہ انعام فرنگیان بجہت باغ و گورستان مقرر و مفوض باشد۔ لمبرداران و کروریانِ حال و استقبال در استمرار و استقرار ایں حکم اقدس و اعلیٰ...... بتصرفِ ایشاں بازگذاشتہ اصلاً تغیر و تبدل بداں...... پیشکش و جریبانہ و ضابطانہ و مہرانہ و داروغگانہ و محصلانہ...... وقانونگوئی...... و نکرار زراعت و کل تکالیفِ دیوانی...... نکنند و از جمیع وجوہات معاف داشتیم۔ ہر سال فرمان و پروانچہ مجدد...... درمحلی...... در عہدہ دبانند۔ تحریر فی التاریخ ۲ ر ماہ ابان سنہ ۴

(نقل) فرمان ابوالمظفر محمد جہانگیر بادشاہ غازی

اللہ اکبر

حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان مہمات صوبہ گجرات ... بعنایت و التفات بادشاہانہ مخصوص و مباہی گشتہ بدانند کہ فرمان عالی شان واجب الاذعان شرف اصدار و عز ایراد یافتہ کہ پادریان فرنگی در احمدآباد یک انگریز کہ عبارت از عبادت خانہ آنہاست از برائے خود بسازند در آں جا بطور در دش خود عبادت می کردہ باشند۔ می باید کہ چوں بر مضمون حکم جہاں مطاع گردوں ارتفاع جہانگیری اطلاع حاصل نمایند مانع و مزاحم آنہا نہ گشتہ بگذارند کہ از برائے عبادت خدا انگریز بسازند۔ می باید کہ از فرمودہ تخلف نورزند ... در عہدہ شناسند۔ تاریخ ۲۰ ماہ مہر الٰہی سنہ رسالہ کمترین مریدان باخلاص اعتماد الدولہ و نوبت واقعہ بندگہ درگاہ محمد حسین شکراللہ۔

درگاہ شاہ یار محمد چشتی رح

حضرت شاہ یار محمد اکبرآباد کے بزرگان چشت اہل بہشت سے تھے۔ آپ ولایت و کرامات میں شان عالی اور مرتبہ بلند رکھتے تھے آپ کے کمال اور خوارق عادات کی بہت سی روایتیں مشہور چلی آتی ہیں جن میں سب سے زیادہ یہ روایت مشہور ہے کہ جب شاہجہاں بادشاہ نے شہر کے نقشہ نویسوں کو روضہ ممتاز محل کا نقشہ تجویز کرنے کا حکم دیا تو جس قدر نقشے پیش ہوئے کوئی بادشاہ کو پسند نہ آیا۔ بادشاہ کے اصرار پر سب نقشہ نویس پریشان تھے آخرکار استاد عیسیٰ آفندی نے جو آپ کا بہت معتقد تھا یہ حال آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ مت اللہ مالک ہے اسی دن رات کو عیسیٰ آفندی نے آپ کی دعا سے خواب میں روضہ کا موجودہ نقشہ دیکھا اور صبح کو اسی کے مطابق نقشہ مرتب کرکے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا جسے بادشاہ نے دیکھتے ہی پسند کرلیا اور اسی کے مطابق روضہ کی تعمیر شروع کی گئی۔ چنانچہ اب تک عیسیٰ آفندی کے خاندان کے لوگ جو محلہ پیپل منڈی میں آباد ہیں اس مزار سے خاص عقیدت رکھتے ہیں اور آپ کا عرس بھی وہی

لوگ کرتے ہیں جو ہر سال ماہ ربیع الثانی کے پہلے جمعہ کو ہوتا ہے۔ درگاہ سلطان گنج کے قریب مابین قبرستان پیر گیلانی وکربلا سڑک پختہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک بلند ٹیلے پر بنی ہوئی ہے حجرہ کے اندر آپ کا مزار ہے اور قریب ہی ایک مسجد موجود ہے۔

کربلا

سلطان گنج اور درگاہ شاہ یار محمد چشتی سے تھوڑے فاصلہ پر موضع لشکر پور میں کربلا واقع ہے جس میں چھوٹی بڑی متعدد مسجدیں اور سنگین بارہ دریاں اور چاہ پختہ بنے ہیں۔ چاروں طرف ہزاروں سنگین و پختہ جدید و قدیم قبریں موجود اور زمانہ کی بیوفائی کا نقشہ اور عبرت کا مرقع کھچا ہوا ہے۔ ایک قدیم مزار پر قدم رسول بھی نصب ہے۔

قدم رسول

امداد المقابر

مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر نے جو سر سید مرحوم کے ہم عصر اور مذہبی خیالات میں مدمقابل تھے کربلا کے قریب اپنے مقبرہ کے واسطے یہ باغ بنوایا تھا جو اس عہد میں بہت سرسبز و شاداب تھا۔ اس کے دروازہ پر یہ کتبہ کندہ ہے ؎

محمد از تو میخواہم خدا را　　　الٰہی از تو حب مصطفےٰ را

۲۳ ماہ صفر ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء سے اس باغ کا اہتمام ہوا۔ امداد المقابر اس کا نام ہوا" اس کے اندر کئی قبریں ہیں جن میں ایک قبر جو بلند چبوترہ پر بنی ہوئی ہے سید امداد العلی مرحوم کی ہے اس کے تعویذ پر بہت خوشنما بیل بوٹے اور گلدستے ترشے ہوئے ہیں۔

مزار شیخ سید حسین

اسی باغ میں قدیم عہد کا ایک گنبد واقع ہے جس کے اندر شیخ حسین بن شیخ نصیر اللہ

دلد شیخ عبدالواحدؒ نام ایک بزرگ کا مزار ہے جو عہد شاہجہانی میں اکبرآباد کے اولیائے کبار اور مشائخین نامدار سے تھے اس مزار کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے جس کے اطراف میں ایک دعا مرقوم ہے جس میں دوازدہ امام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے نام آئے ہیں اور پائیں پر بندہ العاصی سیّد حسین ۱۰۶۲ھ (۱۶۵۱ء) کندہ ہے۔ آپ کی وفات کی تاریخ یہ ہے ؎

عارف بے نظیر شیخ حسین | مرشد و پیر و ہادی ثقلین
سال نقلش خرد چو گوہر سفت | بحسین است زیب جنتؔ گفت

آپ کے مزار کے برابر ایک زنانہ مزار ہے اُس کا تعویذ بھی سنگ مرمر کا ہے۔

درگاہ حضرت میر ابوالعلیٰ قدس سرہٗ

حضرت میر ابوالعلیٰ قدس سرہٗ مشائخین صاحب اسرار و مشاہیر اولیائے ہندوستان سے ہیں جو خاندان نقشبندیہ کی تیسری شاخ یعنی سلسلہ ابوالعلائیہ کی بانی ہیں۔ آپ کا مفصل ذکر خیر کتاب نجات قاسم مؤلفہ منشی محمد قاسم اور کتاب تحفۃ العارفین مصنفہ حیات اللہ احراری اور اُردو کی متعدد سوانح عمریوں میں موجود ہے۔ اس جگہ تبرکاً مختصر حال بیان کیا جاتا ہے آپ کے جدّ امجد امیر عبدالسلام اپنے وطن مالوفہ سمرقند سے اکبر بادشاہ کے عہد میں مع عیال و اطفال ہندوستان میں تشریف لائے۔

جب قصبہ نرملا میں جو دہلی سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے پہنچے تو ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء) میں اُسی مقام پر حضرت میر ابوالعلیٰ صاحبؒ پیدا ہوئے۔ امیر عبدالسّلام وہاں سے فتحپور سیکری میں جو اُس زمانہ میں دارالخلافت تھا رونق افروز ہو کر سکونت پذیر ہوئے اور چند مدت کے بعد حج کے واسطے تشریف لے گئے اور بمقام مکہ معظمہ وفات پائی۔ آپ کے والد ماجد امیر ابوالوفا فتحپور سیکری ہی میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔

حضرت امیر ابوالعلیٰؒ کی پرورش اور تعلیم و تربیت آپ کے نانا خواجہ فیضی ابن خواجہ

ابو الفیض بن خواجہ محمد عبد اللہ ابن حضرت غوث الابرار خواجہ محمد عبید اللہ احرار نے جو میرزا راجہ مان سنگھ کچھواہہ کی رفاقت اور ماتحتی میں بردوان (بنگالہ) کے فوجدار تھے فرمائی۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ فارغ التحصیل ہوگئے۔ جب آپ کے نانا صاحب ایک لڑائی میں شہید ہوگئے تو راجہ مان سنگھ نے اُن کی جگہ آپ کا تقرر کر کے منصب سہ ہزاری پر دربار شاہی سے مُقرر کرا دیا تھوڑے دن بعد آپ میں محبت الٰہی کا جذبہ پیدا ہوا اور آپ نے ملازمت ترک کر کے سیاحی اختیار کیا۔ اوّل بزرگان دہلی کے مزارات پر قیام کر کے زیارت کی اور فیض حاصل کیا۔ اِس کے بعد اجمیر شریف تشریف لے گئے اور مزار فیض انوار حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ پر چند مدت تک مُعتکف رہکر چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے۔ اس بعد اکبر آباد میں رونق افروز ہو کر اپنے چچا امیر سیّد عبد اللہ احراری نقشبندیؒ کے مُرید ہوئے امیر عبد اللہؒ نے اپنی دختر نیک اختر کی شادی آپ سے کر دی اور خرقۂ خلافت اور شجرۂ طریقت فرمایا چونکہ سماع سے آپ کو خاص ذوق اور عشق پیدا ہوگیا تھا اور خاندان نقشبندیہ میں سماع کی ممانعت تھی لہٰذا اپنے عمّ بزرگوار کی اجازت سے طریقہ نقشبندیہ کے اذکار کے ساتھ سلسلہ چشتیہ کے اذکار اور اوراد کا بھی جاری رکھے اور ان دونوں سلسلوں کی آمیزش سے طریقہ ابو العلائی کے بانی ہوئے جس میں اذکار نقشبندیہ کے ساتھ سماع کی بھی اجازت ہے۔

حضرت امیر ابو العلیؒ سیّد عبد اللہ احراری کی وفات کے بعد مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور پھر مدت العمر اکبر آباد ہی اس مقام پر جہاں اب خانقاہ واقع ہے رونق افروز رہے البتہ عُرس کے موقع پر اجمیر شریف اکثر جایا کرتے تھے۔ شاہی زمانہ میں اس جگہ بہت بڑا محلہ آباد تھا جو صوفی پورہ کے نام سے موسوم تھا۔ آپ کے علاوہ میر محمد نعمان نقشبندی۔ قاضی نور اللہ شوستری اور بہت سے علما اور مشائخین اس محلہ میں آباد تھے۔ آپ کے خوارق عادات اور کرامات کی بہت سی باتیں کُتب مندرجہ صدر اور نیز دیگر تذکروں میں منقول اور مخلوق کی زبانوں پر ہیں۔ سہ شنبہ کے دن ۹ صفر ۱۰۶۱ھ کو آپ نے اکھتر برس کی عمر میں بعارضہ حرقت البول رحلت فرمائی اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجعون۔

محلہ صوفی پورہ

آپ کی درگاہ عالی کے گرد وسیع پختہ احاطہ کھنچا ہوا ہے جس کا شاندار صدر دروازہ مشرق کی جانب ہے۔ ایک مسجد گوشہ جنوب و مغرب میں اور ایک مسجد اور سماع خانہ مزار کے قریب بنا ہوا ہے۔ مزار کے اوپر مختصر بارہ دری اور اطراف میں سنگین جالیدار کٹہرہ اور شمال میں بلند چراغدان واقع ہے۔ ایک درخت نیب اور دوسرا درخت برنا مزار مقدس کی بارہ دری پر سایہ کئے ہوئے ہے۔

سماع خانہ کے قریب ایک حوض جدید تعمیر ہو گیا ہے جس میں فوارہ بھی نصب ہے۔

مزار امیر نور العلیٰ

حضرت امیر نور العلیٰ رح آپ کے بڑے صاحبزادے اور خلیفہ تھے بہت بڑے عابد و زاہد اور عالم تھے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ نے خود سجادہ نشینی قبول نہیں فرمائی اور اپنے چھوٹے بھائی کو سجادہ نشین کیا۔ حضرت شیخ لطف اللہ صاحب اذکار الاحرار آپ کے خلیفہ تھے۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۰۹۶ھ کو ۷۳ برس کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کا مزار بائیں مزار شاہ ابو العلیٰ رح درخت نیب کے نیچے واقع ہے جس کا تعویذ سنگ مرمر کا بالکل سادہ ہے۔

مزار امیر فیض العلیٰ رح

حضرت امیر فیض اللہ رح آپ چھوٹے صاحبزادہ اور مرید و خلیفہ اور سجادہ نشین اپنے والد بزرگوار کے تھے۔ ۶۱ برس کی عمر میں ۲۹ ذیقعدہ ۱۰۷۶ھ کو آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار درگاہ سے تھوڑے فاصلہ پر شمالی جانب واقع تھا جس کا اب کچھ پتہ نہیں رہا۔ تاریخ وفات یہ ہے۔

قطب آفاق میر فیض العلیٰ	جَعَلَ اللّٰہُ فِی الْجِنَانِ مثواہ
سال ترحیل او سروش الٰہ	گفت زیب جناں لفیض اللہ

مزار امیر تاج العلیٰ رح

امیر تاج العلیٰ رح صاحبزادہ اور خلیفہ و سجادہ نشین امیر فیض العلیٰ رح کے تھے ۶۷ برس کی عمر میں ۱۵ شعبان ۱۱۴۲ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار شاہ ابو العلیٰ رح کے مزار کے قریب واقع ہے جس کے سنگ مرمر کے تعویذ پر آیت الکرسی کندہ ہے۔

مزار امیر عبد الماجد رح

امیر عبد الماجد رح ابن امیر ابو نصر حضرت شاہ ابو العلیٰ قدس سرہٗ کے چچا زاد بھتیجے اور حقیقی بھانجے اور خلیفہ اعظم تھے۔ آپ کے بڑے بڑے جلیل القدر خلیفہ ہوئے ہیں۔ آپ کا مزار بھی شاہ ابو العلیٰ رح کے مزار کے قریب واقع ہے تعویذ مزار سنگ مرمر کا ہے جس پر خواجہ حافظ رح کی یہ بیت

مزار خواجہ فولادؒ

کندہ ہے ؎

چشم آں دم کہ زشوقِ تو نہد سر بلحد تا دمِ صبحِ قیامت نگراں خواہد بود

ان مزارات کے علاوہ اور بھی بہت سے مزارات چبوترہ درگاہ اور صحن میں واقع ہیں جن میں سب سے مشہور مزار خواجہ محمدی عرف خواجہ فولادؒ کا ہے جو شاہ ابو العلیٰ قدس سرہٗ کے داماد و مرید اور اجل خلفا سے تھے۔ آپ بڑے صاحبِ نسبت اہل کرامت و ولایت تھے۔ آپ کی ذات بابرکات میں جلال و جبروت کی شان نمایاں تھی۔ مزار شریف احاطہ درگاہ کے اندر شمالی دیوار سے ملحق واقع اور زیارتگاہ خاص و عام ہے۔

درگاہ شریف میں ہر جمعرات کو میلہ لگتا ہے اور سالانہ عرس بہت دھوم دھام سے ہوتا ہے جس میں دور دور سے لوگ آکر شریک ہوتے ہیں۔

درگاہ میر محمد نعمان نقشبندیؒ

حضرت میر محمد نعمانؒ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ کے مرید اور حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نقشبندی کے مشہور خلیفہ تھے جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں آپ آگرہ کے صدر اور محلہ صوفی پورہ میں متصل خانقاہ شاہ ابو العلیٰؒ رہتے تھے آپ کا مفصل ذکر بوستانِ اخیار میں تحریر کیا جا چکا ہے۔ آپ کا وصال ۱۸؍ صفر ۱۰۵۸ھ کو ہوا۔ عالمگیری عہد کے امیر کبیر ضیاء الدین بدخشی نے جو اسلام خاں کے خطاب سے موصوف اور آگرہ کے صوبہ دار تھے آپ کا مقبرہ اور اس کے قریب عالی شان مسجد تعمیر کرائی جس کی تاریخ "بانی اسلام خاں بہادر" ہے یہ مسجد منہدم ہو گئی جس کا اب کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا۔ مشہور ہے کہ اس کے ملبہ سے آگرہ کی مشہور مسجد اکبری از سر نو بنائی گئی ہے۔ مقبرہ کا گنبد موجود اور متصل درگاہ حضرت شاہ ابو العلیٰؒ نگلہ دھنی کی آبادی کے قریب لب نہر خارج شدہ واقع ہے اس کے گرد چاروں طرف ۵-۵ محراب کی سنگین غلام گردش ہے جس کا زیادہ حصہ منہدم ہو گیا تھا چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ خان بہادر چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس آگرہ

مؤلف وقائع عالمگیر نے چندہ سے اس کو از سر نو تعمیر کرا دیا ہے۔ جس کی تعمیر زیر اہتمام سید انعام علی صاحب انجنیئر ڈسٹرکٹ بورڈ آگرہ ہوئی ہے۔ گنبد کے اندر حضرت کے مزار کی برابر دوسری قبر جو مشرقی جانب ہے اسلام خاں موصوف کی ہے جن کا انتقال سنہ ۱۰۴۷ھ میں ہوا تھا اور حسب وصیت اس جگہ دفن کئے گئے۔ مقبرہ کے قریب ۱۰۔۱۲ سنگین قبریں اور ہیں مگر کتبہ کسی پر نہیں ہے۔

اس مقبرہ کے محاذ میں جانب شمال نہر کی دوسری جانب کچھ فاصلہ پر ایک ٹیلہ پر دو تعویذ سنگین رکھے ہیں جن میں ایک پر کلمہ طیبہ اور یہ عبارت کندہ ہے۔

مزار شمس الدین ہردی

"تاریخ وفات مرحومی مغفوری حاجی الحرمین شریفین شمس الدین علی الہردی فی شہور سنہ ۱۰۱۰ھ"

پتہ نہیں چلا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔

مزار قاضی سید نور اللہ شوستریؒ

قاضی نور اللہ شوستریؒ مذہب امامیہ کے مشاہیر علما و فضلا سے تھے جو حکیم ابو الفتح کی سفارش سے ملازمت اکبری میں داخل ہوئے اکبر بادشاہ نے اُن کو شیخ معین قاضی لاہور کی جگہ مقرر فرمایا۔ جہاں اُنھوں نے نہایت عمدگی سے کام انجام دیا اور مورد عنایت شاہی ہوئے صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ "انصاف اور نیک نفسی۔ حیا و تقویٰ اور عفت یعنی صفتیں شریفوں میں پائی جاتی ہیں وہ سب قاضی صاحب کی ذات میں موجود تھیں۔ علم و حلم اور تیزی طبیعت اور صفائی ذہن میں مشہور تھے۔ بہت کتابیں اُن کی تصنیف سے ہیں شیخ فیضی کی بے نقط تفسیر پر اُنھوں نے ایک تقریظ نہایت عمدہ لکھی تھی۔ شاعر بھی تھے اور شعر اُن کے بہت دلنشین ہوتے تھے لاہور کے مفتیوں اور محتسبوں کو اُنھوں نے خوب ٹھیک کیا اور رشوت کا دروازہ بالکل بند کر دیا تھا"

قاضی صاحب نے فقہ حنفی کا بھی بخوبی مطالعہ کیا تھا اور اُسی کے مطابق مقدمات فیصل فرمایا کرتے تھے۔ جہانگیر نے انھیں لاہور سے تبدیل کر کے اپنے لشکر کا میر عدل مقرر کیا مشہور ہے کہ سنہ ۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰ع میں بادشاہ کے روبرو آپ کی زبان سے کوئی ایسا سخت کلمہ نکلا کہ اُس نے جوش میں آکر

آپ کو شہید کرادیا۔ تاریخ وفات از مخبر الواصلین ؎

میر نور اللہ عالی انتساب | زین زمانہ با دل آگہ شدہ
سال نقلش مظہر الحق زد رقم | عدن جائے میر نور اللہ شدہ

آپ کی درگاہ متصل بنگلہ پدی و کچہری دیوانی حضرت شاہ ابو العلی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ سے مغربی جانب تھوڑے سے فاصلہ پر واقع ہے۔ درمیان میں موضع جگن پور کے سواتہ میں ایک قدیم مسجد اور بہت سے سنگین تعویذ نظر آتے ہیں جو اس جانب کی گذشتہ اسلامی آبادی کی یادگار ہیں۔ قاضی صاحب کا مزار ایک وسیع پختہ چار دیواری کے اندر واقع ہے جو سنگین چبوترہ کے وسط میں ہے ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء میں سید علی نقی صاحب ڈپٹی کلکٹر و رئیس بہر سرنے مزار پر چندہ سے ایک کمرہ بنوادیا ہے جو فرش و فروش سے آراستہ رہتا ہے اُسکے آگے شمالی جانب ایک دالان بھی بن گیا ہے۔ مزار کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے جس کے بالیں پر مرقد منورہ سید نور اللہ شوستری الحسینی اور پائیں پر در عہد جہانگیر بادشاہ بسعادت شہادت فائز شدند سنہ ۱۰۱۹ھ" زمانہ قدیم سے کندہ ہے اور درمیان میں یہ تاریخ جدید کندہ کرائی گئی ہے ؎

ظالمے اطفائے نور اللہ کرد | قرۃ العین نبی را سر برید
سال قتل حضرتش ضامن علی | گفت نور اللہ سید شد شہید

سنہ ۱۰۱۹ ہجری

جنوبی دیوار میں ایک قدیم پتھر نصب ہے جس پر یہ کتبہ مرقوم ہے "ہو الغفور بسم اللہ الرحمن الرحیم مرقد مطہر و مضجع منور سید سندی عالی مقدار شہید سعید الابرار۔ بہار باغ امامت شہاب گلشن سیادت برق کشت زار اہل ضلالت پیشوائے فرقہ ناجیہ باسعادت یادگار شہسوار۔ یثرب و بطحا چشم و چراغ شہید کربلا۔ آفتاب آسمان ہدایت و رہبری۔ ابو الفضائل سید نور اللہ شوستری نور اللہ مضجعہ کہ در یکہزار و نوزدہ ہجری بدرجہ شہادت فائز گشتہ و مرمت مرقدش در سنہ ۱۱۸۸ھ لشہود پیوستہ" کمرہ کے شمالی دروازہ پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

نور بادۂ باغ مصطفےٰ نور اللہ　　شاہ ظالم شہید گردش ناگاہ

فرمود علی نقی مزارش تعمیر　　گشتند جمیع مومنین ہمراہ

سال تعمیر ایں مبارک روضہ　　جنات نعیم مرقد نور اللہ

سنہ ١٢٩٠ ہجری

سنگین چبوترہ کے اوپر اور قرب وجوار میں احاطہ کے اندر اور بھی بہت سی قدیم وجدید قبریں واقع ہیں۔ دور و دراز شہروں سے مومنین قاضی صاحب کے مزار کی زیارت کے واسطے آتے اور مجالس ہوتی رہتی ہیں۔ سال میں ایک مرتبہ کسی تعطیل میں خصوصیت کے ساتھ میلہ لگتا اور زائرین کا غیر معمولی ہجوم اور مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔

قبرستان قدیم عیسائیان

کچہری دیوانی کے قریب اُن عیسائیوں کا قدیم قبرستان واقع ہے جو شاہی زمانہ اور مرہٹوں کے عہد میں آگرہ میں فوت ہوئے اسکے گرد وسیع چار دیواری اور درمیان میں چار پانچ گنبد اور سیکڑوں قبریں بنی ہیں۔ ان میں سب سے قدیم کتبہ خواجہ مرتیس ارمنی کے روضہ پر ہے جو سنہ ١٦١١ء سنہ ١٠٢٠ھ میں جہانگیر کے عہد میں فوت ہوا۔ اس کے علاوہ جوان مسیح المتوفی سنہ ١٠٣١ھ مشہور فرانسیسی جنرل شمرو صاحب المتوفی سنہ ١٧٧٨ء سنہ نظر خاں ارمنی المتوفی سنہ ١٠٥٢ھ کرنیل جان ولیم ہیسنگ المتوفی ٢١ جولائی سنہ ١٨٠٣ء وغیرہ کی قبروں پر بھی ارمنی۔ انگریزی اور فارسی میں کتبے کندہ ہیں۔ سب سے خوبصورت اور عالیشان مقبرہ کرنیل جان ولیم ہیسنگ کا ہے جو قوم کے ڈچ اور مرہٹوں کے زمانہ میں قلعہ اور شہر آگرہ کے حاکم تھے۔ یہ مقبرہ خالص سنگ سرخ کا ہے جس کے اوپر ایک رفیع الشان گنبد اور چار خوشنما برجیاں بنی ہیں اس کے دروازہ پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

کرنیل جان ولیم ہیسنگ چوں ز دنیا　　رحلت نمود بنہاد صد داغ از جدائی

ذاتش چو پدید شد پدید آں ولایت | در ہند نامور شد از فضل کبریائی
گفتا بہ ملہم غیب یک قطعہ گو ز تاریخ | تا روز و سال و مہ را یکجا بہم نمائی
چوں روز و سال و مہ را از سال عیسوی جست | ملہم بگفت تاریخ بستی یکم جولائی

مقبرہ مولانا شیخ حسن شیرازی انصاری رح

مولانا شیخ حسن ابن شیخ محمود انصاری شیرازی رح اکبر آباد کے قدیم بزرگوں میں بہت بڑے اہل دل اور صاحب تقویٰ و صلاح بزرگ تھے جس زمانہ میں شاہ اسمٰعیل نے ایران میں خروج کیا آپ شیراز سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں سے سلطان مظفر گجراتی کے زمانہ میں احمد آباد تشریف لائے۔ سلطان مذکور نے بہت عزت و احترام سے رکھا آخرکار سکندر لودی کے عہد میں آگرہ میں رونق افروز ہو کر میر رفیع الدین صفوی رح کے قریب آباد ہوئے اور میر موصوف سے علم حدیث کی سند حاصل کر کے درس تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ ہفت قلم میں استاد اور فرقان حمید اور احادیث شریف کی کتابت سے قوت بسری کرتے تھے۔ شیخ زین الدین نے آپ کی تعریف میں یہ بیت کہی تھی ؎

ہست شعر من ز عقل و نقل خواہم بشنود | جامع المعقول والمنقول مولانا حسن

میاں کمال الدین حسین شیرازی

سنہ ۹۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا میاں کمال الدین حسین شیرازی رح آپ کے صاحبزادہ تھے جن کی نسبت صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ ان کے کمالات اور اخلاق حد بیان سے باہر ہیں ابتدائی جوانی سے اخیر عمر تک سوائے تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن اور عبادت و ریاضت اور سخاوت کے کوئی کام ان کو نہ تھا گویا وہ آدمی کی صورت میں فرشتہ تھے علم و فضل میں کامل اور شاعری اور ادا اور خوشنویسی اور انشا اور املا تو ان کے موروثی علم تھے اکبر بادشاہ بھی ان کا بڑا معتقد تھا اور چاہتا تھا کہ وہ ہمیشہ ملازمت میں رہیں مگر وہ دور بھاگتے تھے آخر میں بالکل تعلق قطع کر کے گوشہ نشینی اختیار کی ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۰۱۸ھ کو آپ نے رحلت فرمائی آپکی ایک کنیز باتمیز

(بی بی بنفشہ) (ملا عبداللہ سحری) تھیں جن کا نام بی بی بنفشہ تھا۔ یہ علم و فضل اور خوشخطی کے ساتھ صاحب نسبت بھی تھیں۔ اور کتابت کرکے اپنی گذر اوقات کرتی تھیں۔ ملا عبداللہ سحری جو اکبر کے عہد کا ایک مشہور خوشنویس اور باکمال شاعر تھا انہیں رابعۂ عصر کا بیٹا اور شاگرد تھا مولانا حسن رح کا مقبرہ جھجھن کٹورے یعنی کچہری دیوانی کے احاطہ میں واقع ہے جس کے اندر سابق میں کمشنری کا گودام تھا اسکے بعد منصرم صاحب ججی کرایہ پر رہے اب ویران ہے۔ اسکے وسط میں مثمن برج ہے جس کا قطر ۴۲ فیٹ ہے اس کے اندر گرداگرد خط طغریٰ میں نہایت خوشخطی اور جلی قلم سے سورۃ الفتح کندہ ہے۔ ۸ دروازوں میں اب صرف ایک دروازہ کھلا ہوا ہے دروازوں کی پیشانی پر خط نستعلیق میں چند عبرت انگیز فارسی اشعار کندہ ہیں جو امتداد زمانہ سے اب پورے پڑھے نہیں آتے۔ نہایت کوشش سے یہ تین چار متفرق مصرعے پڑھے گئے۔

ع زیر گل تنگ دل اے غنچۂ رعنا چونی ع — چونکہ در زیر زمیں ساختہ جا چونی

ع چوں تنم از خاک بر آری زگل ع — بہر عبرت بکشا ناف زمیں چوں نافہ

برج کا گنبد پٹھانی طرز کا یعنی چپٹا ہے جس کا دور ۹۷½ فیٹ ہے غدر کے زمانہ تک اس کے اندر تعویذ موجود تھا جس کے اوپر بقول صاحب مفتاح التواریخ یہ اشعار کندہ تھے ؎

در حقیقت فضل مولانا حسن — ہنرمند بے مثل عالی جناب

سر اہل دانش عزیز جہاں — جہان معانی و کوہ وقار

چو کردہ ازیں دار فانی سفر — بدار بقا آں سر نامدار

بعون و برحمت بہ لطف عمیم — جہاں آفریں داور کردگار

بفرمود تا روح پاکش برند — ملائک بفردوس از اعتبار

بجنت قرارش چو شد زیں جہت — شدہ سال فوتش بجنت قرار

اس مقبرہ کی موجودہ شکستہ حالت دیکھ کر سخت افسوس و صدمہ ہوتا ہے اگر مسلمانان آگرہ متفقہ طور سے کوشش کریں تو چونکہ یہ گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے لہذا امید قوی ہے کہ

گورنمنٹ اس کو ضرور واگذاشت یا کم از کم اسکی مرمت کرا کر اصلی صورت میں کردے گی اس مقبرہ کے قریب صاحب جج کی کوٹھی کے احاطہ میں کسی قدیم بزرگ کا مزار ہے جسکی سنگ سُرخ کی باقیماندہ عمارت عہد اکبری کی معلوم ہوتی ہے صاحب مزار کا نام باوجود تحقیقات بسیار نہ معلوم ہو سکا۔

باغ و مقبرہ قندھاری بیگم

(کوٹھی قندھاری)

قندھاری بیگم شاہجہاں کی سب سے پہلی بیگم کا خطاب تھا جو میرزا مظفر حسین قندھاری ابن سلطان حسین میرزا ابن بہرام ابن شاہ اسمٰعیل کی دختر نیک اختر تھیں۔ ماہ رجب ۱۰۱۹ھ میں ان کی شادی ایام شاہزادگی میں شاہجہاں کے ساتھ ہوئی تھی اور شاہجہاں کی سب سے بڑی لڑکی شاہزادی پرہیز بانو بیگم انہیں کے بطن سے تھی۔ بیگم موصوف نے اس باغ کو جواب مہاراجہ بھرت پور کا مقبوضہ اور کوٹھی قندھاری کے نام سے موسوم ہے خود تعمیر کرایا تھا۔ وسط باغ میں روضہ کی عمارت تھی جسے کچھ تغیر و تبدیل کے ساتھ کوٹھی نما بنا لیا گیا ہے۔ بیگم کی اصلی قبر تہ خانہ کے اندر بتائی جاتی ہے چار دیواری کے گوشوں کے سنگین بُرج اب تک اصلی حالت میں ہیں۔ اس باغ کا صدر دروازہ نہایت وسیع و عالیشان تھا جس میں غدر سے قبل کچہری صدر امینی ہوتی تھی۔ آثارات محلہ قندھاری بھی بیگم موصوف کے یادگار ہیں۔

مقبرہ نور النساء بیگم

نور النساء بیگم ابراہیم حسین میرزا کی بیٹی اور جہانگیر بادشاہ کی ایک بیگم تھیں جن کا مقبرہ کوٹھی قندھاری کے سامنے سڑک کے دوسری طرف واقع اور مہاراجہ بھرت پور کے قبضہ میں ہے اس کا گنبد بہت شکستہ حالت میں ہے جس کے اندر اب تک آیات قرآنی کندہ ہیں۔ لیکن تعویذ مزار باہر پڑا ہے اور جس جگہ خوشبوئیں سُلگائی جاتی تھیں وہاں گوبر کا انبار رہتا اور بیل باندھے جاتے ہیں

سرائے میر بدر الدین خاں

اِس عالی شان سرائے میں جسے محمدؐ شاہ کے عہد سلطنت اور ۱۱۵۳ھ میں میر بدر الدین خاں ساکن آگرہ نے تعمیر کرا کر وقف کیا تھا اب آگرہ کا ڈسٹرکٹ جیل ہے۔ اس کے دروازہ کی پیشانی پر یہ کتبہ اب تک کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ رسول اللہ در سنہ بست و سویم محمدؐ شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ در سنہ یکہزار و یکصد و پنجاہ و چہار ہجری بندہ میر بدر الدین خاں مخاطب بہ میر جلال الدین خاں ولد میر جلال الدین خاں مرحوم اکبر آبادی ابن میر سید محمدؐ ایں سرائے را برائے آرام مسافرین بنا نمودہ ہر آئندہ روند حسبتہ اللہ بہ دعائے خیر یاد نمایند والسلام علی محمدؐ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

مقبرہ میر عبداللہ وصفی تبریزیؒ

حضرت میر عبداللہ تبریزی شاہ نعمت اللہؒ کی اولاد میں تھے شاہ غیاث اور مولانا راقمی کے شاگرد رشید اور ہفت قلم میں اُستاد خصوصاً خط نستعلیق میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ وصفی تخلص تھا۔ جہانگیر بادشاہ نے مشکیں قلم خطاب دیا تھا خود فرماتے ہیں ؎

وصفی تخلص من و مشکیں قلم خطاب این نا بہار شاہ شہنشاہ یافتم

اکبر و جہانگیر کے عہد میں ملازمت شاہی میں داخل تھے چنانچہ جہانگیر کے عہد کے اکثر کتبے انکی جادو نگاری کی یادگار ہیں۔ آپ شیخ فیض اللہؒ سہارنپوری کے مُرید اور دست بکار و دل بیار کے مصداق تھے۔ پانچ مثنویاں اور ایک دیوان آپ کی تصنیف سے ہیں ۱۰۲۵ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔

میر محمدؐ صالح

میر محمدؐ صالح کشفی۔ میر عبداللہ وصفی کے بیٹے تھے علم و فضل خوشخطی اور اخلاق حمیدہ اور اوصاف

پسندیدہ سے موصوف تھے۔ ابتدائے حال میں فقر و قناعت میں ایّام گذاری کرتے تھے آخر کار شاہجہاں بادشاہ نے نہایت اصرار سے منصب پانصدی پر سرفراز کر کے خطاب مشکیں قلم سے موصوف کیا ایک دن بادشاہ نے آپ کی عمر دریافت کی آپ نے پانچ برس کی عمر بتلائی۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر اس جواب کی تشریح چاہی آپ نے فرمایا کہ اصلی عمر وہی ہے کہ جو سعادت بندگی اور حضرت کی خدمت میں بسر ہوئی۔ یہہ لطیفہ بادشاہ کو بہت پسند آیا اور اُس دن سے مزید الطاف و عنایات مبذول فرمائی۔ کتاب مناقب مرتضوی[۵۱] اور مجموعۂ راز آپ کی تصنیف سے ہیں۔ یہہ شعر آپ کا بہت مشہور ہے

نظر بہ بیکسیم کن کہ قطرۂ آبے | بکام من ندہد کس بغیر چشم نرم

۵ شعبان ۱۰۶۱ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ تاریخ وفات یہہ ہے

میر صالح کہ اہل عرفاں بود | صاحب کشف راز یزداں بود
ذات پاکش کہ از حق آگاہ است | لمعۂ نور نعمت اللہ است
عقل تاریخ آں ستودہ نژاد | گفت کشفی بخلد آب بداد

میر محمد مومن عرشی۔ آپ چھوٹے بھائی میر محمد صالح کشفی کے تھے شاعری میں یگانۂ روزگار اور خط نستعلیق میں شہرۂ آفاق تھے صاحب ذوق و شوق اور عاشق وجد و سماع تھے شاہجہاں کے عہد میں شاہزادہ سلیمان شکوہ کی تعلیم و تربیت پر مامور تھے اس کے بعد قناعت و گوشہ نشینی اختیار کی۔ ۹۰ برس کی عمر میں ۱۰۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔ تاریخ وفات

شب پنجشنبہ بتاریخ زبدہ | رداں شد بقصر جناں میر مومن
چو پرسند سال وصالش محباں | بگو سید عرشیاں میر مومن

میر محمد شریف۔ آپ عبداللہ وصفی کے بھانجے اور سجادہ نشین تھے۔ خط نستعلیق میں آپ کو بھی کمال حاصل تھا اور جہانگیر کے عہد میں کاتب السلطان کے خطاب سے موصوف اور نہایت نیک و بابرکت بزرگ تھے ۱۰۴۲ھ میں آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔

میر عبداللہ کا مقبرہ کوٹھی قندھاری سے تھوڑے فاصلہ پر نگلہ جواہر کے قریب واقع

میر محمد مومن عرشی

میر محمد شریف کاتب سلطان

[۵۱] یہہ ایک ضخیم کتاب ہے جس کا ایک نہایت خوشخط اور مطلا نسخہ کتب خانہ وقف حاجی ضامن علی صاحب مرحوم شاہ گنج آگرہ میں موجود ہے علم موسیقی پر ایک مختصر رسالہ آپ کی تصنیف سے ہے جو کتب خانہ محمدیہ آگرہ میں موجود ہے۔

ہے جس کے احاطہ میں ان کے خاندان کے لوگوں کی قبریں ہیں۔ چاردیواری کے اندر مغربی جانب ایک مسجد۔ درمیان میں روضہ کا گنبد اور آس پاس بہت سی سنگین قبریں ہیں۔ گنبد کے اندر میر عبداللہ کا مزار ہے اور گرداگرد نہایت خوشخط بخط نستعلیق یہ اشعار مرقوم ہیں ؎

منم غمگین ازیں معنی کہ میرم — ازیں دارِ فنا سوئے جناں رفت
بحمد اللہ کہ عرفاں کرد حاصل — نہ پنداری کہ کشفی را بجاں رفت
چو تاریخ وفاتش جستم از دل — ازیں ماتم فغانِ پر آسماں رفت
دلم گفتا بصد درد و بصد آہ — زدنیائے دنی قطبِ زماں رفت

دیگر

شیخِ زمانہ مظہرِ انوارِ جاوداں — کز خواجگان چشت یکے بے نشانہ بود
دریائے جود و کانِ سخا قطبِ وقت میر — عبداللہ آنکہ در ہمہ فنہا یگانہ بود
کشفی سوال کرد ز تاریخ رحلتش — ہم خود جواب داد کہ شیخ زمانہ بود

دیگر

کشفیا سر برین جناب بنہ — کہ ازیں باب کس نہ شد نومید
گرد ایں روضہ روز و شب گرد است — چرخ با انجم و مہ و خورشید
سال اتمام ایں مکان شریف — ہاتفِ گفت۔ روضۂ جاوید ۱۰۳۵

گنبد سے ملحق مشرقی جانب چوکھنڈی کے نیچے بانی روضہ یعنی میر محمد صالح کشفی کا مزار ہے

مزار مولانا مقصود علی تبریزی

میر عبداللہ کے مقبرہ کے قریب ایک قدیم قبرستان ہے جس میں بہت سی سنگین و پختہ و قدیم قبریں واقع ہیں۔ اسی قبرستان میں ایک چبوترہ پر تین قبریں ہیں جن میں درمیانی قبر کے تعویذ مزار پر مولانا مقصود علی تبریزی اور برابر کے دوسرے تعویذ پر فاطمہ سلطان بنت

مولانا عبدالحی نیشاپوری" کندہ ہے۔ یہ مولانا مقصود علی ملا فضل اللہ بیگ بیٹے اور اکبر کے عہد کے ایک عمدہ اور صاحب دیوان شاعر تھے انہوں نے خواجہ سلمان کے مشہور قصیدہ کے مقابلہ میں ایک قصیدہ قاضی یحییٰ کی تعریف میں لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے

علی خصال محمد شعار یحییٰ نام — چو روشن است کمالش چہ حاجت القاب

۹۷۶ھ/۱۵۶۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔ فاطمہ سلطان غالباً ان کی بیوی تھیں۔

دہلی دروازہ

آگرہ کی شہر پناہ کا اب کوئی قابل ذکر وجود باقی نہیں رہا محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں راجہ جے سنگھ صوبہ دار نے اسکی مرمت کرائی تھی۔ غدر کے زمانہ تک دیوار شہر پناہ کا کچھ حصہ متصل گوکل پورہ[1] و لوہا منڈی اور دروازہ جات پل چھنگا مودی۔ کنس دروازہ۔ اجمیری دروازہ اور دہلی دروازہ موجود تھے اب صرف اجمیری دروازہ۔ نیم دروازہ۔ مدار دروازہ اور نوری دروازہ کا نام اور صرف دہلی دروازہ کی عمارت باقی ہے یہ سنگ سرخ کا شاندار دروازہ ہے جسکے اوپر چار خوشنما برجیاں بنی ہیں اور اندر میں ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہے

سینٹ جونس کالج

محلہ باغ مظفر خاں میں لب سڑک پختہ (ڈرمنڈ روڈ یا ٹھنڈی سڑک) سینٹ جونس کالج کی جدید سنگ سرخ کی عالی شان عمارت واقع ہے۔ جو کئی لاکھ روپیہ کے صرف سے ۱۹-۲۰ برس کا عرصہ ہوا کہ تعمیر کی گئی ہے جس پر مشرقی طرز کے گنبد اور متعدد برجیاں بنی ہیں۔

مقبرہ بی بی جیونی شاہ

بی بی جیونی شاہ اکبر آباد کی ایک کاملہ روزگار اور رابعہ عصر خاتون اور قوم کی تیلن تھیں جنہوں نے

[1] گوکل پورہ کے قریب کے کسی قدر آثار اب تک نمایاں ہیں۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۲۰۱ھ کو وفات پائی۔ نواب نجف خاں نے اپنے ایام حکومت میں موضع رہپورہ (؟) پرگنہ فرح آپ کی خانقاہ کے مصارف کے واسطے وقف کیا تھا۔ آپ کا مزار محلہ عالم گنج میں دو مسجدوں کے درمیان میں ایک چھوٹے سے گنبد کے اندر واقع ہے جس کی لوح پر یہہ تاریخ کندہ ہے ؎

ہو اللہ

جیونی شاہ معرفت آئین | بود ثابت قدم براہ یقین
چونکہ رحلت نمود از عالم | شد از آں خاطر جہاں غمگین
ہاتف غیب گفت تاریخش | جائے او باد در بہشت بریں

بوم یکشنبہ بتاریخ ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۰۱ھ ہجری

خانقاہ میں علاوہ اس گنبد کے ایک گنبد اور ہے اور اُس میں بھی چند قبریں بنی ہیں۔

مزار پیر بہار الدینؒ

پیر بہار الدینؒ افغانستان کے مشاہیر اولیا اللہ سے تھے جو اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ہندوستان میں وارد ہو کر اکبر آباد میں سکونت پذیر ہوئے آپ کا مزار محلہ پیر بہار الدین منجملات عالم گنج کی مسجد کے صحن میں واقع اور زیارتگاہ خاص و عام ہے محلہ بھی آپ ہی کے نام سے موسوم ہے

مزار شاہ شوقاؒ

لوہا منڈی اور عالم گنج کے قریب متصل تالاب طوطہ لب سڑک ایک قبرستان واقع ہے جس میں سب سے بلندی پر شاہ شوقا صاحب کا مزار واقع ہے جو اکبر کے زمانہ کے بزرگ بیان کئے جاتے ہیں۔ عوام الناس آپ کو لال سید کہتے ہیں۔ یہہ مزار ایک وسیع چبوترہ پر بنا ہوا ہے جس کے تعویذ پر آیت الکرسی مرقوم ہے اور پائیں پر یہہ تاریخ کندہ ہے ؎

شاہ بودے شجاع ملت و دین | آنکہ او داد داد مردمی را

سال فوتش چو از خرد جستم گفت۔ آمرزشاہ مرشے را

مسجد مخنثان

یہ خوشنما مسجد محلہ لوہا منڈی میں واقع ہے جو صاف و شفاف سنگ سُرخ سے بنائی گئی ہے۔ اسکی تعمیر کی نسبت یہہ روایت مشہور ہے کہ اسے اکبر بادشاہ نے یتیم نام ایک خواجہ سرا کی یادگار میں بنوایا تھا جس کی دعا سے ایّام قحط و خشک سالی میں بارش ہوئی تھی۔ یہ مسجد ۱۰ فیٹ بلند چبوترہ پر بنی ہے جس کے نیچے دو کانیں ہیں۔ اس میں تین محرابیں۔ تین سنگین گنبد اور دو ہشت پہل برج ہیں۔ مسجد کی لمبائی ۴۶ ½ فیٹ اور چوڑائی ۲۰ فیٹ اور صحن ۹۴ فیٹ × ۶۵ فیٹ ۱۰ انچہ ہے جس میں ۲۵ × ۲۵ فیٹ حوض بنا ہوا ہے۔ کل صحن میں سنگ سُرخ کا فرش ہے۔ مغربی دیوار کے دو محرابوں میں جالیاں لگی ہیں اور مسجد کے اندر چونے پر نہایت نفیس جالدار کام بنا ہوا تھا جس کا کچھ حصہ اب تک باقی ہے یہہ مسجد کمیٹی لوکل ایجنٹی کے متعلق ہے

مسجد میر رفیع الزماں

یہ مسجد راجہ منڈی کے ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے جسے اورنگ زیب کے زمانہ کے ایک بزرگ میر رفیع الزماں نے ۱۰۹۲ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ یہہ مسجد ۱۰۔۱۲ فیٹ بلند چبوترہ پر بنی ہے جس کے نیچے تہ خانے وغیرہ بنے ہیں۔ اس کی لمبائی ۳۰ فیٹ اور چوڑائی ۱۲ فیٹ ہے۔ اس میں تین محرابیں اور گچکاری کے تین گنبد اور جنوبی جانب پختہ کنواں واقع ہے۔ محرابوں کی پیشانی پر یہہ کتبہ مرقوم ہے ؎

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(یا حی) شکر کہ در دور شہ دیں پناہ	(یا قیوم) غازی حشم مرتبہ اورنگ شاہ
(یا کریم) میر فلک قدر رفیع الزماں	(یا بدیع) ساختہ از عون خدا این سجدگاہ

(یا رفیعُ) سال نیایش خردم زد رقم (یا غفارُ) یادآید معدن فیض الہٰ
(یا ستارُ) اللہ و محمدؐ و ابوبکرؓ و عمرؓ (یا باسطُ) عثمانؓ و علیؓ و فاطمہؓ باد گہر
(یا اولُ) از جان و دل صدق و یقین بپوید (یا آخرُ) این است مرا ورد بہر شام و سحر
(یا ظاہرُ) سوئے مسجد کسے برائے نماز (یا باطنُ) گر بیا بید زرئے عجز و نیاز
(یا حافظُ) حق گناہان او چہل سالہ (یا رزاقُ) محو ساز د مشابہ ژالہ
(یا حفیظُ) ہست این ترجمہ ز قول نبیؐ (یا حکیمُ) بشنو از گوش دل جو حق طلبی

شمالی جانب دیوار پر یہہ تاریخ تحریر ہے ۳۷ سنہ جلوس و الامطابق ۱۱۰۴ سنہ ہجری مسجد کے قریب شمالی جانب بانی مسجد کا مزار املی کے درخت کے نیچے واقع ہے اور اس سے تھوڑے فاصلہ پر شمالی جانب اور مسجد کے جنوبی جانب میر محبوب عالم اور میر سید عالم نام دو بزرگوں کے مزارات واقع ہیں۔ یہہ مسجد بھی کمیٹی لوکل ایجنسی کے متعلق ہے۔

عمارات دیال باغ

دیال باغ کی نو آبادی کا سلسلہ شہر سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر شروع ہوتا ہے یہ ہندوؤں کے ایک مشہور روحانی فرقہ رادھا سوامی کا مستقر ہے جس کے پیرو ست سنگی کہلاتے ہیں۔ اس فرقہ کو ۱۸۶۱ سنہ عیسوی میں ایک صوفی بزرگ سوامی شیو دیال سنگھ صاحب نے جو ذات کے چھتری اور سوامی جی مہاراج کے لقب سے موصوف تھے قائم کیا تھا۔ سوامی جی مہاراج کا سال پیدائش ۱۸۱۸ سنہ عیسوی اور سنہ وفات جون ۱۸۷۸ سنہ عیسوی ہے۔ آپ ایک خوش حال خاندان کے فرزند رشید تھے آپ نے عربی۔ فارسی کی بھی اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ ایام طفولیت ہی سے خدا شناسی کا جذبہ موجود تھا جس نے رفتہ رفتہ ترقی کر کے آپ کو مذہبی خدمات کے واسطے مخصوص کر دیا ۱۸۶۱ سنہ سے آپ نے اپنے خیالات کی تبلیغ شروع کی جسکی رفتار آپ کے زمانہ حیات میں تو سست رہی لیکن وفات کے بعد سے روز افزوں ترقی پر ہے۔ آپ حیات بعد الممات کے قائل اور توحید شہودی

یعنی انسانی ذات کو مظہر ایزدی سمجھتے تھے۔

سوامی جی مہاراج کے انتقال کے بعد رائے بہادر بابو سالگرام پوسٹماسٹر جنرل صوبہ متحدہ رادھا سوامی جماعت کے صدر اور حضور صاحب کے لقب سے مُفتخر ہوئے۔ آپ کی سمادھ محلہ راوت پاڑہ میں واقع ہے۔ اُن کے بعد ۱۸۹۸ء میں پنڈت برہم شنکر صاحب اُن کے جانشین اور اس فرقہ کے پیشوائے اعظم مُقرر ہوئے اور جماعت کا صدر مقام اول الہ آباد اور اُس کے بعد بنارس منتقل ہوا آپ کا خطاب مہاراج صاحب ہے ۱۹۰۷ء میں بابو کامتا پرشاد جی وکیل غازی پو سرکار صاحب کے خطاب سے مسندِ صدارت پر رونق افروز ہوئے۔

مارچ ۱۹۱۰ء میں اس فرقہ کی ایک مرکزی جماعت ست سنگ سبھا کے نام سے قائم ہوئی جس نے ۱۹۱۳ء میں آگرہ کو مستقل طور سے اپنا صدر مقام قرار دیا کیونکہ سوامی جی مہاراج بانی فرقہ کا مقبرہ (سمادھ) اسی جگہ موجود تھا۔ جنوری ۱۹۱۵ء میں موجودہ نوآبادی کی بنیاد قائم ہوئی جسکی ابتدا پانچ ہزار روپیہ کے چندہ اور چار ایکڑ زمین کی خریداری سے ہوئی۔

موجودہ پیشوائے مذہب کا نام نامی شری انند سروپ صاحب ہے آپ سرکار صاحب کے انتقال کے بعد ۱۹۱۳ء میں اُن کے جانشین قرار پائے اور صاحب جی مہاراج کے خطاب سے موصوف ہیں۔

ست سنگی بھائیوں کا جوشِ مذہبی۔ اُخوّتِ باہمی۔ سادگی اور اپنے پیشوائے مذہب کی مُخلصانہ فرماں برداری اور سب سے زیادہ ایثار واُلوالعظمی موجودہ دور میں کم از کم ہندوستان میں بے نظیر اور اُن کی تمام موجودہ ترقیوں کا باعث ہے۔ جس حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ دیال باغ کی نوآبادی نے ترقی کی ہے۔ اُس کا انداز صرف اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اب اُس کی حیثیت ایک نہایت شاندار مستقل چھاؤنی کی ہے جس کے قبضہ میں اس وقت ڈہائی ہزار ایکڑ آراضی ہے اور اُسکی عالی شان عمارتوں کی تعمیر پر پچیس ۲۵ لاکھ کے قریب روپیہ صرف ہو چکا ہے۔ کل نوآبادی جو دو ہزار چار سو نفوس پر مشتمل اور ایک پختہ احاطہ سے محصور ہے۔

پبلک عمارتیں ایک جداگانہ وسیع احاطہ میں ہیں اور قیام کے مکانات علیحدہ حصوں میں ہیں۔ اس کا اپنا میونسپل انتظام جو نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے جداگانہ ہے۔ اعلیٰ درجہ کی سڑکیں۔ سرسبز باغات۔ کارخانۂ آب رسانی کارخانہ برقی روشنی اور وہ سب انتظامات موجود ہیں جو انسانی ضروریات زندگی کے واسطے لازمی ہیں رادھا سوامی جماعت کی موجودہ تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور اُن کی مرکزی جماعت ست سنگ سبھا کی ۲۳۸ شاخیں مختلف شہروں اور قصبات میں موجود ہیں۔ وسیع جائدادیں وقف ہیں۔

حسب ذیل عمارتیں عالیشان قابل الذکر اور لائق دید ہیں رادھا سوامی ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ اسکی بُنیاد یکم جنوری ۱۹۱۷ء کو بحیثیت مڈل اسکول رکھی گئی تھی اب انٹرمیڈیٹ کالج ہے جو غالباً عنقریب اعلیٰ درجہ کا کالج ہوجائیگا اس میں پانچ سو کے قریب طالب علم ہیں جن میں ۲۸۶ بورڈر ہیں اسکی لائبریری میں ساڑھے سات ہزار کتابیں ہیں اس کے متعلق ایک عجائب خانہ بھی ہے۔

پریم ودیالیہ یہ لڑکیوں کا مدرسہ ہے جس میں ۱۲۹ لڑکیاں زیرتعلیم ہیں یہ بھی عنقریب زنانہ کالج ہوجائیگا۔

ٹیکنیکل کالج۔ یہ ۱۹۲۷ء میں اسکول کی حیثیت سے جاری کیا گیا تھا جو تین ہی سال میں کالج کے درجہ پر پہنچادیا گیا اس میں میکنیکل اور الیکٹرک انجینرنگ کی تعلیم دی جاتی ہے اِس کی دو منزلہ عمارت نہایت خوبصورت ہے درسگاہوں کے علاوہ متعدد عمارات کارخانہ جات صنعتی کی ہیں جن کی ابتدا چار ہزار روپیہ کے سرمایہ سے ۱۹۱۷ء میں کی گئی تھی اب اس کی عمارات پر ایک لاکھ روپیہ اور کلوں پر چار لاکھ روپیہ صرف ہوچکا ہے۔

۱۹۳۰ء میں دو لاکھ اٹھتر ہزار روپیہ مالیت کا سامان اِن کارخانہ جات میں تیار کیا گیا سائنٹفکٹ لیبوریٹریوں اور سرجری کے آلات۔ برقی چولھے۔ سونے چاندی کی زنجیریں۔ چاقو چھری۔ برقی پنکھے۔ گراموفون۔ جوتے۔ ہر قسم کے کپڑے اور بیسیوں دوسری چیزیں یہاں تیار کی جاتی ہیں۔

ڈیری فارم - زراعتی فارم - مرکزی تالاب - شفاخانہ - زچہ خانہ - ہومیوپیتھک فارمیسی نہر - بینک اور بہت سے دیگر مفید عام کارخانجات اور انجمنیں قائم اور روز افزوں ترقی پر ہیں۔ دیال باغ کے باشندے خصوصاً اور اس مت کے دیگر پیرو عموماً اس امر کے پابند اور عامل ہیں کہ وہ اپنی ضروریات کے واسطے دیال باغ ہی کی بنی ہوئی چیزیں خرید کر استعمال کریں۔

تمام ہندوستان کے باشندوں کو عموماً اور ارض تاج کے باشندوں اور سیاحوں کو خصوصاً اس مختصر جماعت کے ایثار و باہمی اخوت سے سبق حاصل کرنا چاہیئے جس نے اس قلیل عرصہ میں محض اپنے اتحاد باہمی کی بدولت یہ حیرت انگیز ترقی حاصل کی ہے۔

باب ہشتم

سکندرہ اور اسکے قرب و جوار کی عمارتیں

سکندرہ اصل میں ایک گاؤں کا نام ہے جو سکندر لودی کے زمانہ میں آگرہ کا ایک محلہ تھا اور اب شہر سے ۵ میل کے فاصلہ پر متھرا اور دہلی کی پختہ سڑک پر واقع اور سرکاری کاغذات میں میں سکندرہ بہشت آباد کے نام سے موسوم ہے۔ لیکن عرف عام میں سکندرہ اکبر کے روضہ کو کہتے ہیں۔ ایک سڑک پختہ محلہ شاہ گنج سے بھی سکندرہ تک گئی ہے اور جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا اسٹیشن بھی سکندرہ میں ہے۔

سلاطین مغلیہ کے عہد میں سکندرہ سے آگے رنکتہ تک جو اب شہر سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے مسلسل آبادی اور باغات کا سلسلہ چلا گیا تھا جس کے بہت سے آثار لب جمنا اور سڑک کے آس پاس آب تک نظر آتے ہیں۔ شہر کے قدیم دہلی دروازہ سے گزر کر سب سے پہلے پاگل خانہ

کا وسیع احاطہ اور عمارات ملتی ہیں جس کے اندر اور قرب و جوار میں اکثر آثار قدیمہ باقی ہیں جن میں سب سے زیادہ پُرحسرت آثار نواب اعظم خاں کوکلتاش (مرزا مظفر حسین) کے سنگ مرمری مقبرہ کے ہیں یہ موضع کھنیتہ کے رقبہ میں تھا جس کے اب صرف تہ خانہ کے کھنڈر باقی ہیں موضع مئو کے سوانہ میں سیتلا کی پختہ سڑک پر للو سیڑھو کے باغ کے پاس لاڈلی کے نام سے ایک ٹیلہ مشہور ہے جہاں شیخ مبارک اور ملک الشعرا فیضی اور اُن کے خاندان کی ہڈیاں دفن ہیں یا دفن تھیں درمیان میں منشی چندر بھان کا باغ ہے جو اب ایک ساہوکار کے قبضہ میں ہے۔ تیسری اور چوتھے میل کے درمیان میں سڑک کے شمالی جانب تھوڑے فاصلہ پر نواب صادق خاں میر بخشی شاہجہانی کے مقبرہ کا گنبد اور اس کے بیٹے صلابت خاں کی سنگ سُرخ کی بارہ دری نظر آتی ہے۔ چوتھے میل پر پھنچکیہ اعتباری خاں خواجہ سرا کی مسجد اور قبر اور تالاب ہے اور ایک سنگین گھوڑا نصب ہے۔ اس کے آس پاس متعدد شکستہ گنبد موجود ہیں۔ اس کے بعد روضہ کی عالی شان عمارت ہے۔ بازار سے آگے مریم الزمانی بیگم کا باغ اور روضہ کا وسیع احاطہ واقع ہے۔ اس کے آگے بھی دور تک کھنڈرات کا سلسلہ چلا گیا ہے بیسیوں سنگین قبروں کے تعویذ سڑک کے قرب و جوار کے کھیتوں میں اِدھر اُدھر پڑے ہیں جن میں اکثر خوشنما اور بیش قیمت ہیں کئی مسجدیں کس مپرسی کی حالت میں نظر آتی ہیں۔

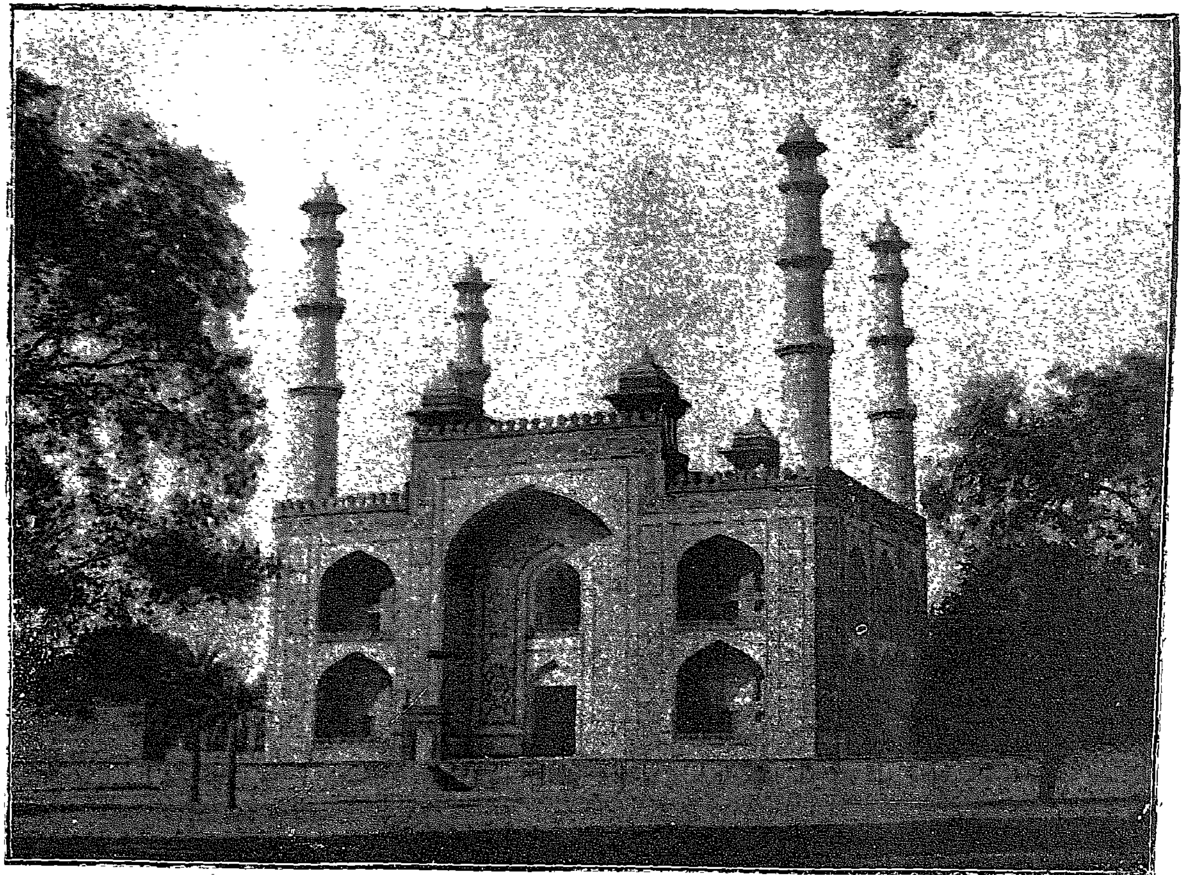
جہانگیر بادشاہ نے آگرہ سے لاہور اور آگرہ سے بنگال تک سڑک پر دو رویہ میوہ دار درخت ہر کوس پر ایک منارہ اور ہر تین کوس پر ایک چاہ پختہ تعمیر کرایا تھا۔ اکثر منارہ اور چاہ اب تک موجود ہیں۔

---

[۱] دوسرے اور تیسرے میل کے درمیان اور ساڑھے پانچ فرلانگ کے محاذ میں لب سڑک ایک نیب کے درخت کے نیچے چبوترہ پر ایک لوح نصب ہے جس پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

رسا بباغ طرب داشتم گلے یک چند	کہ بُد ز عشرت و آرام روز و شب مستم
ز تُند باد اجل رفت و من ز ہجر آتش	ہنوز با الم و رنج و درد و غم جستم
پس از سہ سال لیلو ... مزار او گفتم	ہزار حیف جوان رفت از جہاں گفتم

۱۱۱۵ھ



صدر دروازہ مقبرہ شہنشاہ اکبر

مقبرہ شہنشاہ اکبر اعظم (سکندرہ)

سلاطین مغلیہ میں اکبر سب سے زیادہ مشہور اور صاحبِ اقبال بادشاہ تھا جو نہایت بے سر و سامانی کی حالت میں بمقام امرکوٹ (سندھ) شب یکشنبہ ۵ رجب ۹۴۹ھ (۱۵۴۲ء) کو پیدا ہوا اور صغیر سنی کی حالت میں جمعہ کے دن ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ (۱۵۵۵ء) کو بمقام کلانور تخت نشین ہوا۔ ۵۱ سال ۲ ماہ اور ۱۱ یوم سلطنت کر کے شبِ چہار شنبہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) کو ۶۴ برس ۱۱ ماہ ۸ یوم کی عمر میں بمقام آگرہ وفات پائی۔ الف کشید ملائک ز فوتِ اکبر شاہ وفات کی تاریخ ہے۔

اکبر اعظم کا مقبرہ دہلی اور متھرا کی پختہ سڑک پر آگرہ سے ٹھیک ۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ پختہ سڑک اور چبوترہ سنگین پیش دروازہ کے درمیان میں سبزہ زار ہے جو نارسے محصور ہے۔ اسکے بعد ۸ فیٹ بلند سنگین چبوترہ ہے جس کا ہر ضلع ۲۴۳ فیٹ ہے۔

یہ مقبرہ ایک بلند کنگورہ دار چہار دیواری سے محصور ہے جس کا کل رقبہ ۱۱۰ ایکڑ یعنی ۲۹۹ بیگھہ ہے ہر ضلع کے وسط میں دروازہ ہے۔ ان میں جنوبی ضلع کا دروازہ صدر دروازہ اور نہایت شاندار ہے بقیہ تینوں دروازے برائے نمود اور بند ہیں۔ شمالی دروازہ زیادہ تر منہدم ہو گیا ہے جنوبی فصیل کے مشرقی حصہ میں حصہ میں اب ایک جدید سنگین دروازہ ڈاک بنگلہ کے جانے واسطے بنا لیا گیا ہے جو باغ کے اندر واقع ہے۔

صدر دروازہ

صدر دروازہ کی عمارت نہایت بلند اور خوشنما ہے۔ اس کے اندر متعدد صفہ نشستیں بنی ہیں اور درجہ بدرجہ دو منزلہ۔ سہ منزلہ۔ چہار منزلہ بنتی چلی گئی ہیں۔ بالائی منزل کے گوشوں پر چار بلند سنگ مرمر کے سہ منزلہ مینار ہیں یہ مینار کوسوں سے نظر آتے ہیں۔ ان کا بالائی حصہ جاٹھ گردی میں منہدم کرا دیا گیا تھا جو اب از سرِ نو بنا دیا گیا ہے دروازہ کے دونوں جانب سنگ مرمر سنگ موسی اور سنگ زرد وغیرہ کی پچیکاری کی ہوئی ہے۔ بیرونی جانب نہایت خوش خط یہ اشعار کندہ ہیں۔

مرحبا خرم فضائے خوش تراز باغ بہشت	مرحبا عالی بنائے برتر از عرش بریں
جنتے اندر اہراراں روضۂ رضواں غلام	روضۂ اندر اہزاراں جنت الماوی زمیں
کلک معمار قضا بنوشت بر درگاہ او	ھٰذِهٖ جَنّٰتُ عَدْنٍ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِیْنَ
	کتبہ عبد الحق الشیرازی ۱۰۲۲ھ

اندرونی جانب یہ اشعار تحریر ہیں ؎

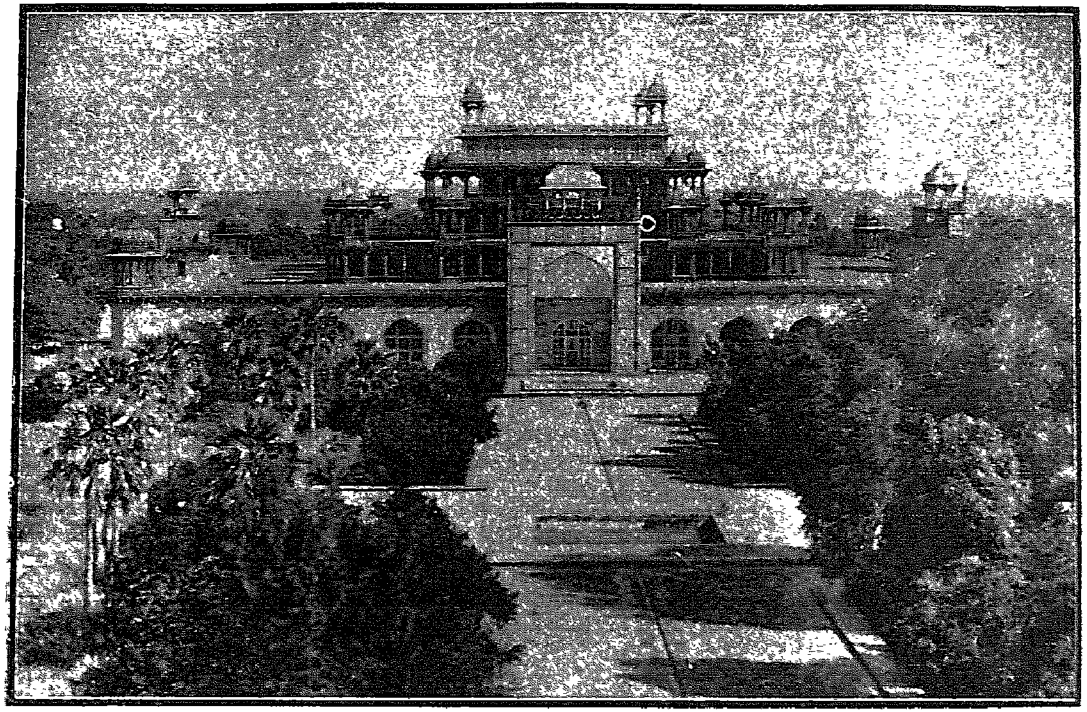
شاہ اکبر زروئے دانائی	گر بظاہر ز دہر فانی رفت
دولتش بود بے زوال ازاں	دل بہ دنیائے بازوال نہ بست
مرغ روحش چو بود طائر عرش	رفت بر آشیان خویش نشست

اسی جانب پیش طاق پر یہ رباعی کندہ ہے۔

طاقیکہ از رواق نہم چرخ برتر است	روشن ز سایہ اش رخ تابندہ اختر است
ایں طاق زیب نہ فلک ہفت کشور است	از روضۂ منورۂ شاہ اکبر است

دروازہ کے اندر محرابوں کے اطراف میں یہ اشعار کندہ ہیں جو سب عبد الحق الشیرازی کے موئے زرین قلم کی بہترین یادگار ہیں یہ وہی عبد الحق ہیں جو شاہجہاں کے عہد میں امانت خاں کے خطاب سے موصوف ہوئے روضۂ تاج محل کے کتبے بھی انہیں کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں ؎

بہ فرمان شہنشاہ ذو الجلال	کہ باشد شہنشاہیش بے زوال
شد آراستہ آں چناں روزگار	کہ حیراں شدہ اندیشۂ ہوشیار
بہ گیتی زفیض ازل بادشاہ	بود سایۂ نور ذات اِلٰہ
چو از دہر آں سایہ گردد نہاں	فتد سایہ دیگر اندر جہاں
بہ نقشاں بود تا سرانجام کار	بہ نزد خرد گردش روزگار
زماند دگرگوں شود ہر نفس	نماند دو جنگ گو نہ باقی کس
فلک رتبہ شاہ اکبر عرش گاہ	کہ از ہیبتش کوہ گشتی چو کاہ



مقبرہ اکبر اعظم

نشستے چو بر تخت شاہنشہی | گرفتی جہاں فرظل الٰہی
فروزندہ افسر و تخت بود | کریم و رحیم و جوان بخت بود
دل روشن و جان آگاہ داشت | جہاں خورد و داد و گرفت و گذاشت
بباغ جہاں تخم نیکی بکشت | بر آن گرفت از ریاض بہشت
روانش چو انوار خورشید و ماہ | فروزندہ بادا ز نور الٰہ

خاص روضہ کی عمارت باغ کے وسط میں ہے۔ دروازوں اور روضہ کے درمیان میں ۲۱ فیٹ چوڑا سنگین فرش۔ درمیان میں فوارہ دار حوض اور پانی کی آمد و رفت کے واسطے نالیاں بنی ہوئی ہیں۔ شمالی جانب کا فرش و حوض منہدم ہو گیا جو غالبًا اب از سر نو بنایا جائیگا۔ اس تقسیم سے باغ چار تختوں میں منقسم ہو گیا ہے ہر تختہ میں چاہ پختہ۔ حوض اور سنگین چبوترہ ہیں۔ جنوبی و مشرقی تختہ میں اب ڈاک بنگلہ کی عمارت بن گئی ہے۔ دروازہ اور مقبرہ کی عمارت کا درمیانی فاصلہ ۹۶ فیٹ ہے۔

روضہ

خاص روضہ کی عمارت پانچ منزل کی ہے جس کا طرز تعمیر بودھ اور جینی عمارتوں سے ملتا جلتا ہے ہر منزل کی برج برجیاں ملکر دور سے نہایت شاندار منظر پیدا کرتی ہیں۔ ہر بالائی منزل اپنے نیچے کی منزل سے چھوٹی ہوتی گئی ہے۔

منزل اول

پہلی منزل کا ہر ضلع ۳۲۰ فیٹ ہے۔ ہر ضلع کے وسط میں ایک ایک خوشنما اور شاندار محراب ہے جس کے اطراف میں پچیکاری کا کام ہے ہر محراب کے اطراف میں ۵-۵ در کے دالان ہیں۔

جنوبی محراب کے اندر سنگ مرمر کے جالیدار دروازہ میں داخل ہو کر ایک مختصر کمرہ ہے جس کا ہر ضلع ۱۴½ فیٹ ہے۔ اس کے در و دیوار اور چھت پر نہایت خوشنما طلائی اور لاجوردی گلکاری کی ہوئی تھی۔ نہایت خوبصورت بیل بوٹے اور چھاچتے بنے ہیں اور سورہ تبارک الذی بخط نسخ کندہ ہے۔ اب یہ نقش و نگار ماند ہو گئے ہیں لیکن کچھ حصہ پر بطور نمونہ از سر نو طلائی

گلکاری کی گئی ہے۔

اس کمرہ کے بعد ۲۰ فیٹ لمبی گھٹیا تنا گیلری سے گذر کر خاص قبر کے حجرہ تک پہنچتے ہیں جس کا ہر ضلع ۳۹ فیٹ ۹۔ انچہ ہے۔ وسط میں ۸½ فیٹ لمبا اور ۸ فیٹ چوڑا قبر کا سنگ مرمری تعویذ ہے۔ اب یہ کمرہ اور تعویذ بالکل سادہ ہے ممکن ہے کہ پہلے اس پر بھی کچھ کام ہو۔ باوجود اسکے کہ کمرہ کے چاروں طرف روشندان ہیں مگر روشنی برائے نام ہے۔ یہاں پہنچکر اکبری جاہ و جلال کا منظر پیش نظر ہو جاتا ہے۔

مقبرہ آرام بانو بیگم

جنوبی درمیانی محراب کے برابر مشرقی جانب ایک محراب کو خوشنما جالیوں سے بند کر دیا گیا ہے اس کا فرش بہت خوشنما پچیکاری کا ہے۔ درمیان میں آرام بانو دختر اکبر بادشاہ کی قبر ہے جس کا تعویذ سنگ مرمر کا بہت خوبصورت منبت کار ہے جسکے اطراف میں آیت الکرسی سرہانے اللّٰھم اغفرلی ذنوبی اور پائینتی ہذا القبر آرام بانو کندہ ہے اس کے برابر ایک سنگ مرمر کی سادہ قبر اور ہے جو کسی شاہزادی کی بتائی جاتی ہے۔

مقبرہ شکر النسا بیگم

اسی محراب کے مغربی جانب کی محراب میں جسکی جالیاں اور فرش خوبصورت سنگ مرمر کا ہے تین قبریں ہیں کمرہ کی درمیانی قبر کا تعویذ آرام بانو کے تعویذ کی طرح خوشنما نقش و نگار سے مزین اور لایق دید ہے اس پر بھی آیت الکرسی۔ اللّٰھم اغفرلی ذنوبی اور ھذا القبر شکر النسا بیگم منقوش ہے۔ یہ شکر النسا بیگم بھی اکبر بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ ان کی شادی مرزا شاہ رخ ابن ابراہیم مرزا کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان کی ماں کا نام بی بی دولت شاہ تھا ۹۳ برس کی عمر اور شاہجہاں کے زمانہ میں ماہ صفر ۱۰۶۳ھ میں بمقام متھرا ان کا انتقال ہوا تھا۔[۵۱]

اسی کمرہ میں شاہزادہ سلیمان شکوہ اور اُن کی بیگم کی قبریں ہیں۔ سلیمان شکوہ کی قبر کے تعویذ پر اللہ۔ محمد۔ علیؑ۔ فاطمہ رضؓ۔ حسین رضؓ و حسن عؑ اور تاریخ کندہ ہے ؎

چو فرمود رحلت سلیمان شکوہ	ز دارِ فنا سوئے مُلکِ بقا
بسالِ دو صد الف و پنجاہ و سہ	بہ ذیقعدہ بست دنہم زیں سرا

[۵۱] عمل صالح صفحہ ۱۵۴

دراں دم ز ہاتف ندا ایں رسید بگو کرد بر شاہ رحمت خدا

لوح مسوّر مرشد زادۂ آفاق مرزا سلیمان شکوہ بہادر ابن محمد شاہ عالم بادشاہ غازی

مقبرہ سلطان النسا بیگم

اس کمرہ کے برابر والے دوسرے کمرہ میں جو اسی طرح خوشنما جالیوں اور فرش اور تعویذ سے مزین ہے ایک قبر ہے۔ تعویذ کے سرہانے محمد رسول اللہ اور شمالی دیوار پر ایک طاق کے اندر نو دنہ نام اور کلمہ طیبہ وغیرہ کندہ ہے۔ اس میں جہانگیر بادشاہ کی بڑی لڑکی سلطان النسا بیگم دفن ہیں جو شاہزادہ خسرو کی بہن تھیں ان کا انتقال ۴ شعبان ۱۰۵۶ھ کو بعہد شاہجہاں بادشاہ ہوا تھا

چاہ پختہ

جنوبی جانب کے مشرقی دالانوں کے اندر ایک پختہ کنواں موجود ہے جو پانی تک ۶۳ فیٹ گہرا ہے معلوم نہیں کہ اس مقام پر یہ کنواں کس غرض سے بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے مقبرہ کی بنیاد کی گہرائی دکھانا مقصود تھا اسی جانب ایک سنگ مرمر کی سادہ قبر اور ہے۔

دوسری منزل

مقبرہ کی بالائی منزلوں پر چڑھنے کے واسطے ہر جانب ۲-۲ زینے بنے ہیں ۳۸ یا ۳۹ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر پہنچتے ہیں جس کے چاروں گوشوں پر ایک ایک ہشت پہل برج اور جنوب میں سہ در محراب کی برجیاں اور اطراف میں دالان ہیں۔

تیسری منزل

اس کے بعد ۱۴ یا ۱۵ سیڑھیاں چڑھ کر تیسری منزل ہے جس کے اطراف میں ۲۰ برجیاں سنگ سرخ کی ہیں جن کے گنبد سنگ مرمر کے ہیں درمیان میں دالان ہیں۔

چوتھی منزل

اس کے بعد ۱۵ سیڑھیاں طے کر کے چوتھی منزل آتی ہے اس میں ۱۲ مربع برجیاں ہیں جن میں ۴ کے گنبد سنگ مرمر کے اور ۸ کے گنبد مختلف رنگ کی چینی کے ہیں۔

پانچویں منزل

چوتھی اور پانچویں منزل کے درمیان میں ۱۴ سیڑھیاں ہیں۔ پانچویں اور سب سے بالائی منزل اس روضہ کی روح ہے جو خالص سنگ مرمر کی ہے اور سطح باغ سے ۱۰۰ فیٹ بلند ہے۔ اس کا ہر ضلع ۷۵ فیٹ ہے اس کے ہر سمت میں ۹-۹ محرابوں کے دالان ہیں جن میں بیرونی جانب ۱۱-۱۱ خوشنما جالیاں نصب ہیں جن کے جھروکوں سے کوسوں تک کا خوشنما منظر نظر آتا ہے۔ وسط صحن میں ۲½ فیٹ بلند چبوترہ ہے جس کے درمیان میں نہایت عالی شان بلند اور منبت کا ایک پتھر کا تعویذ رکھا ہے جو

اصلی قبر کے بالکل اوپر ہے اس کی خوشنمائی اور نقش و نگار دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے اوپر بخط نستعلیق نُودنہ نام اور سرہانے اللہ اکبر اور پائنتی جل جلالہٗ کندہ ہے۔

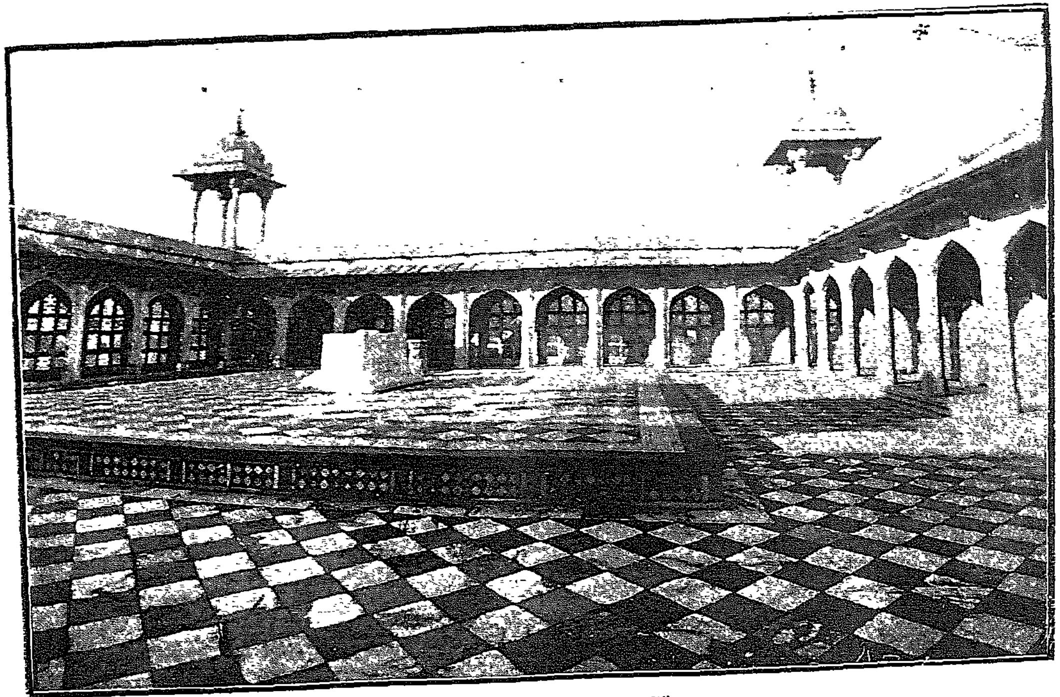
اس درجہ کا فرش مختلف رنگ پتھروں کا ہے دالانوں کی محرابوں پر اندر و باہر دو دو جگہ اللہ۔ اللہ منقوش ہے اور یہ اشعار بخط نستعلیق کندہ ہیں۔

بر محرابہائے غربی

بنام شہنشاہ ملکِ قدم	کہ ذاتش مبرا بود از عدم
ہمہ بادشاہانِ روئے زمین	از و صاحبِ تاج و تخت نگین
کند از عدم آشکارا وجود	بود ذات او مظہر عدل و جود
ز لطفش کہ دمہ طلب گار کام	بود در گہش قبلۂ خاص و عام
نگارندۂ جواہر آب و خاک	طرازندۂ گوہر جانِ پاک
دو عالم ز فیضِ ازل آفرید	یکے کرد پنہاں و دیگر پدید
بہ بخشید آنکہ سرائے سپنج	بشاہان با افسر و تاج گنج
کہ از عدل ایشاں شود روزگار	شگفتہ تر از باغ در نوبہار
رہِ دادری را چو گیرند پیش	شناسند بیگانہ را ہمچو خویش

بر محرابہائے جنوبی

شہے کو چناں زیست در روزگار	بود سایۂ ذات پروردگار
ز نہ صد فزوں بود شصت و دو سال	کہ شاہ اکبر آں سایۂ ذوالجلال
بہ بالائے زرّینہ مسند نشست	بر تخت او گشت افلاک پست
جہاں را بیاراستند از عدل و داد	دل اہل عالم از و گشت شاد
برو پایۂ تختش از مہر گردد	شدہ جمع مردان صاحب شکوہ
بہ جہار فگندے نظر سوئے خاک	بہ گوہر شدے بہتر از جانِ پاک



بالائی منزل مقبرہ اکبر اعظم

گرفتی بیک حمله ملکے به رزم　　به ایمای ایزد به دادی به بزم
چو لطف خدا لطف او عام بود　　به هر کار بخشش به انجام بود

بر محرابهائے مشرقی

بدرگاه او هر که برد سے پناه　　چه اندیشه رفتی ز ماهی به ماه
چنان شد آوازه اش در جهان　　که در دل نه گنجید راز نهان
بپرداخت آن گونه روئے زمین　　که کرد آفرینش جهان آفرین
به گیتی دو افزون ز پنجاه سال　　چنین کرد شاهی ز روئے جلال
چو از عدل آباد کرد این جهان　　سوئے آن جهان رفت روشن روان
شه هفت کشور ازین پیش بود　　کنون هشت جنت مسخر نمود
به نزد خردمند هشیار دل　　سرائیست این عالم آب و گل
مجو مهر از جوهر تند سپهر　　که یاکس بپایان نبرد است مهر
سپهر است پرکینه مهرش مدار　　که با کینه در مهر ناید بکار
جهان هست مانند موج سراب　　ازان تشنه دل کے شود کامیاب

بر محرابهائے شمالی

نه بستست پیمان به کس روزگار　　که نشکست آن را به هنگام کار
نماند به گیتی کسے جاودان　　ز دست اجل کس نبرد است جان
چه خوش گفت آن کامل نکته سنج　　که از گوهر دانش اندوخت گنج
جهان اے برادر نماند به کس　　دل اندر جهان آفرین بند و بس
شد از عدل شاه اکبر کامگار　　بسان بهشت برین روزگار
جهان گشت خرم بدوران او　　زمین و زمان شد به فرمان او
ولے دهر بے مهر پیمان گسل　　ز کین مهر او کرد بیرون ز دل

زتاثیر سپہر مہری ایں جہاں ۔۔۔ رواں شد سوئے عالم جاوداں
زدانش ہمیشہ زحق شاد باد ۔۔۔ ازو عالم قدس آباد باد

مشرقی دالان کے جھروکوں اور جالیوں سے شہر آگرہ اور دریائے جمنا کا منظر نہایت پرلطف اور دل کش ہے جہاں سے ہٹنے کو دل نہیں چاہتا۔ دالانوں کے اشعار پڑھکر دنیا کی بے ثباتی کا منظر پیش نظر ہو جاتا ہے۔ دنیا مٹنے والی اور دنیا کی تمام نعمتیں اور لذتیں فنا ہونے والی ہیں۔ نہ اکبر رہا نہ جہانگیر فنا کا زبردست ہاتھ ایک دن اس عمارت کو بھی نیست و نابود کر دیگا پس۔ جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے ۔۔۔ یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اکثر جدید کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ اس مقبرہ کی بنیاد خود اکبر نے رکھی تھی اور باغ کا نام بہشت آباد بھی اسی کا رکھا ہوا ہے لیکن کتبات موجودہ اور تزک جہانگیری یا اس عہد کی کسی فارسی تاریخ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی جہانگیر نے تزک جہانگیری میں بواقعات ۳ سنہ جلوس اسکی تعمیر کا حال لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دوشنبہ کے دن ۱۷ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ ۔ تاریخ کو پا پیادہ حضرت عرش آشیانی (اکبر) کے روضہ منورہ کی زیارت کے واسطے گیا۔ چونکہ والد بزرگوار میری پیدائش کی خوشی میں فتحپور سے اجمیر تک جن کا درمیانی فاصلہ ۱۲۰ کوس ہے پا پیادہ بغرض زیارت خواجہ معین الدین سنجری چشتی تشریف لے گئے تھے لہذا اگر ممکن ہوتا تو میں بسر و چشم اس راہ کو طے کرتا۔ روضہ کی زیارت سے مشرف ہوا لیکن دلخواہ نہ پایا میرا ارادہ تھا کہ مقبرہ کی ایسی عالی شان عمارت تعمیر کی جائے جس کی دوسری نظیر دنیا میں موجود نہ ہو خسرو کی بغاوت کی وجہ سے میں لاہور چلا گیا میرے پیچھے تین چار برس کے عرصہ میں معماران نے بطور خود اس عمارت کو تعمیر کیا بعدہ میں نے تجربہ کار معمار تلاش کرا کر عمارت میں جدید تصرفات کئے اور خوشنما باغ نصب کرایا۔ عالی شان دروازہ اور رفیع الشان سنگ مرمر کے مینار بنوائے۔ پندرہ لاکھ روپیہ کے صرف سے موجودہ عمارت تیار ہوئی ہے۔"

اس کے بعد بواقعات ۱۴ سنہ جلوس تحریر کیا ہے "یکم ماہ آبان الہی کو حضرت عرش آشیانی

انار اللہ برہانہ کے روضہ کی زیارت کے واسطے گیا۔ سو اشرفیاں نذر گذرانیں۔ جملہ بیگمات اور اہل محل نے بھی روضہ کا طواف کرکے نذریں پیش کیں۔ شب جمعہ کو مجلس سماع منعقد ہوئی جس میں بہت سے مشائخین اور حفاظ اور اہل نغمہ شریک تھے سب کو مناسب حال خلعت وغیرہ دیئے گئے اور روضہ کی عمارت میں مزید ترمیم کی گئی۔ ۶ شہ جلوس کے سالانہ عرس کے حال میں لکھا ہے کہ ایک ہفتہ تک عرس ہوتا رہا فقراء اور مساکین کو دس ہزار روپیہ خیرات میں تقسیم کئے گئے۔

کانچ محل

مقبرہ کے صدر دروازہ کے قریب مشرقی جانب جہانگیری محل تھا جسکی عمارت بہت شاندار اور خوبصورت تھی اس کی یادگار اب صرف ایک دروازہ باقی رہ گیا ہے جو اب کانچ محل کے نام سے مشہور ہے اس پر نہایت نفیس و باریک منبت کاری اور پچیکاری اور کاشی کاری کا کام کیا ہوا ہے اور لائق دید ہے۔ منشی سیل چند اور منشی قمر الدین کی قلمی تاریخوں میں اسے راجہ بیربل کی عمارت کا دروازہ بتایا گیا ہے۔ اس کے نقش و نگار فتح پور سیکری کی عمارات سے ملتے جلتے ہیں قیاس ہوتا ہے کہ یہ محل بطور ڈاک بنگلہ جہانگیر کے واسطے بنایا گیا تھا۔

مقبرہ مریم الزمانی بیگم

مریم الزمانی بیگم راجہ بہاڑامل والی انبیر (جے پور) کی بیٹی راجہ مان سنگھ کی پھوپھی جہانگیر بادشاہ کی ماں اور اکبر بادشاہ کی سب سے پہلی راجپوت بیگم کا خطاب تھا جو ۹۶۹ھ ۱۵۶۲ء میں بمقام سانبھر مغلیہ حرم سرا میں داخل ہوئی۔ ۹۷۷ھ ۱۵۶۹ء میں حضرت شیخ سلیم چشتی فتحپوری کے مکان پر جہانگیر ان کے بطن سے پیدا ہوا۔ ۱۰۳۲ھ ۱۶۲۳ء میں انتقال ہوا۔ فتحپور سیکری کا سنہرا مکان انہیں کی یادگار ہے یہ مقبرہ اکبر کے روضہ کے قریب بلکہ اس کے احاطہ کے جنوب مغربی گوشے سے ملا ہوا واقع

ہے اس کے احاطہ کا رقبہ ایک سو چالیس بیگہ ہے۔ خاص مقبرہ کی عمارت سلطان سکندر لودی کے عہد کی یادگار اور بارہ دری تھی جسے خفیف تغیر کے ساتھ مقبرہ بنالیا گیا ہے۔ شاہی زمانہ میں اس کا باغ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ جب آگرہ میں لفٹنٹی قائم ہوئی تو اس میں گورنمنٹ پریس قائم کیا گیا۔ لفٹنٹی کے منتقل ہونے پر یہ کل عمارت معہ اراضی باغ عیسائیوں کو دیدی گئی جس میں اُن کا یتیم خانہ قائم اور گرجا وغیرہ تعمیر ہوا۔ چند سال پیشتر تک خاص مقبرہ کی عمارت میں مشن کا کارخانہ پارچہ بافی تھا اور عمارت میں بھی متعدد تصرفات کر لئے گئے تھے اب مقبرہ کی عمارت خالی کرا کر اُسکی مرمت کردی گئی ہے اور اسکے گرد ایک جدا گانہ مختصر احاطہ بنا دیا گیا ہے۔ بارہ دری کے چاروں گوشوں پر ہشت پہل برجیاں ہیں۔ چاروں طرف درمیان میں ایک بڑی اور ۲-۳ اوسط درجہ کی اور ایک ایک چھوٹی محراب ہے اور ہر ضلع کے وسط میں ایک ایک برجی ہے اس طرح کل ۸ برجیاں یا گنبد ہیں۔ اصلی قبر تہ خانہ میں تھی جس کا موجودہ خشتی تعویذ جدید بنا ہوا ہے اوپر نشان تعویذ کی جگہ جالیوں سے محصور کردی گئی ہے۔ کہیں کہیں گذشتہ رنگ آمیزی کے نشانات نظر آتے ہیں۔

احاطہ باغ کے اندر ایک مختصر مسجد اور چند آثار قدیمہ کے علاوہ مشن کے نو تعمیر گرجا بنگلے اور متعدد عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

مقبرہ صادق خاں میر بخشی

صادق خاں آقا طاہر ابن محمد شریف ہروی کا بیٹا اور اعتماد الدولہ پدر نور جہاں بیگم کا بھتیجہ اور داماد تھا۔ جہانگیر کے عہد میں پنجاب کا صوبہ دار اور شاہجہاں کے زمانہ میں منصب چہار ہزاری پر سرفراز اور خدمت میر بخشی پر مامور تھا۔ ۹ ربیع الاول ۱۰۴۳ھ مطابق ۱۶۳۳ء کو وفات پائی۔ اس کا مقبرہ متھرا کی پختہ سڑک کے شمالی جانب موضع کیلاتہ کے سوانہ میں واقع ہے جو تیسرے اور چوتھے میل کے درمیان سے دکھائی دیتا ہے۔ اسکی عمارت ہشت پہل ہے جس کا قطعہ

۲۸ فیٹ ۷ انچ ہے۔ ہر ضلع میں ایک ایک دروازہ ہے۔ چھت اور ابتدائی عمارت کے درمیان میں ایک خوشنما گیلری بنی ہے۔ چھت پر چاروں طرف گلدستے اور درمیان میں کمرکھی طرز کا گنبد واقع ہے جو بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ اصلی قبر تہ خانہ میں ہے۔ اور اوپر کا تعویذ بھی غائب ہے۔

بارہ دری صلابت خاں

صلابت خاں کا اصلی نام روشن ضمیر تھا یہ صادق خاں میر بخشی کا بیٹا اور شاہجہاں کے زمانہ میں منصب چار ہزاری پر سرفراز اور خدمت بخشگری دوم سے مفتخر تھا۔ یکم جمادی الاول ۱۰۵۴ھ کو راؤ امر سنگھ کے جمدھر سے شہید ہوا۔ اس کی بارہ دری صادق خاں کے مقبرہ کے قریب واقع ہے جو سنگ سرخ کی اور نہایت ہوادار ہے۔ اس کے قرب وجوار کے آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جگہ باغ تھا اور باغ میں یہ عمارت بطور تفریح گاہ کے بنائی گئی تھی۔ یہ مربع شکل کی ہے جس کا ہر ضلع ۶۹ فیٹ ۴ انچ ہے چاروں اضلاع میں ۵۔ ۵ بلند محرابیں دوہرے ستونوں کی ہیں۔ درمیان میں ۳۔ ۳ محرابوں کی بارہ دری اور اس کے بیچ میں چار محرابوں کی چھتری ہے عمارت کے چبوترہ کے چاروں گوشوں پر چار خوشنما سنگین برج بنے ہیں جن کے اندر چھت پر بہت عمدہ گلکاری کی ہوئی ہے۔ بعض نقش و نگار ایسے تازہ ہیں کہ یہہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی معماران نے اس کام کو ختم کیا ہے۔

مسجد و تالاب اعتباری خاں خواجہ سرا

اعتباری خاں خواجہ سرا جہانگیر بادشاہ کا نہایت معتمد اور اس عہد کے امرائے عالیشان سے تھا جو اخیر زمانہ میں منصب شش ہزاری پر سرفراز اور مستقر الخلافت آگرہ کا صوبہ دار اور قلعہ اور شاہی خزانہ کا محافظ تھا قلعہ تارا گڈھ اجمیر میں میراں سید حسین خنگ سوار رح کی درگاہ سے

اعتبار خاں کی بنوائی ہوئی ہے آگرہ میں محلہ کٹرہ اعتباری خاں [۵] محلات نائی منڈی اسکی یادگار ہے اس کے علاوہ یہہ چھوٹی سی مسجد بھی ہے جو متھرا کی پختہ سڑک پر چوتھے میل کے برابر سڑک پختہ اور سڑک ریلوے کے درمیان میں واقع ہے۔ مسجد و تالاب کے علاوہ اعتباری خاں کا محل اور باغ بھی اسی جگہ واقع تھا جس کے قریب یہہ مختصر مسجد بنائی گئی تھی۔ یہہ ایک گنبد اور تین محرابوں کی مسجد ہے جو ۱۳ فیٹ لمبی اور ۱۰ فیٹ چوڑی ہے۔ اسی کے قریب قریب اس کا صحن تھا جس کا احاطہ اب منہدم ہوگیا مسجد کے اندر تمام در و دیوار پر نہایت عمدہ طلائی اور لاجوردی گلکاری کی ہوئی تھی جس کے نشانات اب تک بخوبی نمایاں ہیں مناسب موقعوں پر خط نستعلیق میں یا فتاح نہایت خوشخط تحریر ہے اور بیرونی محرابوں پر کتبہ کندہ ہے ؎

شمالی محراب پر

اعتباری خاں کہ ہست عالی جاہ ازطفیل حضرت ظل الہ

اللہ کافی

درمیانی محراب

مہیا ساخت مسجد خواجہ کافور کہ باشد خیر او ہموارہ در راہ

پئے تاریخ سال از عقل جستم بگفتا مسجد جامحض اللہ

یا مالک الملک

جنوبی محراب پر

خاں محرم ہست از سر ناظراں محسن الخلق است در اہل زماں

قائلہ و راقمہ ولی ابن آدم در سنہ ۱۰۱۵ھ

مسجد کے قریب ایک چاہ پختہ اور چبوترہ پر اعتباری خاں کی سنگین قبر بنی ہے جسکے تعویذ پر آیت الکرسی تحریر ہے۔ شمالی جانب ایک وسیع تالاب کے آثار ہیں جو اب گرد کا تال کہلاتا ہے

[۵] اس محل کے کھنڈر اور کچھ آثار اب تک موجود ہیں جس میں چار آباد ہیں باغ کا دروازہ بھی باقی ہے اُس میں بھی ایک کاشتکار ہے یہ آثار موضع ککرہٹہ میں ہیں ۱۲

یہ بھی اعتباری خاں کا بنایا ہوا تھا۔ زمانہ مابعد میں ایک ہندو فقیر اس جگہ عرصہ تک مقیم رہا لہذا اُس وقت سے یہ گرد کا تال مشہور ہو گیا اس کے آٹھ سنگین دو منزلہ گنبد اور چار دیواری اب تک موجود ہے۔ تالاب میں اب زراعت ہوتی ہے۔ قرب وجوار میں بہت سی سنگین قبروں کے تعویذ اور چند گنبد شکستہ موجود ہیں۔

سنگین گھوڑا

اعتباری خاں کی مسجد سے ملا ہوا یہ سنگ سرخ کا گھوڑا نصب ہے جو کسی گھوڑے کی قبر پر بطور یادگار بنایا گیا تھا۔ اس کے متعلق کوئی تاریخی بیان نظر سے نہیں گذرا زبانی روایت مشہور ہے کہ کسی سوداگر کا عزیز گھوڑا اس جگہ یکایک مرگیا اُس کی قبر پر یہ یادگار بنائی گئی تھی۔

مقبرہ سکندر لودی

مسجد اور تالاب اعتباری خاں کے قریب شمال و مشرقی جانب یہ منہدمہ مگر عالیشان مقبرہ واقع ہے جو سلطان سکندر لودی کا مقبرہ کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق بھی کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں سکندر لودی کا مقبرہ دہلی میں ہے ممکن ہے کہ اُس نے اپنے مقبرہ کے واسطے یہ عمارت بنوائی ہو لیکن یہاں دفن ہونا نصیب نہ ہوا ہو اسکی عمارت دو منزلہ تھی جس کا اکثر حصہ منہدم ہو چکا ہے مگر چبوترہ کے گوشوں کے چاروں سنگین گنبد اور درمیانی سنگین بارہ دری ابتک موجود ہے جس کے چھت پر ۵ گول اور چار مستطیل گنبد واقع ہیں۔ تہ خانہ میں اب کوئی نشان قبر باقی نہیں ہے۔

درگاہ قدم رسولؐ

سکندرہ سے ایک میل کے فاصلہ پر شاہ گنج و سکندرہ کی پختہ سڑک پر نبی کریم (نبی صاحب) مزرعہ موضع لودلہ واقع ہے جس کے گرد خشتی چار دیواری اور درمیان میں یہ درگاہ قدم

رسول بنی ہوئی ہے جسے سنہ ۱۰۴۷ھ ۱۶۳۷ء میں خدمت پرست خاں نے تعمیر کرایا تھا۔ خدمت پرست خاں کا اصلی نام رضا بہادر تھا یہ لڑکپن سے شاہجہاں بادشاہ کی خدمت گاری میں تھا جو رفتہ رفتہ امارت کے درجہ پر پہنچکر تخت نشینی کے بعد خدمت میر تُوزک اور اسکے بعد میر آتشی (مہتمم توپخانہ) سے مفتخر ہوا۔

مسجد

اس درگاہ کے نیچے حجرے اور مغربی ضلع میں مسجد اور باقی اضلاع میں دوہرے دالان بنے ہیں۔ مسجد کی لمبائی ۴۵ فیٹ ۱۰ انچہ اور چوڑائی ۱۹ فیٹ ہے اس میں تین محرابیں اور چھت پر تین گنبد ہیں۔ درمیانی محراب پر یہ کتبہ کندہ ہے۔ ہوالحی الدائم ٥

توفیق رفیق گشت خدمت خاں را | کو یافت زحق سخاوت و احسان را
تاریخ بنائے مسجدش گفت خرد | آباد نمود خانہ یزداں را
۱۰۴۳ھ

مجمر قدم شریف

درمیانی صحن مربع ہے جس کا ہر ضلع ۷۶ ½ فیٹ ہے۔ اس میں ایک حوض اور درمیان میں قدم شریف کا ایک خوشنما مجمّر بنا ہوا ہے جس کا ہر ضلع ۲۰ فیٹ ہے ہر ضلع میں ۵ - ۵ محرابدار سنگین جالیاں نصب ہیں اور اوپر کنگورے اور گلدستے بنے ہیں۔ مجمّر کے وسط میں چبوترہ بنا ہے جس کے اوپر چار ستونوں پر گنبد قائم ہے۔ اس چبوترہ کا ہر ضلع ۹ فیٹ ۱۰ انچہ ہے۔ درمیان میں ایک پتھر میں قدم شریف نصب ہے اس کے نیچے ایک تاریک تہ خانہ ہے جس میں خدمت پرست خاں کی قبر بتائی جاتی ہے لیکن مآثر الامرا سے واضح ہے کہ اس کا مقبرہ نخاس آگرہ کے قریب تھا جس کا اب کوئی پتہ نہیں ہے۔ یہ کل عمارت سنگ سرخ کی ہے اور صحن میں فرش بھی سنگ سرخ کا ہے بارہویں ربیع الاول کو یہاں عرس ہوتا ہے اور ۲۷ بیگھہ آراضی اخراجات درگاہ کے واسطے معاف چلی آتی ہے۔

گنبد دو منزلہ

موضع لودلہ کے قریب دو گنبد واقع ہیں جن کے بانی کا پتہ نہیں چلتا۔ انہی میں یہ

دومنزلہ گنبد بھی ہے جو بھرت پور اور متھرا کی پختہ سڑکوں کے درمیان میں واقع اور باوجود نہایت شکستگی کے خاص شان رکھتا ہے۔ اس کے اطراف میں باغ کی روشوں کے آثار اب تک نمایاں اور قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد کے کھنڈر اور ایک چوپہرا پختہ کنواں موجود ہے۔ اسکی عمارت باہر سے مربع اور اندر سے ہشت پہل ہے چاروں طرف ۳-۳ در کی غلام گردش بنی تھی جس کا صرف شمالی درجہ باقی رہ گیا ہے اس کے اندر زنانہ سنگین تعویذ ہے جس پر تختی بنی ہے۔ دوسری منزل مربع ہے جس میں نقلی تختہ قبر بنی ہے۔ جملہ بیرونی محرابوں اور طاقوں کے اطراف میں چونہ پر سفید حرفوں سے دائروں کے اندر کلمہ طیبہ مرقوم تھے جو اب تک پڑھے جاتے ہیں۔ تمام در و دیواروں پر نفیس رنگ آمیزی کا کام تھا جس کا کچھ حصہ اب تک باقی ہے۔ اس کے اندر کئی دستی کتبے سیاحوں کے لکھے ہوئے موجود ہیں جن میں سب سے پرانی تحریر یہ ہے ؎

نوشتم من بریں دیوار خانہ — کہ باشد از من مسکین نشانہ
اگر پرسند آں مسکیں کجا شد — بگو بگریخت از دست زمانہ

راقم احقر العباد بلدیو سنگھ سوداگر ساکن دار الامان ملتان تاریخ ہیژدہم جماد الثانی ۱۱۲۶ھ ۱۱۳۱ھ سنہ جلوس محمد شاہی

دھاکڑی کا محل

شہر کے قریب بھرت پور کی پختہ سڑک پر موضع گوپال پور واقع ہے جو راجہ گوپال سنگھ بھدوریہ کا آباد کیا ہوا اور عام طور سے بھدوریہ گڑھی کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں سنگ سرخ کا ایک قدیم مقبرہ واقع ہے جو اب دھاکڑی کے محل کے نام سے مشہور ہے۔ یہ طرز تعمیر سے اکبری یا جہانگیری عہد کی عمارت معلوم ہوتی ہے جو ۳ فیٹ بلند مربع چبوترہ پر بنی ہے جس کا ہر ضلع ۴۰ فیٹ ہے چاروں طرف ۵-۵ در کی غلام گردش اور درمیان میں مقبرہ کا حجرہ ہے

جس کا ہر ضلع باہر سے ۲۱ فیٹ ۳ انچہ اور اندر سے ۱۲ فیٹ ہے۔ اس میں نہایت مضبوط اور اعلیٰ درجہ کا سنگ سرخ لگا ہے۔ جس پر فتحپور سیکری کے محل مریم الزمانی کی طرح رنگ بھیر کر گلکاری کی گئی تھی جس کا بہت خفیف حصّہ باقی رہ گیا ہے۔ محرابوں اور طاقوں کے اطراف میں رنگ برنگ کی خوشنما بیلیں پھول پتّے وغیرہ بنے ہیں۔ چاروں طرف چونہ پر خوشخط اشعار مرقوم تھے جو قریب قریب سب مٹ گئے صرف چند الفاظ اور یہہ دو تین مختلف مصرعہ پڑھے جاتے ہیں۔

(زہے خجستہ مکانے کہ در مشاہدہ اش) (درست گشت چو ایں منزل عنایت حق)

(بکام صاحب خود باد عاقبت محمود) (کہ گشت صاحب بنیاد دین بحیرات جود)

زہے عاقبت ایں خانہ بی بی الیشردی

اِس کتبہ سے واضح ہے کہ یہہ مقبرہ بی بی الیشردی کا ہے۔ جو غالباً اکبر یا جہانگیر کی کوئی راجپوت بیگم تھیں چھت کے چاروں گوشوں پر ایک ایک مربع اور وسط میں ۲ فیٹ ۱۰ انچہ بلند چبوترہ پر مثمن برج بنا ہے جس کا قطر ۱۶ فیٹ اور ہر ضلع ۲ فیٹ ۱۳ انچہ ہے۔ اسکے ستون چھ مختلف الوضع پہلوں کے اور توڑے بھی خوبصورت ہیں۔ گنبد کے اندر کی چھت نہایت خوشنما بنی ہے جس پر نہایت نفیس و بے نظیر گلکاری کی ہوئی ہے۔ ۱۶ محرابدار طاقوں کے گرد مختلف رنگوں کی بیلیں بنی ہیں جن کے رنگ اب تک تر و تازہ ہیں۔ نیچے یا اوپر اب کوئی قبر یا تعویذ باقی نہیں۔ سیّاحوں اور سیلانیوں کے ہاتھ کی اکثر تحریریں اس مقبرہ پر موجود ہیں جن میں سب سے پرانی تحریر غرہ رجب سنہ ۱۴ جلوس (عالمگیری) مبارک سنہ ۱۰۸۲ھ کی ہے آس پاس باغ کی روشوں کے کچھ نشانات نمایاں ہیں۔

مقبرہ لاڈلی بیگم و شیخ فیضی و شیخ مبارک

لاڈلی بیگم شیخ مبارک کی بیٹی اور علامی ابوالفضل اور ملک الشعرا فیضی کی بہن تھیں جنکی شادی اعتقاد الدولہ نواب اسلام خاں چشتی فاروقی (شیخ علاءالدین ابن شیخ بدرالدین

ابن شیخ سلیم چشتی فتحپوری) صوبیدار بنگالہ سے ہوئی تھی چونکہ جہانگیر کے زمانہ میں وہ اپنے باپ شیخ مبارک کے مقبرہ کی متولی تھیں اور خود بھی وفات کے بعد وہیں دفن ہوئیں لہذا یہ مقبرہ انہیں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس مقبرہ کو علامی ابو الفضل نے سنہ ۱۰۰۴ھ (1595) میں تعمیر کرایا تھا۔ شیخ مبارک فیضی لاڈلی بیگم اور ان کے خاندان کے سب لوگ باستثنائے شیخ ابو الفضل اسی میں مدفون ہیں۔

مقبرہ کی عالی شان عمارت ایک وسیع باغ کے وسط میں بنی تھی جس کا ہر ضلع ۵ء۳۴ فٹ تھا۔ گوشوں پر چار برج اور صدر دروازہ نہایت شاندار تھا جس کی محراب پر یہ کتبہ کندہ تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و نستعین۔ ھذہ الروضۃ للعالم الربانی والعارف الصمدانی جامع العلوم شیخ مبارک اللہ قدس سرہ و قد بناہا بحر العلوم شیخ ابو الفضل سلمہ اللہ تعالیٰ فی ظل دولۃ الملک العادل یطلبہ المجد والاقبال والکرم جلال الدین والدنیا اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ تعالیٰ ظلال سلطنتہ باہتمام حضرت ابی البرکات فی سنۃ اربع و الف" افسوس کہ ابو الفضل و فیضی اور شیخ مبارک سے فضلا کی یہ قدیم یادگار نہایت کس مپرسی کی حالت میں کھد کھدا کر بالکل نیست و نابود ہو گئی۔ اس کی چہار دیواری اور روضہ کی عمارت غدر سے پیشتر تک موجود تھی اصلی عمارت کا چبوترہ اور ایک عالیشان پختہ باولی بیس برس پیشتر تک موجود تھی جسے راقم الحروف نے بچشم خود دیکھا تھا۔ کئی برس بعد جب دوبارہ گذر ہوا تو ان آثارات کو بھی نہ پایا۔ تمام خشت و پتھر کھود لیا گیا۔ یہ مقام اب تک لاڈلی کے نام سے موسوم اور موضع مٹو کے سوانہ میں متصل باغ للو سیٹھ وسٹرک پختہ مستعملہ واقع ہے۔

باغ چندربھان

منشی چندربھان ذات کا برہمن اور اصل میں لاہور کا رہنے والا تھا حساب کتاب معاملہ فہمی۔ تحریر و تقریر میں کارگذار اہلکار اور شاعری اور انشاء پردازی میں شہرہ آفاق تھا۔ دیوان برہمن و منشآت برہمن کے علاوہ کئی کتابیں تصنیف و تالیف کی تھیں شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں اول سرکار شاہزادہ دارا شکوہ اور اس کے بعد شاہی متصدیوں کے زمرہ میں منسلک

اور خطاب رائے سے مفتخر تھا خط شکستہ میں اسے کمال حاصل تھا۔ سنہ ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۵ء میں بمقام بنارس انتقال کیا آگرہ میں ایک تالاب اور باغ تعمیر کرایا تھا جس میں باغ اب تک موجود اور سکندرہ کے راستہ میں لب سڑک واقع ہے۔ غدر کے ایام میں یہہ باغ ایک انگریز کے قبضہ میں تھا اُس نے محلہ بیلنگنج کے ایک ساہوکار لالہ سورج بھان کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کردیا کہ باقیماندہ قدیم عمارت میں کوئی دست اندازی نہ کیجائے اور وہ بدستور اپنی اصلی حالت پر قائم رکھی جائے چنانچہ وہ عمارت جو سنگ سرخ کا ایک عالیشان و خوشنما منقش دروازہ ہے باغ کے اندر اب تک موجود ہے اس باغ کے موجودہ مالک بانی کے ہمنام یعنی لالہ چندر بھان پسر سورج بھان ہیں۔

مقبرہ نواب اعظم خاں کوکلتاش

نواب اعظم خاں کا اصلی نام مرزا مظفر حسین اور خطاب فدائی خاں اور اعظم خاں تھا یہ عالمگیر بادشاہ کے کوکلتاش یعنی دودھ شریکے بھائی اور شاہجہانی اور عالمگیری عہد کے مشہور امیر تھے۔ لاہور میں انھوں نے نہایت عالی شان حویلی تعمیر کرائی تھی۔ آگرہ میں رفیع الشان باغ اور اپنا مقبرہ بنوایا تھا۔ مشہور ہے کہ یہ مقبرہ بہت خوبصورت اور سنگ مرمر کا تھا اب نہ باغ موجود نہ مقبرہ باقی ہے صرف تہ خانہ اور چبوترہ کے کھنڈر باقی رہ گئے ہیں جو موضع کھتینہ کے سوانہ میں متصل پاگل خانہ واقع ہیں۔

باب نہم

عمارات جانب جنوب محلہ نائی منڈی چھاؤنی وغیرہ

مسجد میراں حسینی و مزار شاہ عارف حسینی

حضرت شیخ عارف حسینیؒ شاہ اسمٰعیل صفوی کے اولاد میں تھے۔ آپ بہت بڑے بزرگ اور عالم کامل تھے اور آپ نے بے انتہا ریاضت اور مجاہدے کئے تھے۔ آپ ہمیشہ جو کی جلی ہوئی سوکھی روٹی اور کڑوی گھاس کھایا کرتے تھے شریعت کے اتباع میں بڑے ثابت قدم اور بادشاہ تک کا کچھ خیال نہ کرتے تھے۔ ہرچند اکبر بادشاہ نے اصرار کیا کہ کچھ نقد روپیہ یا جاگیر قبول کیجئے مگر آپ ہمیشہ یہی جواب دیتے تھے کہ مجھے روپیہ کی کیا ضرورت ہے روپیہ اپنے احدیوں کو دو کہ وہ بہت تباہ و خستہ حال ہیں۔ جب آپ حسب الطلب اکبر کی ملاقات کے واسطے آتے تھے تو بادشاہ ایک زرین پیالہ میں مشک و کافور اور بہت سی خوشبوئیں ڈالکر بطور تحفہ پیش کیا کرتا تھا۔ آپ کے خوارق عجیب و غریب اور نہایت تعجب خیز ہیں مثلاً اشرفیوں کی برابر کاغذ کے گول ٹکڑے کتر کے جلتی ہوئی انگیٹھی میں ڈال دیتے تھے اور اس میں سے اشرفیاں نکالکر سب حاضرین مجلس کو تقسیم کر دیتے تھے۔ درختوں پر سے روپیہ اور اشرفیاں برسا دیتے تھے جاڑوں کے موسم کے میوے گرمیوں میں اور موسم گرما کے میوے جاڑوں میں منگوا دیتے تھے۔ اگر آپ کو کسی حجرہ میں بند کر کے مقفّل کر دیا جاتا تھا تو خود بخود دوسری جگہ ظاہر ہو جاتے تھے آپ ہمیشہ منہ پر نقاب ڈالے رہتے تھے کسی وقت منہ نہ کھولتے تھے ایک مرتبہ شیخ ابوالفضل اور حکیم ابوالفتح شیرازی نے اکبر کے اشارہ سے حاضر خدمت ہو کر کہا کہ اگر آپ اس نقاب کو منہ پر سے ہٹا لیں تو ہم بھی آپ کے

جمالِ مبارک کے دیدار سے مشرف ہوں آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ ہم فقیروں کو زیادہ مت ستاؤ۔ حکیم ابوالفتح کے مزاج میں شوخی اور گستاخی زیادہ تھی اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر آپ کا نقاب اتارنا چاہا اس پر آپ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ معاذ اللہ میں مجذوب اور معیوب نہیں ہوں لو میرا منہ دیکھ لو یہ فرما کر نقاب اتار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ حکیم تو نے میرا منہ تو دیکھ لیا مگر اس کا نتیجہ انشاء اللہ تعالیٰ دو ہفتہ کے اندر دیکھے گا چنانچہ ایسا اتفاق ہوا کہ پورے دو ہفتہ نہ گذرے تھے کہ حکیم ابوالفتح نے بیکایک اسہال کبدی میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔

آپ نے عرب و ایران اور تمام ہندوستان کی کشمیر و تبت تک سیاحت فرمائی اور ہر مقام پر لے انتہا خوارق آپ سے ظاہر ہوئے آخرکار ۹۹۰ھ میں بمقام آگرہ سفرِ آخرت اختیار فرمایا آگرہ میں جس مقام پر آپ کی خانقاہ واقع تھی وہاں اب ایک محلہ آباد ہے جو محلہ میراں حسینی کے نام مشہور اور نائی منڈی کے قریب واقع ہے۔ اس محلہ میں ایک مسجد کے اندر جو مسجد میراں حسینی کے نام سے موسوم ہے آپ کا مزار واقع ہے یہاں سالانہ عرس ہوتا ہے محلہ کی اراضی درگاہ اور مسجد کے اخراجات کے واسطے وقف اور کمیٹی لوکل ایجنسی کے متعلق ہے۔ مزار ایک چبوترہ پر بنا ہے جس پر اب کوئی عمارت نہیں۔ مسجد کی عمارت بھی جدید معلوم ہوتی ہے اور مزارات کے تعویذ بھی جدید بنوائے گئے ہیں۔ مسجد کے اندر اور اس کے قریب اور آبادی میں کئی پرانی قبریں موجود ہیں جن میں ایک مزار جو مسجد کے دروازہ کے قریب ایک چبوترہ پر واقع اور سید پہلوان کے نام سے مشہور ہے بہت قدیم معلوم ہوتا ہے اس پر کتبہ بھی کندہ تھا جو اب پڑھنے میں نہیں آتا۔

دیکھتے دیکھتے متعدد قبرستانوں میں آبادی ہوگئی اور قبریں کھد کھدا گئیں مگر اب بھی بیسیوں قبرستان شہر کے اندر موجود ہیں جن میں اب موجودہ قوانین کے بموجب جدید مُردے دفن نہیں کئے جاسکتے شہر کے اطراف میں دس دس بارہ بارہ کوس تک سڑک کے کنارے اور کھیتوں میں سنگین قبروں کے تعویذ پڑے ہوئے ہیں جن میں اکثر نہایت خوشنما منقش اور سیکڑوں روپیہ کی لاگت سے معلوم ہوتے ہیں۔ شہر کے بڑے بڑے قبرستان جن میں مُردے دفن ہوتے ہیں حسب ذیل ہیں

قبرستان تنج گنجیاں۔ یہ آگرہ کا سب سے بڑا اور قدیم قبرستان ہے جو محلہ نائی منڈی کے قریب واقع ہے اس کا مختصر حال قلمبند کیا جاچکا ہے۔ موجودہ صدر تحصیل۔ پولیس لائن کا بڑا حصہ۔ کوٹھی سول سرجن اور قرب وجوار کی دیگر آبادی کی باقیماندہ قبریں اس کی قدیم وسعت کی یادگار ہیں۔ میری ماموں زاد بہن فیضان فاطمہ المتوفی یکم ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۴ھ اور خالہ صاحبہ (مسماۃ رحیم فاطمہ) اور برخوردار میاں فرید احمد مرحوم المتوفی ۲۶ صفر سنہ ۱۳۴۶ھ اسی قبرستان میں آسودہ ہیں

کتبہ مزار فرید احمد مرحوم

لہ فرید احمد مرحوم کی قبر ایک پختہ چبوترہ پر قبرستان کے شمال ومشرقی گوشہ میں واقع ہے لوح قبر پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

تصیر راحت فرید احمد
۱۳۴۶ھ

تاریخ وفات برخوردار فرید احمد مرحوم ساکن قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کہ در عنفوانِ جوانی داغ بر جگر سعید احمد دادہ سفر آخرت اختیار کرد

یا کہ گویم درد دل دا حسرتا — دل کجا و چارہ سازِ دل کجا
در فراقت نایدم صبرے فرید — زخم دل بکشا دمثل دیدہ وا
اے قرار حزن جانِ مضطرب — دے انیس قلبِ محزون رو نما
تو کجائی جانِ جانم تو کجا — رحم کن بر حال زار مبتلا
آستیں پر زد کشیدی از سعید — فاش گو از دے چہ داری گلہ ہا
اے گل آمد آمد فصل گل — پس دمیدہ نخلہا و سبزہا
رو نما شد لالہ و سرو و سمن — اے گل خنداں تو ہم خنداں برآ
در صفر آخر بعزم آخرت — رحمت بہ لیستی زما گشتی جدا
از سر الطاف واحسان گو سعید — جنت الفردوس کردہ رب عطا
۱۳۴۶ھ

دیگر بائیں پر

اے خاک پاک حرمت مہماں نگاہ دار — ایں نور چشم ماست کہ باتو سپردہ ایم
جوانی ہی میں دنیا سے جو منہ موڑا ہے تو — لحد میں پاؤں پھیلائے ہوئے او سونے والے تو
یہاں غم میں ہیں سب تیری مرگِ نو جوانی پر — ہیں مصروفِ فغاں سب اس وفاتِ ناگہانی پر
وہاں تو ہے لحد میں اور جنت کی ہوائیں ہیں — تن خاکی ہے تیرا اور نورانی فضائیں ہیں
مگر اس عالم ہستی کی بھی تجھ کو خبر کچھ ہے — دلِ نازک پہ پسماندوں کی الفت کا اثر کچھ ہے

(سعید احمد ... [illegible])

قبرستانِ کربلا - یہ قبرستان بھی بہت وسیع ہے - اس کا مختصر حال بھی لکھا جا چکا ہے - یہ شہر سے دو میل کے فاصلہ پر سلطان گنج کے قریب واقع ہے -

قبرستانِ پیر گیلانی - یہ بھی قدیم قبرستان ہے جو آگرہ سٹی ریلوے اسٹیشن اور کربلا کے درمیان میں واقع ہے -

قبرستان شاہ نور الزمانؒ - درگاہ حضرت شاہ ابو العلی رحمۃ اللہ علیہ کے قریب واقع ہے

قبرستانِ درگاہ شاہ ابو العلیؒ - حضرت شاہ ابو العلیؒ کی درگاہ کے احاطہ میں یہ قبرستان ہے

قبرستان مزار قاضی صاحب - دیوانی کی کچہری کے قریب قاضی نور اللہ صاحب شوستری کے مزار کے احاطہ میں شیعہ صاحبان کا وسیع قبرستان ہے - آگرہ کو قاضی صاحب کے مزار کی وجہ سے شیعہ نقطۂ خیال سے ایک خاص مرکزیت اور تقدس حاصل ہے اور اس کی وجہ سے تمام ہندوستان سے شیعہ زائرین آتے رہتے ہیں مگر افسوس ہے کہ آگرہ کے شیعہ بھائیوں نے اس وقت تک اس مرکزیت سے کوئی قابل الذکر قومی مفاد حاصل کرنے کی کوشش نہیں فرمائی - اس قبرستان میں متعدد جدید خوشنما عمارتیں تعمیر ہو گئی ہیں اور تمام اسلامی قبرستانوں سے اس کی حالت اچھی ہے -

قبرستانِ عیدگاہ - عیدگاہ کے قریب یہ قبرستان واقع ہے -

ان قبرستانوں کے علاوہ محلات تاجگنج و شاہ گنج وغیرہ میں بھی چند قبرستان اور ہیں علی العموم جملہ اسلامی قبرستانوں کی حالت نہایت خراب اور کس مپرسی کی ہے جن سے مسلمانوں کا عام افلاس ادبار اور پراگندگی کا اظہار بخوبی ہوتا ہے -

عیسائیوں کے قبرستان

عیسائیوں کا سب سے قدیم قبرستان کچہری دیوانی کے قریب ہے جس کا مختصر حال بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ قلعہ کے امرسنگھ دروازہ کے قریب سڑک سے جنوبی جانب ٹیلوں پر تین جدا گانہ احاطوں کے اندر علی العموم ان عیسائیوں کی قبریں ہیں جو یا یام غدر ۱۸۵۷ء یا اس کے قریب قلعہ میں فوت ہوئے دو ایک قبریں زمانہ مابعد کی بھی ہیں - درمیانی احاطہ کے اندر گوشہ شمال و

قبر جمعیت بیگم شاعرہ

مغرب میں ایک سنگین چھتری کے نیچے ایک مسلمان عورت کی بھی قبر ہے جس نے غالباً عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اس پر انگریزی اور اُردو میں کتبہ کندہ ہے اُردو کا کتبہ حسب ذیل ہے "تاریخ وفات ایلن جینٹ زوجہ میجر ایل۔ بی۔ آرمسٹن ملٹن نمبر ۳۱ گورہ پیادہ ۵ جنوری ۱۸۸۵ء مطابق ۱۰ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ ہجری بعمر ۶۷ سال عرف جمعیت بیگم متخلص جمعیت۔

تیری عظمت ہی شانِ کبریائی تیری ہی شان ہے ہم سب کو بھائی
نہیں مانند تیرے اے خدایا عدم سے ہم کو دنیا میں ہے لایا
زمیں سے عرش تک قائل ہیں تیرے غرض جتنے ہیں وہ مائل ہیں تیرے
ترا ہی جلوہ ہے شجر و حجر میں ترا ہی نور ہے شمس و قمر میں
تری تسبیح پڑھتے ہیں چرند ے تجھی کو یاد کرتے ہیں درندے
خدایا تو ہے باقی سب ہیں فانی ثنا خواں تیرے ہیں ارض آسمانی
جمعیت اُٹھ گئی بس اس جہاں سے پناہ دے حشر میں اپنی اماں سے

صاحب مشاہیر نسواں نے بحوالہ تذکرۃ النسا اُس کو یوروشین نسل کی شاعرہ لکھا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یہ انگریزی۔ فارسی اور اُردو میں کافی قابلیت رکھتی تھی اور ہندی میں ہولیاں اور دادرے بناتی تھی۔ علم موسیقی میں کمال حاصل تھا اُس کے اشعار آگرہ کے گویوں کو بہت مرغوب تھے یہ اشعار اُس کے مشہور ہیں ؎

خدا کے سامنے جانا ندامت مجھ کو بھاری ہے کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

دیگر

روٹھا ہے ہمارا جو وہ دلبر کئی دن سے اس واسطے رہتی ہوں میں مضطر کئی دن سے
مقسوم کی خوبی ہے یہ قسمت کا ہے احسان رہتا ہے خفا مجھ سے جو دلبر کئی دن سے

عیسائیوں کے جدید قبرستان چھاؤنی میں پریڈ کے قریب اور بہری پربت میں واقع ہیں۔

پارسیوں کا قبرستان

پارسیوں کا قبرستان نائی منڈی اور شاہ گنج کے درمیان میں لب سڑک واقع ہے اور اس میں باغیچہ لگا ہوا ہے اس کے احاطہ کے دروازہ پر انگریزی اور گجراتی میں پارسی سیمٹری ۱۸۸۵ء کندہ ہے۔

سوامی جی مہاراج کی سمادھ

رادھا سوامی فرقہ کے بانی سوامی جی مہاراج کی عالی شان سمادھ کی عمارت سوامی باغ دیال باغ میں اور اُن کے دوسرے جانشین رائے بہادر بابو سالک رام صاحب کی سمادھ محلہ راوت پاڑہ میں واقع ہے۔

آگرہ کے پارک اور باغات

شاہی زمانہ میں آگرہ اپنے بے شمار سرسبز و شاداب اور خوشنما باغات کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھا جمنا کے کنارے اور شہر کے اطراف میں کوسوں تک باغات کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ ہر حویلی اور بڑے مکان میں پائیں باغ موجود تھا۔ باغات کے اندر عجیب و غریب دلفریب عمارتیں فرح بخش حوض و جھرنے اور دل کش نہریں اور فوّارے جاری رہتے تھے۔ انواع و اقسام کے میوہ دار درخت اور طرح طرح کے خوشبودار اور رنگ دار پھول دور دراز ممالک سے منگوا کر لگائے گئے تھے بابر۔ اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہاں نے سرد ملکوں کابل اور یورپ کے میوہ جات انگور آنار سیب۔ اناناس وغیرہ کے درخت باغات میں لگوائے اور خربوزوں کی کاشت کرائی جس کے واسطے انھیں ملکوں کے ماہرین فن بلائے گئے تھے۔ ان باغات کی وجہ سے ہر قسم کا تازہ میوہ کثرت سے آگرہ میں دستیاب ہوتا تھا۔

افسوس کہ اب ان سرسبز شاداب باغات کا ذکر کتب تواریخ ہی میں رہ گیا ہے اور سوائے خربوزہ یا معمولی امرود کے کوئی خاص میوہ آگرہ میں پیدا نہیں ہوتا غدر سے پیشتر تک حسب ذیل باغات کے آثار موجود تھے جن کا ذکر منشی سیل چند نے اپنی فارسی تاریخ آگرہ میں اور منشی قمر الدین نے اپنی تاریخ آگرہ (اردو) میں کیا ہے ان میں سے اکثر باغات کے

چاہات شکستہ۔ اور کسی قدر آثار کہیں کہیں اب تک نظر آتے ہیں۔ ہشت بہشت (بابر بادشاہ) چہار باغ (بابر) نور افشاں (نور جہاں بیگم) نور پری (نور جہاں بیگم) نور منزل یا ڈیرہ باغ (جہانگیر) مہتاب باغ (شاہجہاں) جہاں آرا باغ (جہاں آرا بیگم) گلابی باڑی دارا شکوہ۔ باغ خواجہ زکریا باغ آبدار بیگم۔ باغ کابلی بیگم۔ باغ گلبدن بیگم۔ باغ آصف آباد۔ باغیچہ فیروز خاں۔ باغ قاضی باغ محمد یار خاں۔ باغ سرہندی بیگم۔ باغ جگناتھ مہا کب رائے شاہجہانی۔ باغ بھگوتی داس باغ دینا ناتھ محمد شاہی۔ باغ بدر الدوراں بیگم۔ باغ حاکم خاں عالمگیری۔ باغ فتح آبادی محل باغ قراول۔ باغ قاسم خاں۔ باغ زین خاں۔ باغ حکیم مہدی عالمگیری۔ باغ نواب اعظم خاں باغ محب علی خاں۔ باغ نواب آرام بانو بیگم۔ باغ حبش خاں۔ باغ دل آرام بیگم۔ باغ بھوری خانم باغ کام بھون۔ باغ بانو بیگم۔ باغ اکبر آبادی بیگم۔ باغ ملا شیدا۔ باغ گیلانی۔ باغ شکر النساء بیگم باغ خان عالم۔ باغ خواجہ مشعور۔ باغ گرزبرداراں۔ باغ قلعدار خاں۔ باغ کوتوال۔ باغ طوطہ پری باغ مہابت خاں۔ موتی باغ۔ اچانک باغ۔ بلند باغ وغیرہ۔

اب آگرہ میں روضہ ممتاز محل۔ سکندرہ (روضہ اکبر بادشاہ) اعتماد الدولہ۔ رام باغ (نور افشاں) کے باغات کے علاوہ گنڈانل پارک (قلعہ تا روضہ ممتاز محل) ہیوٹ پارک (متصل محلہ زیر اوڑی) بیکر باغ (نائی منڈی) اور کمپنی باغ (چھاونی) چار باغ یا پارک ہیں جو سب انگریزی طرز پر آراستہ اور عام تفریح گاہ ہیں۔

گنڈانل پارک سب سے وسیع ہے اس میں ملکہ وکٹوریہ کا یادگاری بت اور گورنمنٹ ہوس (سرکٹ ہوس) واقع ہے جس میں حکام اعلیٰ بوقت دورہ قیام فرماتے ہیں۔

سرکٹ ہوس

ہیوٹ پارک میں ایک پبلک لائبریری موسومہ جون پبلک لائبریری واقع ہے جس کی خوشنما عمارت آگرہ کے مشہور سوداگر مسٹر جان صاحب کی عالی ہمتی اور علم دوستی کی یادگار ہے اس کا انتظام میونسپل بورڈ آگرہ کے متعلق ہے اس میں عام طور سے انگریزی کی کتابیں ہیں

جون پبلک لائبریری

کمپنی باغ میں میجر جنرل سر جان اڈمس صاحب جی۔ سی۔ بی کا یادگاری سنگین منارہ

بنتا ہوا ہے کمپنی کے زمانہ میں آپ کا تعلق بنگالے کی فوج سے تھا اور آپ نے سرنگا پٹن
بھنڈاری - سونی - انتوری - بیوہ - چاندہ اور ناگپور کی لڑائیوں میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں

آگرہ کے کالج اسکول و مدرسے

آگرہ صوبہ متحدہ کی الحاقی یونیورسٹی موسومہ آگرہ یونیورسٹی کا صدر مقام ہے یہاں آگرہ کالج اور سینٹ جونس کالج دو مکمل کالج اور رادھا سوامی اور راجپوت دو انٹرمیڈیٹ کالج سی - ٹی ٹریننگ کالج - نو ہائی اسکول - گورنمنٹ ہائی اسکول - وکٹوریہ ہائی اسکول - سینٹ جونس ہائی اسکول - راجپوت ہائی اسکول - بپٹسٹ مشن ہائی - مفید عام ہائی اسکول شعیب محمدیہ[۵۱] ہائی اسکول - ڈی - اے - وی ہائی اسکول - وکٹوریہ گرلس ہائی اسکول - نبین مڈل اسکول - برہمن اسکول - سینٹ جونس گرل اسکول - صغیر فاطمہ[۵۲] نسواں اسکول واقع ہیں -

یوروپین بچوں کے واسطے سینٹ پیٹرس کالج جس کا الحاق کیمبرج یونیورسٹی سے ہے اور سینٹ جارج اسکول اور سینٹ انتھونی اسکول اور کئی دیگر چھوٹے چھوٹے اسکول موجود ہیں -

آگرہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے واسطے دو جداگانہ میڈیکل اسکول ہیں جن میں ہاسپٹل اسسٹنٹ کے درجہ تک کی تعلیم کا انتظام ہے -

ایک نارمل اسکول ایک موڈل اسکول اور دیسی زبان کے کئی مڈل اور اپر پرائمری اور پرائمری اسکول لڑکوں اور لڑکیوں کے واسطے جاری ہیں - میونسپل بورڈ کے مکاتب تقریباً ہر محلہ میں موجود ہیں - کوتوالی - رکاب گنج اور لوہا منڈی تین حلقوں میں جبریہ تعلیم کا نفاذ ہو چکا ہے

مدرسہ عالیہ جامع مسجد اور مدرسہ محمدیہ[۵۳] (متصل کلکٹری) خاص اسلامی مدارس ہیں جن میں آخر الذکر کے اندر ۱۰۰ سو کے قریب طالب علم زیر تعلیم ہیں - مدرسہ مجددیہ (دربار شاہ ولایت) اور مدرسہ اسلامیہ اہل حدیث واقع چوراہا نائی منڈی میں دینیات عربی کی بھی تعلیم ہوتی ہے ہندؤں کے بہت سے پاٹ شالے شہر میں ہیں جن میں کنیا پاٹ شالا راوت پاڑہ اور کنیا پاٹ شالا

[۵۱] یہ اسکول راقم الحروف کے زیر اہتمام ۷ ستمبر ۱۹۱۱ء سے مولانا محمد شعیب مرحوم کی یادگار میں جاری کیا گیا ہے [۵۲] ۱۸ دسمبر ۱۹۱۰ء اسکول راقم الحروف کے زیر اہتمام جاری ہے [۵۳] ۲۳ مئی سنہ ۱۹۱۱ء سے [illegible]

گوکل پورہ بہت مشہور ہیں۔

آگرہ کی پبلک لائبریریاں

آگرہ میں حسب ذیل مشہور پبلک لائبریریاں ہیں کوئن میری لائبریری صدر بازار میں تاج روڈ پر ہے دوسری جون پبلک لائبریری متصل محلہ ذیرہ پورہ ہیوٹ پارک میں ہے یہ دونوں لائبریریاں آگرہ کے مشہور و متخیر سوداگر مسٹر جان صاحب کی علمی فیاضی کی بہترین یادگار ہیں ان کی عمارتیں بھی عالی شان ہیں

کتب خانہ محمدیہ۔ شعبیہ محمدیہ ہائی اسکول اور کچہری کلکٹری کے قریب واقع ہے اس کا افتتاح نگارندۂ مرقع اکبرآباد کی زامداد ایک ہزار کتابوں سے ۱۸ جنوری ۱۹۱۶ء کو ہوا تھا اب اس میں ۵۰۰۰ کے قریب اُردو۔ فارسی۔ عربی اور انگریزی کی کتابیں ہیں جن میں ۳۲۳ کتابیں قلمی ہیں اکثر قلمی نسخے نادر و نایاب ہیں۔ اس وقت تک اس کی شان کے مطابق کوئی جداگانہ عمارت تعمیر نہیں ہو سکی۔ اس میں تاریخی کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے زیر انتظام انجمن محمدیہ ہے۔

کتب خانہ حاجی میر ضامن علی صاحب مرحوم۔ یہ کتب خانہ محلہ شاہ گنج میں واقع ہے جو حاجی صاحب مرحوم کے پوتے سید محمد احمد صاحب ابن سید محمد صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر آگرہ کے زیر اہتمام جاری ہے۔ اس میں اس وقت چار ہزار کے قریب کتابیں ہیں جن میں اکثر قلمی کتابیں نہایت نایاب و بیش قیمت ہیں۔ سید محمد احمد صاحب نہایت علم دوست صاحب علم اور خوش اخلاقی میں بزرگان قدیم کا نمونہ ہیں آپ کو رفاہ عام کاموں سے بہت دلچسپی ہے اور اپنی آمدنی اور وقت عزیز کا کافی حصہ غربا کے علاج اور دیگر مشاغل علمی میں صرف فرماتے ہیں اور اس کتب خانہ کو برابر ترقی دے رہے ہیں اس کی ذاتی عمارت ہے جو موجودہ ضروریات کے واسطے کافی ہے مگر آپ اس کی مزید توسیع کی فکر میں ہیں۔ کتب خانہ کے ہال میں متعدد عربی کتبے کندہ ہیں ایک جگہ "عام کتب خانہ ۱۹۲۷ء" اور صدر دروازہ پر یہ کتبہ نہایت خوش خط

کندہ ہے "عزا خانہ ۱۳۳۵ھ وقف فی سبیل اللہ کتب خانہ حاجی میر ضامن علی ۱۹۱۶ء

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ — دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

مسلم لائبریری - یہ اگرچہ ایک مختصر لائبریری ہے مگر اس میں اکثر قلمی نسخے بہت خوش خط اور نایاب ہیں۔ حکیم محمد عبدالستار خاں صاحب اس کے مہتمم ہیں اور فی الحال کشمیری بازار میں کرایہ کے مکان میں ہے۔

جین لائبریری بیلن گنج یہ محلہ بیلن گنج میں واقع ہے۔ افسوس ہے کہ مجھے اس کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا مگر سنا گیا ہے کہ اس میں اچھا ذخیرہ ہے۔

ان پبلک لائبریریوں کے علاوہ کالج اور اسکولوں کی لائبریریوں میں سب سے اچھی لائبریری آگرہ کالج کی ہے اس میں تزکِ بابری کا ایک مصور نسخہ نہایت نایاب و بیش بہا ہے دیال باغ اور سینٹ جونس کالج کی لائبریریاں بھی اچھی ہیں شعیب محمدیہ ہائی اسکول کی لائبریری میں بھی چار ہزار کے قریب کتابیں ہیں۔

آگرہ کے یتیم خانے

آگرہ میں دو یتیم خانے عیسائیوں کے ہیں جن میں ایک رومن کیتھولک گرجا وزیر پورہ میں اور دوسرا اسکندرہ میں آریوں کا یتیم خانہ جمنا پار اعتماد الدولہ میں لبِ دریا واقع ہے۔ مسلمانوں کا نام نہاد یتیم خانہ جو قیصری یتیم خانہ کے نام سے موسوم اور اونچی دوکان پھیکا پکوان کا مصداق ہے نائی منڈی میں واقع ہے اور محض اپنی مستقل کرایہ کی آمدنی کی بدولت اُلٹا سیدھا چل رہا ہے مسلمانانِ آگرہ اس کی طرف نہ توجہ کرتے ہیں نہ امداد کرتے ہیں۔ عیسائیوں اور آریوں کے عالی شان یتیم خانوں کے مقابلے میں اس کو یتیم خانہ کہتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔ ثمرا مولوی ابو الفرح عبدالحمید مرحوم بانی یتیم خانہ کی

مغفرت فرمائے جن کی تعمیر کردہ جائداد کی بدولت اس کا وجود اب تک باقی ہے۔

آگرہ کے ہوٹل سرائیں اور دھرم شالے

آگرہ میں سیسل ہوٹل (مال روڈ چھاؤنی) لاریز ہوٹل (پرتاب پورہ) ہوٹل مٹروپول (متصل کچہری کلکٹری) تین اول درجہ کے ہوٹل ہیں جن میں دو اول الذکر کے مالک یوروپین ہیں اور آخرالذکر کے مالک مسلمان ہیں۔ مسلمان رؤسا کے واسطے آخرالذکر ہوٹل موزوں اور آرام دہ ہے۔

ان کے علاوہ صدر میں تاج ہوٹل۔ آگرہ ہوٹل۔ امپیریس ہوٹل ٹوازمٹ ہوٹل دریں امپیریل ہوٹل کے مالک بھی مسلمان ہیں۔

متوسط طبقہ کے مسلمان شرفا کے قیام کے واسطے سلطان ہوٹل زیادہ موزوں اور بازار سیب میں واقع ہے۔

آگرہ فورٹ ریلوے اسٹیشن کے قرب وجوار میں چند معمولی سرائیں اور راوت پاڑہ پر چند کمرے بھی مسافروں کے قیام کے واسطے موجود ہیں۔

ہندو مسافروں کے قیام کے واسطے شہر میں بہت سے دھرم شالے موجود ہیں جن میں مارواڑی دھرم شالا (دیسی متصل آگرہ فورٹ ریلوے اسٹیشن) دھرم شالہ چھینترمل نرائنداس محلہ بیلنگنج۔ دھرم شالہ اُتم چند بیتی رام (متصل راجہ منڈی ریلوے اسٹیشن) دھرم شالا لوصیان (لوہا منڈی) جیتی دھرم شالہ موتی کٹرہ اور تین دھرم شالے متصل آگرہ سٹی ریلوے اسٹیشن زیادہ مشہور ہیں۔

بنگالی لاج اور بنگالی ہوٹل چھیپی ٹولہ میں متصل پولیس اسٹیشن رکاب گنج اور آر۔ این رستم فرمان پارسی دھرم شالا پرتاپ پورہ میں اجمیر روڈ پر واقع ہے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں کا کوئی مسافر خانہ شہر میں موجود نہیں نگار زندہ مرقع اکبرآباد نے کئی سال ہوئے کہ اس کے متعلق ایک اپیل انجمن محمدیہ آگرہ کے سالانہ رپورٹ کے ساتھ

شائع کی تھی مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

آگرہ کے ریلوے اسٹیشن

آگرہ کا سب سے قدیم پُررونق اور خوشنما ریلوے اسٹیشن آگرہ فورٹ ہے جو شہر کے اندر واقع اور بہت آرام دہ ہے یہاں ای۔ آئی۔ آر اور بی۔ بی۔ سی۔ آر کی چھوٹی بڑی لائن کی گاڑیوں کی آمد و رفت ہے۔ دوسرا اسٹیشن آگرہ سٹی ہے جہاں ای۔ آئی۔ آر کی اکثر گاڑیاں آتی جاتی ہیں یہ محلہ بیلن گنج اور رائی تھان کے قریب ہے تیسرا اسٹیشن آگرہ کینٹ ہے جو جی۔ آئی۔ پی ریلوے کے متعلق اور جی۔ آئی۔ پی اور ای۔ آئی۔ آر کا مقام اتصال ہے چوتھا اسٹیشن عیدگاہ کے نام سے موسوم اور آگرہ فورٹ اور آگرہ کینٹ کے درمیان میں ہے پانچواں اسٹیشن راجہ منڈی ہے جو آگرہ سٹی اور آگرہ کینٹ کے درمیان میں ہے یہ محلات راجہ منڈی۔ لوہا منڈی کے قریب ہے۔ چھٹا اسٹیشن بلوچپورہ کے نام سے موسوم اور پاگل خانہ کے قریب راجہ منڈی اور سکندرہ کے اسٹیشنوں کے درمیاں میں ہے ساتواں اسٹیشن جمنا پار جمنا برج کے نام سے موسوم اور ٹونڈلہ کے راستہ میں ہے۔

آگرہ کے بازار

آگرہ میں کثرت سے بازار ہیں سب سے بڑا اور آباد بازار جامع مسجد سے پھلٹی تک ہے جو زیر جامع مسجد۔ تکونیہ بازار۔ جوہری بازار۔ بازار نیچہ بنداں۔ کسیرٹ بازار۔ کناری بازار سیب کا بازار۔ کشمیری بازار۔ پھلٹی بازار کا مجموعہ ہے یہاں ہر قسم کے کپڑے۔ جوتے دریاں۔ برتن۔ گوٹا پٹھا۔ مٹھائی زیورات اور دیگر ولایتی چیزوں کی دوکانیں ہیں۔ راوت پاڑہ میں پنسر ہٹہ کی دوکانیں ہیں اور لوہے کی اشیاء کی دوکانیں زیادہ تر لوہا منڈی اور بیلن گنج میں ہیں۔ غلہ کی سب سے بڑی منڈی نمک گنج اور فلدپ گنج اور بیلن گنج

ہیں ہے۔ برف کے کارخانے۔ ساہوکارہ اور ملوں کا صدر مقام بیلن گنج ہے۔ چھاؤنی کاٹڑا بازار صدر بازار کے نام سے موسوم ہے تاجگنج۔ نائی منڈی۔ لوہا منڈی۔ شاہ گنج وغیرہ میں جداگانہ معمولی بازار ہیں۔

مسلم شو مارکٹ

۱۹۳۰ء میں انجمن تاجران جفت آگرہ نے محلہ ہینگ منڈی میں ڈیلشوڈ روڈ پر ایک عالی شان مسلم شو مارکٹ تعمیر کرایا ہے جو نہ صرف آگرہ بلکہ غالباً ہندوستان کی اسلامی تجارتی دنیا میں متحدہ کوشش کا نقش اول اور انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ہر قسم کی تجارتی ترقی کی بسم اللہ ثابت ہوگا یہ کسی شخص واحد کی ملکیت نہیں بلکہ انجمن مذکور کی ملکیت سمجھنا چاہیئے انجمن کے ممبران نے ایک مقررہ رقم بالاقساط ادا کر دی اس رقم سے عمارت تعمیر ہونا شروع ہوئی۔ اس کے بعد ہر دوکان کا خود ممبران کے درمیان میں نیلام ہو کر بقیہ رقم فراہم کی گئی اب ہر ممبر مشتری نیلام اپنی اپنی دوکان پر بلا کسی کرایہ کے قابض ہے۔ اس طرح ایک نہایت معمولی رقم ادا کر کے ہر ممبر کو جو اس سے پیشتر بیش قرار ماہوار کرایہ ادا کرتا تھا کرایہ سے سبکدوشی حاصل ہو گئی۔ یہ سب کارروائی اور تجاویز و تعمیر انجمن کے سرگرم اور قابل قدر سکرٹری منشی خادم علی خاں صاحب میونسپل کمشنر کی غیر معمولی ذہانت و قابلیت کا نتیجہ ہے جو یقیناً ان کے نام نامی کو تا قیامت نیکنامی کے ساتھ روشن رکھیگا۔ اس مارکٹ میں تقریباً دو سو دوکانیں اور دو شاندار صدر دروازہ ہیں۔ ایک عالی شان دو منزلہ مسجد زیر تعمیر ہے جس کا حصہ زیرین سنگ سرخ کا اور دوسری منزل خالص سنگ مرمر کی ہے اور غالباً تیسری منزل پر مدرسہ تعمیر ہوگا۔ ایک گھنٹہ گھر بھی زیر تعمیر ہے ڈاک خانہ اور بنک وغیرہ کی عمارتیں بھی زیر تجویز ہیں۔

آگرہ کی صنعتیں اور سوغاتیں

شاہی عہد میں آگرہ میں کثرت سے عمدہ ریشمی۔ سوتی کپڑا بنا جاتا تھا۔ ۲۰-۲۵ برس پیشتر تک نہ صرف شمالی ہند بلکہ دور دراز تک آگرہ کی ریشمی اور سوتی سوسیاں اور دریائی جایا کرتی

تھیں۔ تمام شرفا اور اعلیٰ خاندانوں میں اسی کا رواج تھا۔ دیکھتے دیکھتے اس صنعت کا خاتمہ ہو گیا جو کاریگر مرتا گیا اس کا کوئی جانشین پیدا نہ ہوا اب بمشکل دو چار کاریگر اس صنعت کی یادگار باقی رہ گئے ہیں جو چراغِ سحری کے مصداق ہیں۔ غربا کے واسطے یا دلہ کی ڈوق البھڑک مگر کم قیمت دوپٹہ اور اوڑھنیاں عام تھیں ان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

دری اور قالینوں کی صنعت اس وقت تک موجود ہے۔ کاریگر علی العموم مسلمان اور نجار ہندو ہیں اعلیٰ۔ ادنیٰ ہر قسم کی دریاں جانمازیں تیار ہوتی اور غیر ممالک تک جاتی ہیں۔

گوٹا۔ پٹھا۔ کندلہ کشی۔ زردوزی کی صنعتیں موجود مگر تنزل پذیر ہیں۔ اس وقت سب سے بڑی صنعت جوتوں کی ہے۔ شہر میں سیکڑوں جوتوں کی فیکٹریاں جاری ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ انگریزی جوتہ آگرہ میں تیار ہوتا ہے۔ انگریزی جوتے کے ہندوستان میں آگرہ سب سے بڑی منڈی ہے مگر جاپان نے اس کا مقابلہ شروع کر دیا ہے اور اس کے سستے جوتوں کے مقابلہ میں اس صنعت کے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

آگرہ کی سنگ تراشی اور پچیکاری شہرۂ آفاق ہے اور اب بھی اس کے اعلیٰ کاریگر موجود ہیں۔ لکڑی کے سنگاردان چینی کی ہانڈیاں۔ مٹی کی صراحیاں اور ٹوپیاں بھی اچھی بنتی ہیں۔ دریاں۔ دریائی۔ دال موٹھ۔ پیٹھے کی مٹھائی قدیم زمانہ سے چار سوغاتیں آگرہ کی مشہور چلی آتی ہیں مگر دریائی تو اب دریا بُرد ہو گئی۔ اس کی جگہ جوتوں کی گرم بازاری ہے۔

آگرہ کے محلات جھلیاں محلے اور مردم شماری

مردم شماری کے لحاظ سے صوبہ متحدہ میں لکھنؤ۔ بنارس اور کانپور کے بعد آگرہ کا چوتھا نمبر ہے۔ شہر کی موجودہ آبادی کوتوالی۔ چھتہ۔ تاج گنج۔ رکاب گنج۔ ہری پربت۔ لوہامنڈی چھ میونسپل حلقوں اور ایک چھاؤنی کل سات حلقوں پر منقسم ہے جس کا کل رقبہ ۱۳۸۵۸ ایکڑ مربع ہے۔ غدر سے قبل شہر میں کل ۳۰۸ چھوٹے بڑے محلے تھے لیکن اب ۲۵۲ ہیں ان میں

محلات ذیل مغلیہ عہد کے اُمرا کے نام سے موسوم ہیں۔

مدرسہ شاہی (مغلیہ عہد میں شاہی مدرسہ تھا جو عہد اکبری میں جاری ہوا تھا)۔ پرتاب پورہ (راجہ پرتاب سنگھ پسر راجہ مان سنگھ کا آباد کردہ) ججے سنگھ پورہ (آباد کردہ مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہا) زین خاں (زین خاں کوکہ) سلطان گنج و سلطان پورہ (آباد کردہ سلطان پرویز پسر جہانگیر) شاہ گنج (شاہجہاں بادشاہ) حویلی بہادر خاں (بہادر خاں روہیلہ شاہجہانی) کٹرہ وزیر خاں (نواب وزیر خاں عہد شاہجہانی) کالا محل (راجہ گج سنگھ راٹھور عہد شاہجہانی) باغ مظفر خاں (نواب مظفر خاں عہد اکبری) چینی خانہ جو اصل میں ستی خانہ تھا (ستی النساء خانم سہیلی ممتاز محل کا آباد کردہ) کٹرہ خان خاں (نواب عبدالرحیم خاں خانخاناں) منڈی سعید خاں (نواب سعید خاں چغتا عہد اکبری) شہزادی منڈی (شاہزادی جہاں آرا بیگم) ٹیلہ اجمیری خاں (اجمیری خاں عہد اکبری) حمام الہ وردی خاں (الہ وردی خاں) حویلی خوجہ اصل میں حویلی خواجہ تھی (خواجہ غلام محی الدین) حویلی کبیر خاں (نواب کبیر خاں عالمگیری) قندھاری (قندھاری بیگم زوجہ شاہجہاں) قتلو پورہ (قتلق قدم خاں اختہ بیگی اکبری)

شاہی زمانہ میں آگرہ میں اُمرائے شاہی کی سیکڑوں عالی شان حویلیاں موجود تھیں مگر افسوس کہ اب کوئی حویلی اصلی حالت پر قائم نہیں دو تین حویلیوں کے صرف نشانات اور آثار باقی رہ گئے ہیں غدر سے پہلے حسب ذیل حویلیوں کی کچھ نہ کچھ آثار اور عمارت باقی تھی جن کا ذکر منشی سیل چند نے اپنی تاریخ آگرہ میں کیا ہے۔ حویلی آصف خاں۔ حویلی عارف خاں حویلی منجھی بیگم۔ حویلی قاسم خاں۔ حویلی شجاعت خاں۔ حویلی خواجہ مبارک۔ حویلی جمال خاں قرول حویلی کبیر خاں عالمگیری۔ حویلی سید خان جہاں بارہ۔ نو محلہ امر سنگھ۔ حویلی باقی خاں۔ حویلی لشکر خاں (کچہری کلکٹری) حویلی مخلص خاں۔ مینا محل (پولیس اسٹیشن رکاب گنج معہ ملحقات) حویلی خاں دوراں خاں۔ حویلی دیوان جی (راجہ ٹوڈرمل لب دریائے جمن) حویلی مہابت خاں۔ حویلی ہمت خاں حویلی اسلام خاں۔ دی نگلہ ال پارک) حویلی امیر خاں۔ حویلی بہادر خاں روہیلہ۔ حویلی راجہ بیر بر حویلی

مرزا ایزد بخش رسا - حویلی دارا شکوہ - حویلی سلیمان شکوہ - حویلی مبارک منزل (بیلن گنج) حویلی شایستہ خاں - حویلی بہمن یار خاں - حویلی جعفر خاں - حویلی مقیم خاں - حویلی خلیل اللہ خاں حویلی موسوی خاں صدر - حویلی شاہ نواز خاں - حویلی خیر النساء بیگم - حویلی خواجہ جہاں ولد خواجہ عبد الہادی - حویلی سید جلال بخاری - حویلی راجہ مان سنگھ -

مردم شماری

آگرہ کی سب سے پہلی مردم شماری ۱۸۴۹ء میں ہوئی تھی اُس وقت ۱۲۶۷۰۳۰۸ (اسعد الاخبار آگرہ مورخہ ۶ر اگست ۱۸۴۹ء) کی آبادی تھی اس کے بعد ۱۸۵۳ء میں مردم شمار ہوئی اُسوقت ۱۲۵۲۶۲ ۱۸۶۵ء میں ۱۴۲۶۶۱ ، ۱۸۸۱ء میں ۱۶۰۲۰۳ ، ۱۸۹۱ء میں ۱۶۸۶۲۲ ، ۱۹۰۱ء میں ۱۸۸۰۲۲ ، ۱۹۱۱ء میں ۱۸۵۴۴۹ اور ۱۹۲۱ء کی آخری مردم شماری میں ۱۸۵۵۳۲ نفوس کی آبادی تھی ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ۵۷۷۰۲ ، ۱۹۱۱ء میں ۵۹۱۵۹ اور ۱۹۲۱ء میں ۵۶۳۹۲ مسلمانوں کی آبادی تھی ۲۶ر فروری ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے جو عارضی مجموعی اعداد شائع ہوئے ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے -

حدود میونسپل بورڈ آگرہ ۱۳۱۲۹۲ مرد ۹۶۱۶۸ عورتیں جملہ ۲۰۵۴۶۴ حدود چھاؤنی ۱۴۵۵۴ مرد اور ۱۰۱۷۲ عورتیں جملہ ۲۴۷۲۶ - میزان کل آبادی شہر و چھاؤنی ۲۳۰۱۹۰ - مذہب وار اعداد ہنوز شائع نہیں ہوئے -

باب یازدہم

آگرہ کا ضلع اور اُس کے تاریخی مقامات

اس ضلع کا حدود اربعہ باب اول میں بیان ہو چکا ہے۔ قرب وجوار میں ریاستوں کے واقع ہونے کی وجہ سے اس ضلع کا نقشہ نہایت غیر متعین ہے۔ دریاؤں کی وجہ سے اس ضلع کے کئے حصے ہو گئے ہیں۔ دریائے جمنا ضلع آگرہ کا سب سے بڑا دریا ہے جو اس ضلع میں ۱۴۵ میل بہتا ہے ضلع آگرہ کی چھوٹی چھوٹی ندیاں جھرنا۔ سرسا۔ سینگر۔ بان گنگا یا اُٹنگن ندی۔ پارتی ندی۔ کھاری ندی سب اسی جمنا میں مل جاتی ہیں جمنا کے علاوہ دریائے چمبل بھی اس ضلع میں بہتا ہے جو ضلع اٹاوہ میں جاکر جمنا سے مل گیا ہے۔ ضلع بھر میں کوئی بڑی جھیل نہیں ہے البتہ تحصیل کھیراگڈھ۔ فتح آباد۔ باہ اور کراولی میں چند چھوٹی چھوٹی جھیلیں موجود ہیں۔

دریا

اس ضلع کے پرگنات آگرہ۔ فتح آباد۔ کراولی اور کھیراگڈھ میں جمنا کی نہر موسومہ آگرہ کینال لوئر ڈویژن اور اس کی شاخیں جاری ہیں۔ پرگنات اعتماد پور اور فیروز آباد میں دریائے گنگا کی نہریں موجود ہیں۔ ضلع بھر میں صرف ایک پرگنہ باہ ایسا ہے جس میں کوئی نہر موجود نہیں ہے ان نہروں کی وجہ سے یہ ضلع خوب سرسبز و شاداب ہو گیا ہے۔

نہریں

دریاؤں کی وجہ سے یہ ضلع چار قدرتی حصوں میں منقسم ہے۔ اول دوآبہ یعنی گنگا اور جمنا کا درمیانی ملک جس میں دو تحصیلیں اعتماد پور اور فیروز آباد واقع ہیں دوسرا وسطی میدان یہ حصہ جمنا اور بان گنگا کے درمیان میں واقع ہے اس میں صدر تحصیل آگرہ تحصیل کراولی تحصیل فتح آباد اور تحصیل کھیراگڈھ کا بڑا حصہ ہے۔ تیسرا بھدا ور یہ حصہ جمنا

قدرتی حصے

بان گنگا اور چمبل کے درمیان میں ہے اور اس میں تحصیل باہ واقع ہے چوتھا حصہ کھیراگڈھ کا وہ ٹکڑا ہے جو بان گنگا کے جنوب و مغرب اور ریاست ہائے بھرت پور اور دھول پور کے درمیان میں واقع ہے

ریلوے

ضلع آگرہ میں ایسٹ انڈین ریلوے (ای۔آئی۔آر) گریٹ انڈین پننسلا ریلوے (جی۔آئی۔پی) بمبئی بروڈہ سنٹرل انڈیا ریلوے (بی۔بی اینڈ سی۔آئی۔آر) (بڑی اور چھوٹی لائن) تین ریلوے لائنیں جاری ہیں۔

اس ضلع میں کچی سڑکوں کے علاوہ حسب ذیل پختہ سڑکیں ہیں اول آگرہ سے اعتماد پور اور فیروز آباد ہوتی ہوئی ضلع مین پوری کان پور کو گئی ہے۔ دوسری آگرہ سے کھندولی سعدآباد ہوتی ہوئی علی گڈھ چلی گئی ہے تیسری آگرہ سے سکندرہ رنکتہ ہوتی ہوئی متھرا کو چلی گئی ہے۔ چوتھی آگرہ سے اچھنیرہ ہوتی ہوئی بھرت پور کو گئی ہے۔ پانچویں آگرہ سے مڈھاکر کرادلی ہوتی ہوئی فتحپور سیکری گئی ہے چھٹی آگرہ سے گلوبہ ہوکر دھولپور گئی ہے۔ ساتویں آگرہ سے فتح آباد باہ ہوتی ہوئی اٹاوہ کو چلی گئی ہے۔

پہاڑ اور کانیں

ضلع آگرہ میں پہاڑ بہت کم ہیں صرف کرادلی اور کھیراگڈھ کی تحصیلوں میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں جن میں پتھر کی کانیں ہیں ان سب سے مشہور تانت پور اور پہاڑ پور کی کانیں ہیں جو تحصیل کھیراگڈھ میں واقع ہیں ان کانوں سے اعلیٰ درجہ کا سنگ سرخ نکلتا ہے تحصیل کرادلی کے چند مواضعات اور فتحپور سیکری میں بھی پتھر نکالا جاتا ہے جو زیادہ تر چکی بنانے کے کام میں آتا ہے۔

تحصیلیں اور قصبات

ضلع آگرہ میں صدر تحصیل آگرہ۔ اعتماد پور۔ فیروز آباد۔ باہ۔ فتح آباد۔ کھیراگڈھ اور کرادلی سات تحصیلیں واقع ہیں۔ قصبات اس ضلع میں بہت کم ہیں صرف فیروز آباد ایک بڑا قصبہ جس میں میونسپلٹی اور فتحپور سیکری میں نوٹیفائڈ ایریا (رقبہ مشتہرہ) جاری ہے۔ ان کے علاوہ فتح آباد۔ باہ۔ پناہٹ۔ اچھنیرہ۔ جگنیر۔ ٹونڈلہ اور اعتماد پور اور شمس آباد میں ٹون ایریا ہے

اس ضلع کی مردم شماری سب سے پہلے ۱۸۳۱ء ہوئی تھی اس کے بعد ۱۸۴۲ء میں دوسری مرتبہ مردم شماری ہوئی۔ جب سے اب تک کی مردم شماری کی تعداد حسب ذیل ہے

نام سنہ	مردم شماری	مسلمان	دیگر
سنہ ۱۸۴۲ء	۶۱۴۳۹۳		
سنہ ۱۸۵۳ء	۱۰۰۱۹۶۱		
سنہ ۱۸۷۲ء	۱۰۷۶۰۰۵		
سنہ ۱۸۸۱ء	۹۷۴۶۵۶	۹۹۵۰۹	۸۷۴۸۴۷
سنہ ۱۹۰۱ء	۱۰۶۰۵۴۶	۱۱۳۴۸۳	۹۴۷۰۶۳
سنہ ۱۹۱۱ء	۱۰۲۱۵۴۷	۱۱۴۵۴۹	۹۰۶۹۹۸
سنہ ۱۹۲۱ء	۹۲۳۱۵۵	۱۱۰۱۴۱	۸۱۳۰۱۴

اس مردم شماری میں ۷۰۶ فی ہزار زراعت پیشہ - ۱۸۱ فی ہزار دستکار - ۸۱ فی ہزار تجارت پیشہ اور ۱۴ فی ہزار دیگر پیشہ کے لوگ ہیں۔ زراعت پیشہ لوگوں میں مسلمان کاشتکار صرف تین فیصدی ہیں۔

۲۲ فروری سنہ ۱۹۳۱ء کے کل ضلع کی مردم شماری کے عارضی شائع شدہ اعداد ۱۲۳۴ دا ہیں۔ ضلع کے خاص خاص مقامات کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

قصبہ فتحپور سیکری

باعتبار آثار قدیمہ اس قصبہ کو جو تحصیل کراولی میں آگرہ سے ۲۳ میل اور ریلوے اسٹیشن بھنیرہ سے ۱۱ میل کے فاصلہ پر واقع ہے نہ صرف اس تمام ضلع بلکہ کل شمالی ہند کے قصبات پر خاص فوقیت حاصل ہے کیونکہ کسی جگہ اتنا بڑا مجموعہ ایسی نفیس و عالیشان عمارات اور محلات کا موجود نہیں ہے جیسا فتحپور میں ہے۔ اس کے قریب جو موضع سیکری آباد ہے

یہ عہد سلف میں سرکار بیانہ کے متعلق ایک مشہور قصبہ تھا۔ اسی قصبہ کے قریب موضع خانواں (ریاست بھرت پور) میں ۱۳ جمادی الثانی سنہ ۹۳۳ھ (۱۵۲۷ء) کو سلطان بابر نے رانا سانگا کو شکست دی تھی۔ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) کو اسی مقام پر حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے مکان پر شاہزادہ سلیم (جہانگیر) پیدا ہوا اور اکبر اعظم کے حکم سے شیخ موصوف کی خانقاہ اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ء) کو اکبر اعظم نے شاہزادہ مذکور کی پیدائش کی یادگار میں فتحپور کی بنیاد رکھی تھی اور فتح آباد اس کا نام رکھا گیا تھا دارالخلافت مقرر فرمایا اور کاغذات شاہی میں دارالخلافت۔ دارالسرور۔ دارالنور۔ دارالاقبال وغیرہ کے خطاب کے ساتھ اس کا نام لکھا جانے لگا۔ چونکہ عوام میں اس کا نام فتحپور مشہور ہو گیا لہذا بادشاہ نے بھی فتح گجرات کے بعد اسی نام کو منظور فرما لیا۔ تھوڑی ہی مدت میں یہ جدید شہر ایسا آباد ہوا کہ تمام شہروں کا سرتاج ہو گیا۔ اگرچہ اخیر زمانہ میں اکبر نے اکبرآباد میں زیادہ رہنا شروع کر دیا تھا لیکن سنہ ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱ء) تک فتحپور میں بھی قیام رہا۔ اس کے بعد اس کی آبادی کا تنزل شروع ہوا۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں یہاں کی مردم شماری ۷۱۵۳ تھی جس میں ۱۹۰۸ مسلمان تھے فروری سنہ ۱۹۳۱ء کے شائع شدہ اعداد کے مطابق موجودہ آبادی ۷۰۰۸ ہے۔

سنہ ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) میں راقم الحروف نے اس قصبہ اور دیگر مقامات ملحقہ کی عمارات وغیرہ کی مفصل تاریخ قلمبند کر کے شائع کی تھی جو آثار اکبری یا تاریخ فتحپور سیکری کے نام سے موسوم اور ۲۸۴ صفحہ کی کتاب ہے اس کے بعد اس کا خلاصہ رہنمائے فتحپور سیکری کے نام سے بھی شائع کیا گیا۔ اس جگہ صرف مشہور عمارات کے نام لکھے جاتے ہیں۔

درگاہ شریف حضرت شیخ سلیم چشتیؒ۔ مسجد۔ بلند دروازہ۔ مسجد قدیم۔ دولت خانہ خاص۔ حمام شاہی۔ آنکھ مچولی۔ دیوان خاص۔ دیوان عام۔ دفتر خانہ۔ محل مریم الزمانی یا سنہرا مکان۔ شفاخانہ۔ نگینہ مسجد۔ محل جودھبائی۔ محل بیربل۔ مکان ترکی سلطانہ۔ سنگین تال۔ نقار خانہ۔ مثمن برج۔ ہتھیا پول۔ ہرن مینار۔ کارخانہ آبرسانی۔ حکیموں کے محل

(حمام) بارہ دری ٹوڈرمل - رنگ محل وغیرہ - فتحپور میں پولیس اسٹیشن کے علاوہ ایک شفاخانہ اور ورنکیولر مڈل اسکول بھی ہے - آگرہ سے ہر وقت لاریاں آتی جاتی رہتی ہیں اور صبح و شام دو مرتبہ ریل کی بھی آمد و رفت ہے - آگرہ کے ہر سیاح کو فتحپور سیکری کی سیر کرنا ضروری ہے -

قصبہ فیروز آباد

فیروز آباد ضلع آگرہ کا سب سے بڑا اور سرسبز تجارتی قصبہ ہے جس کو شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں فیروز خاں خواجہ سرا نے جس کا حال مقبرہ و تالاب فیروز خاں کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے آباد کیا تھا - یہ آگرہ مین پوری کی پختہ سڑک پر آگرہ سے ۲۶ میل کے فاصلہ پر واقع اور تحصیل فیروز آباد کا صدر مقام ہے - اس کی آبادی اور رونق روز افزوں ترقی پر ہے ۱۸۴۷ء میں صرف ۱۱۹۲۲ کی آبادی تھی جو ترقی کرتے کرتے ۱۹۲۱ء میں ۲۰۱۰۲ ہو گئی اس میں ۸۲۰۵ مسلمان تھے - فروری ۱۹۳۱ء کے عارضی شائع شدہ اعداد کے بموجب موجودہ مردم شماری ۲۳۳۱۹ ہے -

قصبہ میں ریلوے اسٹیشن - پولیس اسٹیشن - شفاخانہ تحصیل اسکول - راجہ چندر ہائی اسکول اور کئی کلیں اور کارخانے بنا دی ہیں - یہاں کے شیشے اور کانچ کی چوڑیاں مشہور اور دور دور تک جاتی ہیں - ۵ روپے ایک من بلکہ جس قیمت کا چاہو پنکھا تیار ہو سکتا ہے جامع مسجد مع چاہ پختہ بانی قصبہ کی یادگار ہے جس کی مرمت انگریزی عہد میں غازی الدین خاں مرحوم رئیس فیروز آباد نے کرائی تھی - آبادی کے قریب موضع ولوچی کے سوانہ میں تمنت نال صوبہ دار کا مقبرہ واقع ہے موضع علی نگر کینجہرہ میں راجہ ٹوڈرمل کی بنائی ہوئی سرائے اور تالاب اور چاہ پختہ تھا جن میں اب چاہ پختہ اور تالاب کے آثار باقی ہیں -

قصبہ فتح آباد

قصبہ فتح آباد آگرہ و اٹاوہ کی سڑک پر آگرہ سے ۲۱ میل کے فاصلہ پر واقع اور تحصیل فتح آباد کا صدر مقام ہے جس میں تحصیل اسکول شفا خانہ اور پولیس اسٹیشن بھی موجود ہے ۷ رمضان ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء) کو اس مقام پر جہاں اب قصبہ آباد ہے اورنگ زیب کی فوج کا پڑاؤ تھا اسی تاریخ کی جنگ سموگر کی فتح کی یادگار ہیں اورنگ زیب نے دوسرے سال اس قصبہ کو آباد کرا کر ظفر نگر اس کا نام رکھا جو آخرکار فتح آباد مشہور ہو گیا۔ اس کی مردم شماری ۱۸۸۱ء میں ۱۴۴۴ ہے ۱۸۹۱ء میں ۵۷۰۴ تھی اب صرف ۳۸۵۷ کی آبادی ہے جس میں ۹۰۷ مسلمان ہیں۔ یہاں شاہ اورنگ زیب کی بنائی ہوئی ایک عالیشان مسجد اور ایک سنگین و پختہ تالاب اور باغ اور ایک عالی شان سرائے موجود ہے۔ سرائے میں اب تحصیل ہے۔ باغ کا طول عرض ۳۵۴ گز اور رقبہ ۵ بیگھ ۵ بسوہ یا ۲۸ ایکڑ ۲ روڈ ۴ پول ہے۔ اس کے اندر ایک سنگین بارہ دری بنی ہوئی تھی اور دروازہ بھی عالیشان تھا۔ تالاب کا طول ۱۴۲ گز اور عرض ۱۲۵ گز تھا اس میں پختہ چار دیواری اور سنگین گھاٹ تھے یہ باغ مسجد کے اخراجات کے واسطے اب تک معاف چلا آتا ہے۔ اور تالاب کھد گیا۔

قصبہ اعتماد پور

قصبہ اعتماد پور آگرہ مین پوری کی پختہ سڑک پر آگرہ سے ۱۳ میل کے فاصلہ پر واقع اور تحصیل اعتماد پور کا صدر مقام ہے۔ اس قصبہ کو شہنشاہ اکبر کے عہد میں پھول ملک خواجہ سرائے جو سلیم شاہ سور کے زمانہ میں محمد خاں اور اکبر کے وقت میں اعتماد خاں کے خطاب سے موصوف اور منصب ہزاری پر سرفراز تھا آباد کیا تھا اس قصبہ کے قریب و جوار میں کثرت سے بودھوں اور جینیوں کی مورتیں نکلتی ہیں موجودہ قصبہ کی مردم شماری ۶۰۹۲ ہے

جس میں ۵۰۶ مسلمان ہیں اس میں تین گنبد کی جامع مسجد اور ایک وسیع تالاب اور مقبرہ بانی کی یادگار ہیں اب تک موجود ہے۔ اعتماد خاں اول خالصات شاہی کا مہتمم تھا اس کے بعد بھکر کا حاکم مقرر ہوا ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) میں یہ اپنے ایک نوکر مقصود علی کے ہاتھ سے مارا گیا اور اسی مقبرہ میں جو لب تالاب شمالی جانب واقع ہے مدفون ہوا۔ مقبرہ کا گنبد خوشنما ہے اور تعویذ مزار پر آیات قرآنی کندہ ہیں یہ تالاب اب بڑھیا تال کے نام سے مشہور ہے اس میں نہایت شیریں سنگھاڑہ پیدا ہوتا ہے اور فصل ربیع کی زراعت بھی ہوتی ہے اس میں چاروں طرف پختہ سیڑھیاں اور درمیان میں ایک دو منزلہ گنبددار نشستگاہ بنی ہوئی ہے۔ ایک پل کے ذریعہ سے جو شمالی جانب بنا ہے اس نشستگاہ تک پہنچتے ہیں۔ بڑھیا تال کا رقبہ ۲۱٫۳۲۰ گز مربع یا ۴ ایکڑ ۳ روڈ ۴ پول ہے بڑھیا تال کے وجہ تسمیہ میں عجیب و غریب خیال آرائیاں کی گئی ہیں میری رائے میں اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ چونکہ خواجہ سرا کا تعمیر کردہ ہے جن کی شکل علی العموم بڑھیوں کی سی ہوتی ہے لہذا بڑھیا کا تال مشہور ہو گیا۔

قصبہ جگنیر

قصبہ جگنیر تحصیل کھیراگڈھ میں آگرہ سے ۳۱ میل پر واقع ہے اس کی مردم شماری ۱۹۲۱ء میں ۳۰۹۹ تھی جس میں ۱۸۵ مسلمان اور باقی ہندو تھے۔ یہاں بالائے کوہ راجہ جگن یا جگ مل بانی قصبہ کے زمانہ کا ایک ویران قلعہ واقع ہے جو سمت ۱۶۲۸ (۱۵۷۱ء) کا تعمیر کردہ اور اب بہت شکستہ حالت میں ہے اس کی اراضی بپیمائش ۱۰۹۱۰ گز (معماری) مربع ہے اس کے اندر الہ وردی خاں کی بنائی ہوئی چند عمارتیں بھی واقع تھیں جو جہانگیر و شاہجہاں کے عہد کا ایک مشہور امیر تھا سب سے زیادہ مشہور ایک تالاب تھا جسے الہ وردی خاں مذکور نے بنوایا تھا یہ تالاب اب کھد گیا۔ گوال بابا نام ایک فقیر کا مندر اور گوپھا اب تک موجود و مشہور ہے قصبہ مذکور میں سنگین بازار اور پولیس اسٹیشن واقع ہے۔ اور ایک باؤلی راجہ سورج مل

جاٹ والی بھرت پور کی تعمیر کردہ ہے۔

قصبہ پناہٹ

قصبہ پناہٹ تحصیل باہ میں دریائے چمبل کے کنارہ آباد اور آگرہ سے ۳۲ میل اور باہ سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کی مردم شماری ۱۸۵۳ء میں ۷،۰۴۷ تھی جو گھٹتے گھٹتے ۱۹۲۱ء میں ۳۵۰۱ رہ گئی جس میں ۳۷۵ مسلمان اور باقی ہندو ہیں ۱۸۸۲ء تک یہ قصبہ تحصیل کا صدر مقام تھا۔ اس میں قدیم زمانہ کا ایک ویران و شکستہ قلعہ اور کئی مندر واقع ہیں جو راجہ بخت سنگھ راجہ ہمت سنگھ۔ راجہ گوپال سنگھ راجگان بھداور کے بنائے ہوئے ہیں۔ قلعہ کے قریب ایک بزرگ کا مزار بھی واقع ہے جس کی ہندو مسلمان دونوں تعظیم کرتے ہیں۔

بٹ ایشر

موضع بٹ ایشر تحصیل باہ میں دریائے جمنا کے کنارہ پر آگرہ سے ۴۱ میل اور باہ سے ۲ میل اور ریلوے اسٹیشن شکوہ آباد سے نو دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ غالباً ضلع آگرہ میں سب سے پرانا مقام ہے جو زمانہ سلف میں بہت بڑا شہر اور سورج پور یا سریا پور کے نام سے موسوم تھا اسے راجہ سوراسینا نے جو راجہ رامچندر والی اجودھیا کا بھتیجہ تھا آباد کیا تھا اس کے کھنڈرات میں اکثر پانچیں زمانہ کے سکے اور جینیوں اور بودھوں کے زمانہ کی مورتیں نکلتی ہیں۔ یہ اب بھی ہندوؤں کا متبرک مقام اور اپنے کاتکی اشنان کے میلہ کی وجہ سے جو اس نواح میں مویشیوں کا سب سے بڑا میلہ ہے دور دور تک مشہور ہے۔ راجہ بدن سنگھ بھدوریہ کے وقت میں جو شاہجہاں بادشاہ کے وقت

سلہ بھداور اس قطعہ ملک کا نام ہے جو دریائے جمنا اور دریائے چمبل کے درمیان اور کچھ حصہ چمبل کے پار واقع ہے جس میں بھدوریہ گوت کے راجپوت آباد ہیں۔ کل علاقہ تحصیل باہ اور کچھ علاقہ ریاست گوالیار کا بھداور میں داخل ہے۔

میں بھداور کا مشہور راجہ اور منصب ہزار و پانصدی پر سرفراز تھا۔ یہ شہر بخوبی آباد تھا۔ بٹ الیشر مہادیو کا مشہور مندر اسی راجہ کا بنوایا ہوا ہے جو ۱۶۴۴ء میں تعمیر ہوا۔ راجہ بخت سنگھ اور اس کے دیوان ٹھاکر بہاری نے ۱۷۷۳ء میں مندر بنوائے اور بھی بہت سے مندر اور دریا کے کنارہ ایک میل تک خوشنما اسرائیں بنی ہوئی ہیں۔ یہاں پر دریا تین چار میل تک الٹا بہا ہے اور اسی کے کنارہ پر مضبوط پختہ چبوترہ پر محلات و مندر اور اسرائیں بنی ہوئی ہیں جن کا منظر نہایت خوشنما ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بھداور کے کسی راجہ نے اس جگہ دریا کا منہ موڑ کر یہ مضبوط بند بندھوایا ہے۔ برسات کے ایام میں پانی اسرائوں سے خوب ٹکر کھاتا ہے اور جب پانی کا بہت زور ہوتا ہے تو سیڑھیوں اور چبوتروں پر ہوتا ہوا اپنے قدیم اور سیدھے بہاؤ پر بہنے لگتا ہے۔ یہاں ایک قلعہ بھی تھا جس کے کچھ کھنڈرات اب تک موجود ہیں اس موضع کی مردم شماری ۱۹۲۱ء میں ۲۱۷۳ تھی جس میں ۴۰ مسلمان تھے۔

ہتکانت

یہ قدیم موضع تحصیل باہ میں چمبل کے کنارہ پر آگرہ سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اکبر کے عہد میں پرگنہ کا صدر مقام تھا جہاں دو ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے رہتے تھے۔ اسے ہتیا میو نے آباد کیا تھا۔ راجہ رادت نے ان لوگوں کو یہاں سے نکال کر اپنا قبضہ کیا۔ اس کے بعد بھدوریہ راجپوت قابض ہوئے جو زمانہ قدیم سے شجاعت و دلاوری میں مشہور اور اکثر شاہان دہلی سے سرتابی کرتے رہتے تھے۔ ۸۳۳ھ مطابق ۱۴۲۹ء میں سید مبارک شاہ اور اس کے بعد سکندر لودی نے ان لوگوں کی سرکوبی کی۔ اکبر کے عہد اور ۳ جلوس میں آدم خاں کو یہ پرگنہ جاگیر میں ملا اور اس نے اس قوم کے سرگروہ کو جو نہایت مفسد تھا گرفتار کر کے دربار شاہی میں بھیجدیا اور بادشاہ کے حکم سے مکٹمن بھدوریہ قوم کا سرگروہ مقرر کیا گیا۔ یہاں اکبر کے عہد میں ایک قلعہ موجود تھا جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ اسکی مردم شماری ۱۹۲۱ء میں صرف ۱۵۴۳ تھی۔ تمام

پرگنہ میں اسی موضع کا قاضی نکاح پڑھاتا ہے۔

چندوار

موضع چندوار قصبہ فیروزآباد سے تین چار میل کے فاصلہ پر دریائے جمنا کے کنارہ پر واقع اور عہد سلف میں بڑا شہر تھا جسے راجہ چندرسین نے آباد کیا تھا۔ اسی جگہ ۵۹۱ھ ۱۱۹۴ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری اور مہاراجہ جے چند راٹھور والی قنوج سے لڑائی ہوئی تھی جس میں مہاراجہ جے چند مارا گیا اور سلطان نے فتح پائی۔ ۸۸۳ھ ۱۴۷۸ء میں سلطان بہلول لودی اور سلطان حسین شرقی سے اسی مقام پر مقابلہ ہوا جس میں آخر کار چند روز کے واسطے صلح ہو گئی۔ اس کے قرب وجوار میں دور تک شکستہ مساجد اور مقابر اور منادر وغیرہ کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ آثار قدیمہ میں چوہانوں کے عہد کے ایک قلعہ کے آثار نہایت بلندی پر موجود ہیں جس میں ایک مسجد بھی ہے اس مسجد میں مغلیہ عہد کے سیاحوں کے دستی تحریریں موجود ہیں۔

فیروزآباد کے آباد ہونے سے پیشتر تک یہ پرگنہ کا صدر مقام تھا جس میں بہت سے مسلمان جن میں زیادہ تر شیخان بختیاری تھے آباد تھے ۱۹۲۱ء میں مردم شماری ۲۲۲۳ تھی جن میں ۹۹ مسلمان تھے

چندوار کے قریب موضع صوفی پورہ واقع ہے جو قدیم زمانہ میں غالباً چندوار کا محلہ ہوگا۔ اس موضع میں شاہ صوفی صاحبؒ نام ایک قدیم بزرگ کی درگاہ واقع ہے شاہ صوفی صاحبؒ جن کے اصلی نام یا عہد کا باوجود تلاش بسیار راقم الحروف کو پتہ نہیں چلا البتہ یہ روایت سنی گئی ہے کہ آپ راجہ چندرسین کے زمانہ میں چندوار میں تشریف لائے تھے اور راجہ مذکور آپ کا معتقد تھا۔ درگاہ طرز عمارت سے بہت قدیم زمانہ کی معلوم ہوتی ہے جو دریا کے قریب پُر فضا میدان میں اس قدر بلند ٹیلہ اور مرتفع کرسی پر واقع ہے کہ اس کا گنبد

کوسوں سے نظر آتا ہے قدیم گنبد کے قریب منشی اسرار حسن خاں صاحب شاہجہانپوری سابق تحصیلدار فیروز آباد و حال مدار المہام ریاست بھوپال نے جن کو اس درگاہ سے خاص عقیدت ہے دالان وغیرہ بنوا دئے ہیں۔ ربیع اول کے مہینے میں دھوم دھام سے عرس ہوتا ہے جس میں فیروز آباد و قرب وجوار کے تمام ہندو مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ اس درگاہ کا منظر بوجہ بلندی اور دریا کے کنارہ پر واقع ہونے کے نہایت دلچسپ اور فرح بخش ہے خصوصًا برسات کے موسم میں جبکہ چاروں طرف پانی بھر جاتا ہے درگاہ پر عجیب وغریب بہار معلوم ہوتی ہے اور کوسوں تک کا سبزہ زار پیش نظر ہونے سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ موضع صوفی پورہ شاہان سلف کے زمانہ سے واسطے مرمت درگاہ و مصارف روشنی و لنگر خانہ و خرچ مسافرین صادر و وارد و میلہ عرس معاف چلا آتا تھا انگریزی عملداری میں لغایۃ بندوبست آئین نہم ۱۸۳۳ء نصف موضع بنام نہاد مرمت و مصارف درگاہ معاف رہا اور نصف موضع کی دو سو پچاس روپیہ سالانہ مالگذاری خادمان درگاہ خزانہ سرکار میں داخل کرتے تھے۔ بندوبست آئین نہم میں صاحب مہتمم بندوبست نے کل موضع کو ضبط کرکے پانسو روپیہ سالانہ مالگذاری تشخیص کردی منجملہ اس کے دو سو پچاس روپیہ سالانہ واسطے مصارف درگاہ اس تفصیل سے خزانہ سرکار سے نقد مقرر ہوگئے سالانہ مرمت۔ تنخواہ خادمان۔ میلہ عرس۔ خرچ روشنی غدر کے بعد بہ الزام بغاوت حسب تحریر عنایت حسین خاں ڈپٹی کلکٹر خادمان کی حقیت زمینداری اور یہ دو سو پچاس روپیہ سالانہ جو نقد ملا کرتا تھا ضبط ہوگیا لیکن تین سال تک معرفت تحصیلدار فیروز آباد عرس کا خرچ ملتا رہا ۱۸۶۱ء سے نہ معلوم کس وجہ سے وہ بھی موقوف ہوگیا اب اس موضع کی خالص مالگذاری پانسو اسی روپیہ سالانہ ہے ۱۹۲۱ء میں مردم شماری ۴۲۳ تھی جس میں ۴۸ مسلمان تھے

صوفی پورہ

کراولی

کراولی ۱۸۵۰ء سے بجائے فتحپور سیکری کے پرگنہ و تحصیل کراولی کا صدر مقام اور آگرہ سے ۱۵ میل اور ریلوے اسٹیشن اچھنیرہ سے ۳½ میل کے فاصلہ پر واقع اور آگرہ بیانہ ریلوے کا اسٹیشن ہے یہ موضع باغ کلاں کی اراضی میں آباد ہے جو اکبر کے عہد میں بستان سرائے کے نام سے مشہور اور حمیدہ بانو بیگم اکبر کی والدہ کا تعمیر کیا ہوا تھا۔ باغ کی باقیماندہ عمارت میں تحصیل کا دفتر ہے آبادی کے اندر ایک قدیم مسجد اور مقبرہ واقع ہے جو فیروز شاہ غازی کے نام سے موسوم ہے سنہ ۱۹۲۱ء میں یہاں کی مردم شماری ۲۱۷۳ تھی جس میں ۳۴۳ مسلمان تھے۔

اچھنیرہ

پرگنہ کراولی ضلع آگرہ کا ایک موضع ہے جو ۱۸۵۸ء تک پرگنہ فرح میں شامل تھا۔ یہ چونکہ راجپوتانہ مالوہ ریلوے کی دو شاخوں کا جنکشن اور بھرت پور کی پختہ سڑک پر واقع ہے لہذا روز بروز رونق پر ہے۔ ایکٹ ۲۰ سنہ ۱۸۵۶ء اس میں جاری اور پولیس اسٹیشن۔ شفاخانہ اور ڈاکخانہ بھی موجود ہے سنہ ۱۹۲۱ء میں یہاں کی مردم شماری ۵۱۲۱ تھی جس میں ۶۰۱ مسلمان تھے

اچھنیرہ میں ایک قدیم مندر ہے جو مندر نرسنگھ جی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے اخراجات کے واسطے شاہی زمانہ سے ایک معافی ملی ہوئی ہے جس کا فرمان حسب ذیل ہے

نقل فرمان معافی مندر اچھنیرہ

مہر احمد شاہ بادشاہ غازی سنہ ۱۱۶۱ھ

زمینداران و مزارعان قصبہ اچھنیرہ مضافات صوبہ مستقر الخلافت اکبرآباد بدانند

نقل فرمان معافی مندر

لہ پرگنہ فرح ۱۸۵۸ء تک ضلع آگرہ میں شامل تھا اب ضلع متھرا میں ہے خاص قصبہ فرح میں حمیدہ بانو بیگم والدہ اکبر بادشاہ کی بنوائی ہوئی ایک سرائے ایک تالاب پختہ اور دو باؤلیاں موجود ہیں۔

موازی ہفتدہ بیگہ زمین معافی خارج جمع توفیر ارتھہ بنام سیتل داس بیراگی برائے اخراجات بھوگ ونوذ سری ٹھاکر جی دادہ شدہ باید کہ از وجہ محصول اراضی مذکور مراسم لبتہ بہ بیراگی مسطور واگذارند کہ درصرف یا محتاج سری ٹھاکر جی می نمودہ باشد فقط۔ بنام چودھری بازار قصبہ اچھنیرہ آنکہ۔ تی گون ۰۰ دار غلہ بنا بر ہوم ٹھاکر جیو دہانیدہ باشد بیراگی مذکور محروم نماند۔ تحریر تاریخ غرۃ رمضان سنہ ۳ جلوس والا ۱۱۳۹ ف۔

رُنکتہ

موضع رُنکتہ پرگنہ کرادلی میں متھرا و آگرہ کی پختہ سڑک پر آگرہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر واقع اور ہندوؤں کا مقدس مقام سمجھا جاتا ہے۔ جہاں ترتیا جگ میں ہندوؤں کے چھٹے اوتار پرسرام نے جمدگن (जमदग्नि) برہمن کی زوجہ رینکا (रेणुका) کے شکم میں جنم لیا تھا چنانچہ اس میں پرسرام کا مندر بنا ہوا ہے جہاں دسہرہ پر میلہ ہوتا ہے اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں یہ موضع خواجہ ہلال نام ایک خواجہ سرا کی جاگیر میں تھا جو بادشاہ کا میر تزک تھا اس نے ایک قلعچہ اور سرائے پختہ اور بازار یہاں تعمیر کرا کر ہلال آباد اس کا نام رکھا تھا۔ اس کی عمارت کے باقیماندہ نشانات کچھ عرصہ پیشتر تک موجود تھے۔ یہاں لب دریائے جمن ایک بزرگ کی خانقاہ نہایت عمدہ موقع پر واقع ہے جو درگاہ سخی سرور سلطان کے نام سے موسوم ہے۔ اکبر بادشاہ کی والدہ حمیدہ بانو بیگم نے بھی اس جگہ ایک پختہ سرائے تعمیر کرائی تھی شاہی زمانہ میں آگرہ سے رُنکتہ تک برابر آبادی اور عمارت کا سلسلہ تھا۔ رُنکتہ میں اکبر بادشاہ کی شکارگاہ بھی تھی اور اکثر اُمرا اور بیگمات نے عمارتیں تعمیر کرائی تھیں ۱۹۲۱ء میں یہاں کی مردم شماری ۱۹۹۲ تھی جس میں ۴۰۸ مسلمان تھے۔ یہاں ایک شاہی مسجد شکستہ حالت میں موجود اور جامع مسجد کے نام سے موسوم ہے۔

جاجئو

موضع جاجئو پرگنہ کھیراگڈھ میں اُٹنگن ندی کے کنارہ پر واقع ہے۔ یہاں ۱۸ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ء) کو شاہزادہ محمد اعظم شاہ اور شاہزادہ محمد معظم شاہ میں لڑائی ہوئی تھی۔ آثار قدیمہ میں ایک عالیشان سرائے جو گیارہ بیگہ پختہ اراضی میں بنی ہے اور اس کے اندر ایک تین گنبد و تین در کی سنگین مسجد موجود ہے شمال و جنوب میں دو شاندار سنگین دروازے ہیں جن کے درمیان میں ہو کر گوالیار کی قدیم سڑک جاری تھی۔ مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی بنا ہے یہ سرائے اور خوشنما مسجد شاہجہاں کے عہد اور ۱۰۵۳ھ میں تعمیر ہوئی تھی مردم شماری ۱۹۲۱ء میں ۱۳۹۰ تھی جس میں ۱۰۰ مسلمان تھے۔

ڈھاکر

موضع ڈھاکر صدر تحصیل آگرہ میں شہر سے ۱۰ میل کے فاصلے پر فتحپور سیکری کی سڑک پر واقع ہے۔ یہاں اکبر بادشاہ کی بیگم سلیمہ سلطانہ بیگم کا باغ و مقبرہ واقع تھا جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں رہا البتہ ایک چھوٹی سی تین در کی مسجد اور سنگین برج موجود ہے۔ یہ مسجد ۲۴ فیٹ لمبی اور ۲۳ فیٹ چوڑی ہے ستونوں پر اکبر کے عہد کے مشہور کتبہ نویس میر محمد معصوم کا کندہ کیا ہوا یہ کتبہ مرقوم ہے "بندگان حضرت ظل الٰہی بعد از فتح دکن بندہ را از آگرہ بہ جانب عراق و خراسان مرخص فرمودند (۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ء) حررہٗ محمد معصوم بکری بن سید صفائی المتخلص بہ نامی" دیگر۔ من معدان الافکار

تجنی عمر است چناں راہوار | کش نتواں باز کشیدن مہار
نامی ازیں رہ دولت آگاہ بہ | ساز بہ اندازہ ازیں راہ بہ

قائلہ و کاتبہ محمد معصوم النامی والبکری۔ تحریر فی شہر رمضان ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) "آگرہ" ادہ

تالاب سہارہ

ٹڈھاکر کے درمیان میں متصل آبادی موضع سہارہ ایک وسیع پختہ تالاب شاہی زمانہ کا بنا ہوا ہے۔ ٹڈھاکر کی مردم شماری ۱۹۲۱ء میں ۱۴۵۲ تھی جس میں ۲۲۶ مسلمان تھے

سموگر

موضع سموگر آگرہ تحصیل میں شہر سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر لب دریائے جمن واقع ہے اکبر و جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں یہ موضع شکارگاہ تھا اور بادشاہ اور بیگمات اور امرائے شاہی شکار و تفریح یا تبدیل آب و ہوا کے واسطے یہاں آیا کرتے تھے لہذا اُمرا کے محلات اور شاہی عمارات اور باغات کی وجہ سے اس جگہ ایک مختصر سا شہر آباد ہوگیا تھا شاہجہاں نے یہاں اسی ہزار روپیہ کے صرف سے باہتمام آگاہ خاں خواجہ سرا ایک دل فریب قیام گاہ بنوائی تھی اس کا حوض نہایت خوشنما اور باغ کشمیر کے مشہور باغ شالا مار کا نمونہ تھا۔ یہ عمارت لب دریا آبادی سے نصف کوس کے فاصلہ پر واقع تھی۔

موضع سموگر دارا شکوہ اور عالمگیر کی پہلی لڑائی کی وجہ سے مشہور ہے۔ ۷ رمضان ۱۰۶۸ھ کو اسی مقام پر دارا شکوہ کی قسمت کا فیصلہ ہوا تھا۔ اب کوئی قابل دید آثار یہاں باقی نہیں ہے

کاگارول

کاگارول تحصیل کھیراگڈھ میں آگرہ سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے یہاں ایک قدیم قلعہ کے آثار پائے جاتے ہیں اور قرب و جوار میں قدیم عمارات کے منقش پتھر نظر آتے ہیں قدیم زمانہ کے اکثر مدفون سکے کتبے اور مورتیں بھی برآمد ہوتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں بڑا شہر آباد تھا۔ آبادی کے قریب شیخ عنبر نام ایک بزرگ کا نہایت خوشنما مقبرہ موجود ہے جو بارہ کھمبے کے نام سے موسوم ہے آگرہ کے مشہور مخیر بزرگ خان بہادر شیخ بدرالدین صاحب اسی مقام کے باشندے ہیں۔

باہ

قصبہ باہ آگرہ سے ۴۵ میل کے فاصلہ پر آگرہ اٹاوہ کی سڑک پر واقع اور تحصیل باہ کا صدر مقام ہے یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جسے سترھویں صدی میں راجہ کلیان سنگھ بھدوریہ نے آباد کیا تھا اور اپنے قیام کے واسطے یہاں ایک محل اور باغ تعمیر کرایا تھا۔ یہاں کا مشہور مندر موسومہ مدن گوپال کا مندر راجہ بخت سنگھ بھدوریہ کا تعمیر کردہ ہے جو ۱۷۵۲ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔

کھیراگڑھ

کھیراگڑھ آگرہ سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر واقع اور تحصیل کھیراگڑھ کا صدر مقام ہے یہ ایک موضع ہے جو ایک قدیم کھیڑے پر آباد ہے۔ یہاں ایک قدیم مٹی کے قلعہ یا گڑھی کے آثار اور قریب میں دو ٹیلے موجود ہیں جن میں ایک ٹیسو ٹیلہ کے نام سے موسوم ہے ان میں اکثر قدیم عمارات کے منقش پتھر نکلتے ہیں۔

ساندھن

یہ موضع تحصیل کراولی میں اچھنیرہ سے ۵ میل کے فاصلہ پر ایک بلند ٹیلہ پر آباد اور نومسلم راجپوت موسومہ ملکانوں کا ضلع آگرہ میں سب سے بڑا اور مرکزی مقام ہے۔ یہاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ دہلوی اور ظاہر پیران کو ایک نومسلم بزرگ بتایا جاتا ہے) کی فرضی قبریں بنی ہیں جن پر سالانہ میلہ لگتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی قبر کے فقیر مجاوروں کے نام قدیم الایام سے کچھ اراضی معافی چلی آتی ہے۔ ۱۹۱۹ء سے انجمن محمدیہ آگرہ نے ایک مدرسہ یہاں جاری کیا ہے اور ڈھائی ہزار روپیہ کے صرف سے ایک مسجد تعمیر کرادی ہے۔

کھندولی

آگرہ و علی گڈھ کی سڑک پر آگرہ اور سعد آباد کے درمیان میں واقع اور سابق میں موجودہ پرگنہ اعتماد پور کا صدر مقام تھا۔ بابر کے زمانہ میں جمنا پار یعنی اعتماد الدولہ سے لیکر کھندولی تک متصلہ آبادی تھی جو کابل کے نام سے موسوم اور موجودہ اصطلاح کے بموجب اُس زمانہ کی چھاؤنی تھی اس آبادی کے تنزل کے بعد بھی مدت تک موجودہ کھندولی کابل کے نام سے موسوم رہی۔

الحمد للہ اولاً و آخراً۔

— تمام شد —

شکریہ

مفتی محمد انتظام اللہ صاحب صدیقی الشہابی ابن مفتی اکرام اللہ صاحب خطۂ مردم خیز گوپامئو کے
فرزند رشید اور وہاں کے ایک قدیم علمی خاندان کی یادگار آگرہ کے مشاہیر اہل قلم سے ہیں۔ باوجود
اپنی سیاحانہ تجارتی مصروفیوں اور قومی کاموں کے انہماک کے آپ کا قلم ہر وقت رواں رہتا ہے
کبھی آپ کسی اخبار کی اڈیٹری کی کرسی پر نظر آتے ہیں تو کبھی مختلف رسالوں کی علمی مجالس میں
رونق افروز دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کی متعدد تصانیف (تذکرہ صابر۔ سوانح زیب النسا بیگم
سوانح عمری حضرت غوث الاعظمؒ۔ سوانح عمری خواجہ غریب نوازؒ۔ تذکرہ علمائے گوپامئو وغیرہ)
شائع ہو چکی ہیں اور اسوقت بھی آپ اولیائے ہند کے ایک مبسوط تذکرے کی ترتیب میں مصروف ہیں
قلمی کتابوں اور پرانی یادگاروں کے جمع کرنے کا خاص شوق ہے اور سفر و حضر میں اسی دھن میں لگے
رہتے ہیں اگرچہ خود کتابوں کے قدردان اور شوقین ہیں مگر بطور زکوٰۃ کتب خانہ محمدیہ کی بھی امداد
فرماتے رہتے ہیں۔ نگارندۂ مرقع اکبرآباد پر آپ کی خاص نظر عنایت ہے اور اکثر کتب خانہ محمدیہ
میں تشریف لاتے اور تبادلہ خیالات فرماتے رہتے ہیں "مرقع اکبرآباد" کا مسودہ عرصہ سے ردیوں میں
پڑا ہوا تھا اور اس کے شائع ہونے کی بظاہر کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ موصوف کا مسلسل دوستانہ
اصرار اس کے شائع ہونے کا باعث ہوا جس کا شکریہ تہ دل سے ادا کیا جاتا ہے۔

نیازمند سعید احمد مارہروی